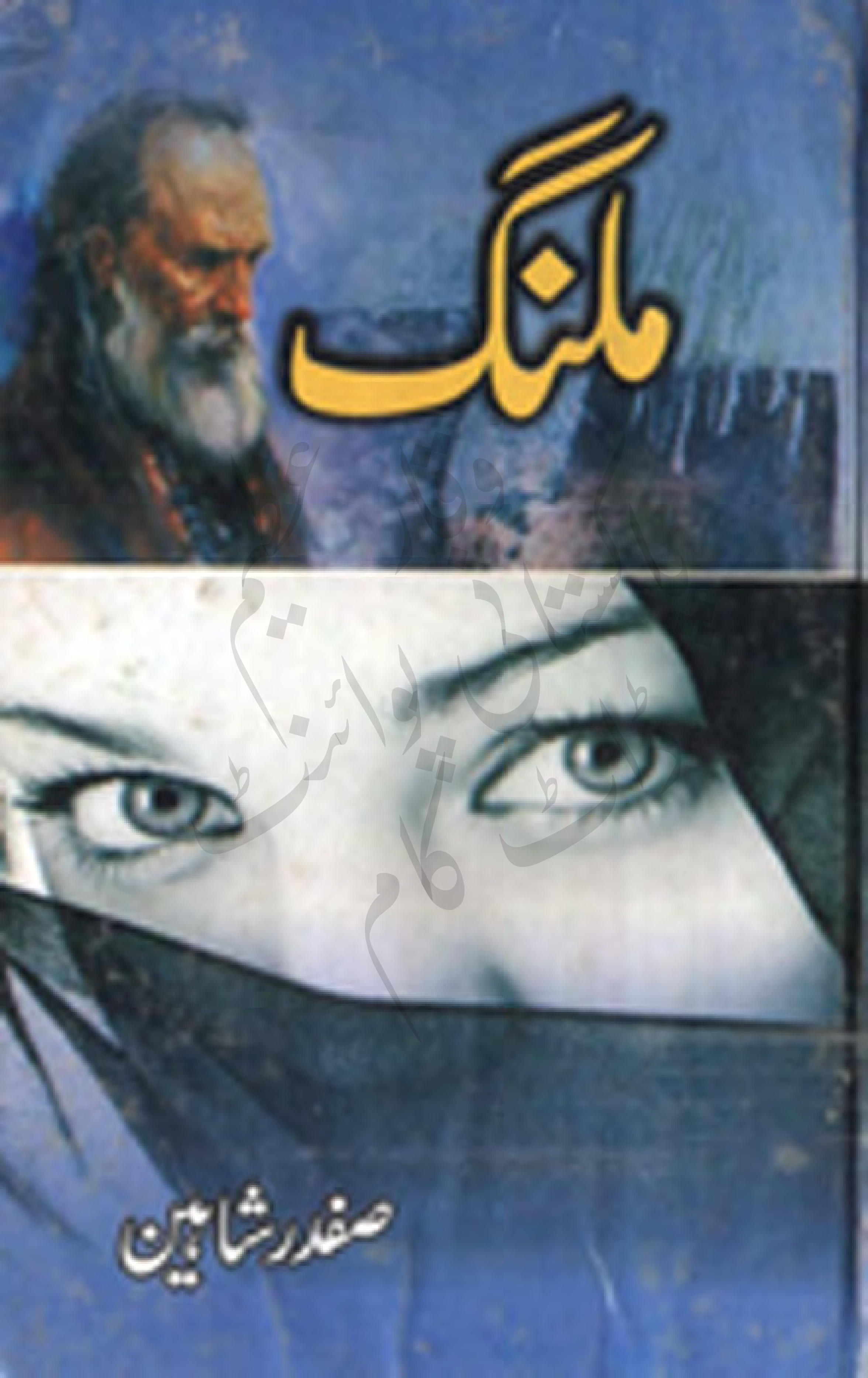

ملنگ
صفدر شاہین

عادل ٹارچ کی روشنی میں بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا اور اسے اس بات کا یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اس گھنے، تاریک اور سنسان جنگل میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے اطراف کا جائزہ لینے کے لیے ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر ڈالی تو اسے اپنے آگے ایک تندرست و توانا خرگوش بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ ٹارچ کی روشنی جب اس کی آنکھوں پر پڑتی تو ان سے گہری ہری شعاعیں نکلتی محسوس ہوتیں۔ وہ خرگوش کچھ دیر تک عادل کے آگے چلتا رہا پھر اچانک ہی کسی جانب غائب ہو گیا۔ عادل ٹھٹھک کر رکا اور خرگوش کی تلاش میں اِدھر اُدھر روشنی پھینکنے لگا مگر خرگوش نظر نہ آیا۔ چنانچہ وہ دوبارہ اس سمت میں قدم بڑھانے لگا۔ رات کی بھیانک خاموشی اور اندھیرے نے ایک عجیب سا ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے ایک ندی آ گئی۔ ندی سخت گرمی کی وجہ سے سوکھ چکی تھی ادھر اُدھر کے گڑھوں میں پانی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ندی کے کنارے کنارے چلنے لگا۔

وہ کچھ آگے بڑھا ہی تھا کہ ہلکے ہلکے شور کی آواز سنائی دی اور اس کے قدم رک گئے۔ شور ندی کے دوسرے کنارے پر ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بہت سی مچھلیاں پانی کی سطح پر دوڑتی پھر رہی ہیں۔ اس کی ٹارچ کی روشنی کی لکیر پانی کے اوپر تیرتی ہوئی ایک جگہ رک گئی۔ اس نے ایک جھلک سی دیکھی جیسے کالا ہرن گھٹنے ٹیک کر پانی پی رہا ہو۔

اس نے رائفل کی نالی پر نصب ٹارچ کا بٹن دبا دیا۔ روشنی ہونے پر اسے سو فیصد یقین ہو گیا کہ کالا ہرن ندی پر پانی پینے آیا ہوا ہے۔ وہ احتیاط سے آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ گیا۔ کالا ہرن کبھی اٹھتا اور کبھی بیٹھتا دکھائی دے رہا تھا۔ کبھی وہ حرکت کرتا اور کبھی دائیں بائیں دیکھنے لگتا۔ عادل کو خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہو رہی تھی کہ وہ ہرن ایک ہی جگہ بیٹھا حرکت کر رہا تھا ورنہ اس نے تو یہی سن رکھا تھا کہ ہرن ندی کے کنارے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اِدھر اُدھر گردن موڑ کر دیکھتا ہے اور پانی پی کر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے مگر وہ ہرن بے خوف و خطر بیٹھا رہا تھا۔

اس نے زمین پر بیٹھے بیٹھے کالے ہرن پر فائر کرنے کے ارادے سے اس کا نشانہ لیا۔ اس سے پہلے

کہ وہ فائر کرتا اچانک ایک آواز ابھری۔

"ٹھہرو۔"

عادل چونکے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ وہ آواز ہرن کی طرف سے آئی تھی۔اسے خوف وحیرت کا جھٹکا لگا کہ ایک ہرن کیسے انسانی آواز میں بول سکتا ہے۔اس نے ٹارچ کی روشنی اس ہرن پر قائم رکھی اور جی کڑا کر کے سخت لہجے میں پوچھا۔"کون ہے؟"

جواب میں ایک کھنکتا ہوا قہقہہ سنائی دیا اور عادل کے ہاتھ میں پکڑی رائفل لرز کر رہ گئی۔خوف کی تیز لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک نسوانی قہقہہ تھا۔نہ جانے قہقہہ لگانے والی کہاں تھی۔وہ کالے ہرن پر نگاہیں جمائے سوچ رہا تھا کہ آواز تو اسی طرف سے آئی تھی جس طرف ہرن موجود تھا اور ہرن کے عقب میں جنگل کی گھنی جھاڑیوں اور درختوں کے سوا کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔

"تم۔تم کون ہو۔سیدھی طرح بتاؤ۔ورنہ فائر کرنے لگا ہوں۔"

"ناں ناں......گولی مت چلانا۔میں اس وقت نہا رہی ہوں۔" جواب ملا اور عادل ایک بار پھر لرز کر رہ گیا۔اس کے ذہن پر حیرت وخوف بیک وقت ہتھوڑے کی مانند برسنے لگے اور پیشانی پسینے سے تر ہونے لگی۔سینے میں دل دھک دھک کر رہا تھا۔اس نے بہ مشکل اپنے ہوش وحواس قائم رکھے۔وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی مخاطب کوئی ماورائی مخلوق ہے اور اس نے ذرا سی بھی بزدلی کا مظاہرہ کیا تو مارا جائے گا۔شاہ زندہ کا یہ جنگل صدیوں سے جنوں بھوتوں کا مسکن مشہور چلا آ رہا تھا۔

"تم ہو کون......؟" اس نے چند لمحوں کے توقف سے پوچھا۔

"میں گاؤں میں رہتی ہوں اور روزانہ نہانے کے لئے اس ندی پر اسی جگہ آتی ہوں۔"

"اگر میں فائر کر دیتا تو تیرا کیا حشر ہوتا؟" عادل نے سنبھل کر پوچھا۔

جواب میں ایک قہقہہ ابھرا اور عادل گھبرا گیا۔وہ اسے قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔مگر اس کی ہمت نے ساتھ نہ دیا۔ایک دم ہی خوف ودہشت نے اس کے ذہن پر یلغار کر دی اور اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہو کر رہ گئی۔وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا پھر مڑا اور واپس بھاگنے لگا۔

"ہاہاہا......ہاہاہا" عقب سے نسوانی قہقہہ بلند ہوا۔"کہاں جا رہے ہو،کیا مجھے شکار نہیں کرو گے؟"

عادل نے پیچھے دیکھنے یا جواب دینے کی بجائے اپنی رفتار تیز کر دی۔وہ جیسے جیسے بھاگتا جا رہا تھا قہقہے اس کا پیچھا کرتے اس سے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔سارا بدن پسینے میں شرابور تھا اور سینے میں کلیجہ تیزی سے اچھل اچھل کر حلق کی طرف آ رہا تھا۔ہانپتے کانپتے وہ شاہ زندہ کے اس پُراسرار اور خوفناک جنگل سے باہر آیا اور گاؤں کی طرف بگٹٹ دوڑنے لگا۔اس کی رائفل ہاتھ سے

چھوٹ کر جنگل میں گر گئی تھی۔اپنی حویلی میں پہنچا تو گھر میں اس کی ماں اور بہن اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔اس کی حالت دیکھ کر وہ سہم گئیں۔عادل ان سے بات کیے بغیر ہی صحن میں پڑی چارپائی پر گر گیا اور اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ماں نے جلدی سے اسے سنبھالنے کی کوشش کی تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔بہن اپنی بیماری بھول گئی اور نقاہت کے باوجود اپنی چارپائی سے اٹھ کر لڑکھڑاتی ہوئی اس کے سرہانے آ بیٹھی۔ماں اس کی ہتھیلیاں ملنے لگی۔

"اماں......لالہ تو بے ہوش لگ رہا ہے۔" اس نے سسکتے ہوئے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہ جانے کیا ہوا ہے اس کے ساتھ۔تم اس کا دھیان رکھو۔میں حکیم صاحب کو بلا کر لاتی ہوں۔" ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔"رائفل بھی نہ جانے کہاں پھینک آیا ہے۔"

وہ حویلی سے باہر چلی آئی۔عادل کی بہن عادل کے قریب بیٹھ کر اس کی ہتھیلیاں ملنے لگی مگر کمزوری کے باعث وہ چند لمحوں میں ہی تھک گئی۔وہ اٹھارہ برس کی نوجوان دوشیزہ تھی لیکن پُراسرار مرض نے چند دنوں میں ہی اس کا خوبصورت روپ چھین کر اسے اتنا کمزور اور لاغر کر دیا تھا کہ صدیوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔اسے یقین تھا کہ اس کا نوجوان بھائی جسے وہ "لالہ ملنگ" کہا کرتی تھی،اس کے لیے کالا ہرن شکار کرنے شاہ زندہ کے جنگل میں گیا ہوگا،کیونکہ دو گھنٹے پہلے اس نے عادل کو رائفل اور ٹارچ کے ساتھ گھر سے باہر جاتے دیکھا تھا۔اس وقت ماں سو رہی تھی ورنہ شاید وہ عادل کو باہر نہ جانے دیتی۔وہ دل ہی دل میں حکیم فتح محمد کو کوسنے لگی جس نے اس کے علاج کے لیے کالے ہرن کا کلیجہ تجویز کیا تھا اور اس کے پچیس سالہ بھائی عادل سے کہا تھا کہ وہ اپنی پیاری بہن کی زندگی بچانے کیلئے کالے ہرن کو ضرور شکار کرے گا۔

حکیم فتح محمد کی کوششوں سے اسے ہوش آیا تو ماں نے فوراً سوال کیا۔"کیا ہوا تھا بیٹا؟"

"ہاں بھئی ملنگ،بتاؤ کہاں گئے تھے اور کیا ہوا تھا؟" حکیم فتح محمد نے بھی نرمی سے سوال کیا اور عادل نے مختصراً جنگل میں پیش آنے والا واقعہ بیان کر دیا۔حکیم فتح محمد نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"رہے نا ملنگ کے ملنگ،تم جیسوں کو کہتے ہیں پڑھے لکھے بیوقوف۔"

"مگر حکیم جی آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ کالے ہرن کی کلیجی بھون کر کھلانے سے شاہدہ تندرست ہو جائے گی۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اتنی رات گئے جنگل میں سے ہرن شکار کر کے لانا!" حکیم صاحب نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"لالہ!تم نے میرے لئے اپنی جان کیوں خطرے میں ڈال دی؟اس سے تو اچھا تھا کہ میں مر جاتی۔"

"نہ نہ شاہدہ ایسا مت کہو۔" عادل نے تڑپ کر کہا۔"تم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہو۔"

"بیٹے اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں تو جیتے جی مر جاتی۔" ماں نے سسکتے ہوئے کہا۔ "اپنے باپ کے مرنے کے بعد سے تو تم ہی ہمارا سہارا ہو۔ آخر تمہیں کیا ضرورت تھی آدھی رات کو جنگل میں جانے کی؟ تمہارا باپ بھی اسی طرح ایک رات جنگل میں گیا تھا۔ پھر ایسا بیمار پڑا کہ دنیا ہی سے چلا گیا تھا۔"

"اچھا" عادل چونکا۔ "مگر ماں، تم نے کبھی مجھے بتایا تو نہیں کہ ابا کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟"

"کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ حکیم جی نے بھی مجھے منع کیا تھا کہ بچوں کو نہ بتاؤں۔ انہوں نے خود بھی اپنی زبان بند رکھی۔"

"کیوں حکیم جی کیا ضرورت تھی زبان بند رکھنے کی؟" شاہدہ نے تیزی سے پوچھا۔

"دراصل یہ اس رات تمہارے ابا کے ساتھ تھے۔ مجھے بھی انہی سے پتا چلا تھا۔"

عادل نے حکیم فتح محمد کی طرف حیرت سے دیکھا۔ "حکیم جی۔ کیا بات ہوئی تھی؟ بتائیں ناں۔"

"فائدہ تو نہیں کوئی بتانے کا لیکن تمہاری خواہش ہے تو مختصراً بتا دیتا ہوں۔" حکیم فتح محمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "البتہ میں تمہارے والد مرحوم کے ساتھ نہیں تھا۔ انہوں نے خود مجھے یہ واقعہ سنایا تھا۔ لہٰذا میں تمہارے باپ کے الفاظ میں ہی بتاتا ہوں۔"

☆☆☆

میں کرم داد بلوچ کے ساتھ شاہ پور کا میلہ دیکھنے گیا تھا۔ سارا دن میلہ دیکھتے رہے اور جب شام ہونے لگی تو ہم اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر واپس چل دیئے۔ رات کے نو دس بجے تک تو ہم سڑک کے ساتھ ساتھ چلتے رہے مگر پھر کرم داد نے کہا کہ اب چاند نکل آیا ہے، اس لیے ہمیں سڑک کی بجائے مختصر راستہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ گاؤں پہنچتے پہنچتے فجر ہو جائے گی۔ جبکہ اس نے صبح اپنے رقبے میں ہل بھی چلانا تھا۔ میں نے اس کی تجویز مان لی اور ہم سڑک چھوڑ کر ریتلے ٹیلوں میں سفر کرنے لگے۔ تیرھویں رات کا چاند اپنی روپہلی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ ہم اس کی روشنی میں سفر کر رہے تھے۔ ریتلے علاقے سے گزر کر ہم جنگل کے پاس پہنچ گئے۔ ہمیں جنگل کے ساتھ ساتھ سفر کرنا تھا کیونکہ جنگل میں اندھیرا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے ایک راستہ جنگل کے اندر شاہ زندہ کے مزار تک جاتا ہے۔ وہاں کمہاروں کی ایک پرانی بھٹی تھی جو ٹوٹ پھوٹ چکی تھی اور اس میں لمبے لمبے سرکنڈوں کے پودے اگے ہوئے تھے۔ اس پرانی بھٹی سے تیس چالیس قدم کے فاصلے پر جنگل تھا جبکہ بھٹی کی دوسری جانب ریت کے ٹیلے تھے۔ ہمیں وہاں سے رخ بدل کر پھر ریت پر سفر کرنا تھا۔ کرمو نے اپنا اونٹ روکتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "رستم خان۔ ذرا رکو۔ میں......" کرموں نے ایک انگلی اٹھا دی۔ میں مسکرایا اور اونٹ روکا اور اونٹ سے اتر کر اس نے مثانہ خالی کیا۔ کرمو بلوچ واپس آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "یار رستم۔ تم خود کو بڑا بہادر سمجھتے ہو۔ آج میں

تمہاری دلیری کا امتحان لوں؟"

"لے لو نا۔ میں تمہاری طرح بزدل تو نہیں ہوں۔" میں نے جواباً کہا۔

"اچھا تو یہ لو چھری۔" اس نے اپنی لمبے پھل والی چھری میری طرف بڑھاتے ہوئے پرانی بھٹی کی طرف اشارہ کیا۔ "اس بھٹی کے سرکنڈوں کے درمیان یہ چھری زمین میں گاڑ آؤ۔ مگر چھری واپس لے آنا۔ تب میں تمہیں بہادر جانوں گا۔"

میں نے سن رکھا تھا کہ اس پرانی بھٹی پر جنات کا قبضہ ہے مگر میں نے پرواہ نہ کی۔ مجھے یقین تھا کہ لوگوں نے خواہ مخواہ اس بھٹی کو آسیبی مشہور کر رکھا ہے۔ میں نے کرمو سے کہا۔ "تو تمہارے خیال میں وہاں جن مجھے پکڑ لیں گے؟"

میرا طنزیہ لہجہ محسوس کر کے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہی تو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم میں چھری گاڑنے کی کتنی جرأت ہے۔" اس کی بات پر مجھے جوش آ گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے تیز دھار چھری لے لی۔ "ٹھیک ہے۔ آؤ دیکھو۔"

"میرے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اکیلے ہی جاؤ۔ میں یہاں بیٹھا ہوں۔"

میں نے سر جھٹکا اور بڑی دلیری سے پرانی بھٹی کی طرف چل دیا۔ لیکن بھٹی کے قریب پہنچ کر اچانک مجھے خوف محسوس ہونے لگا۔ کرمو وہاں سے تیس چالیس قدم دور اونٹوں کے پاس کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ بھٹی کے آس پاس جھاڑ جھنکاڑ اگا ہوا تھا۔ دوسری طرف جنگل تھا۔ خود کو وہاں تنہا محسوس کر کے میرا دل ہول کھانے لگا مگر میں بزدل نہیں کہلانا چاہتا تھا۔ میں نے اپنا خوف مٹانے کے لیے سوچا کہ بھٹی کے بارے میں لوگوں نے غلط باتیں پھیلا رکھی ہیں۔ بھلا اس زمانے میں جنات کہاں۔ میں دل مضبوط کر کے بھٹی کی حدود میں اگے سرکنڈوں میں گھس گیا۔ وسط میں پہنچ کر رکا تو ایک بار پھر میرے ذہن پر انجانا سا خوف طاری ہونے لگا۔ دل چاہا کہ واپس چلا جاؤں لیکن خیال آیا کہ یہ میرا امتحان ہے۔ اگر میں یونہی واپس گیا تو کرمو مجھ پر ہنسے گا اور مذاق اڑائے گا۔ چنانچہ میں نے ہمت کی اور چھری بلند کر کے زمین میں گاڑ دی۔

مگر دوسرے ہی لمحے وہاں سے ایک کربناک اور اذیت میں ڈوبی ہوئی چیخ بلند ہوئی اور میں بے اختیار اچھل پڑا۔ میں نے گھبرا کر دہشت زدہ نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ میرا وہم ہے۔ میں نے زمین میں گڑی ہوئی چھری واپس نکالنے کی کوشش کی لیکن اب خوف سے میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ پھر اچانک ہی مجھے اپنے آس پاس پُراسرار سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یوں لگتا تھا جیسے بہت سے لوگ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہوں۔ وہ آوازیں سن کر میں گھبرا گیا

اور خوف سے میرے پسینے بہنے لگے۔ میں سہا ہوا سرکنڈوں کے درمیان بیٹھا وہ آوازیں سن رہا تھا۔ میری کلہاڑی جسے میں ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا، میری گود میں رکھی تھی اور مجھے اپنے پیروں کے نیچے زمین کانپتی محسوس ہو رہی تھی۔ چند لمحوں بعد ہی سرکنڈوں میں اچانک حرکت ہونے لگی جیسے ہوا سے ہل رہے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی وہ پُراسرار سرگوشیاں بند ہو گئیں اور رونے پیٹنے کا شور بلند ہونے لگا۔ لگتا تھا جیسے کئی عورتیں بین کر کے رو رہی ہوں۔ یہ نئی آوازیں سن کر میں اور بھی ڈر گیا اور دہشت سے میرا دم گھٹنے لگا۔ رونے کی آوازیں لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میرا خوف بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ دفعتاً میری نگاہوں کے سامنے سے سرکنڈے غائب ہو گئے اور میں خود کو ایک عالیشان کمرے میں کھڑا دیکھنے لگا۔ اس کمرے میں ایک خوبصورت جھولا میرے سامنے رکھا تھا اور اس میں ایک ننھا سا سال ڈیڑھ سال کا انتہائی خوبصورت بچہ تڑپ رہا تھا۔ میری چھری اس کے سینے میں پیوست تھی۔ مجھ سے چند فٹ دور آٹھ دس عورتیں بیٹھی آپس میں لپٹی بین کر کے رو رہی تھیں۔ ان میں سے ایک عورت بری طرح آہ و بکا کر رہی تھی۔ اتنے میں دو افراد کمرے میں داخل ہوئے اور چند فٹ دور رک کر مجھے غضبناک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

''جی چاہتا ہے اس بدبخت کا کلیجا چبا ڈالوں۔'' ان میں سے ایک غرایا۔ ''اس نے میرے معصوم اور بے خطا بچے کو قتل کر دیا ہے۔''

''میں اس ظالم کو نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے میرے اکلوتے نونہال کو ذبح کر ڈالا ہے۔'' زیادہ آہ و بکا کرنے والی عورت چیختی ہوئی اٹھی۔

''ٹھہرو۔ صبر کرو۔'' ایک عورت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''اسے ابھی جانے دو۔''

میں دہشت زدہ کھڑا بچے کی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی کمرے میں آیا اور بچے کی طرف دیکھ کر چلایا۔ ''ارے...... بچے کو کس نے چھری ماری ہے؟''

''اس سنگدل درندے نے۔'' بچے کے باپ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''آہ......'' بوڑھا سسک کر بولا۔ ''میرے معصوم پوتے نے کیا جرم کیا تھا۔ کیا بگاڑا تھا اس کا؟''

''یہ بہادری دکھانے کے جوش میں یہاں آیا تھا۔'' بچے کے باپ نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''بدبخت آدمی۔'' بوڑھے نے میری طرف غضبناک نگاہوں سے دیکھا۔ ''بچے کے سینے سے چھری نکال کر دفع ہو جا لیکن یہ مت بھولنا کہ ہم اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کیا کرتے۔ تم سے بھیانک انتقام لیا جائے گا۔ جا چلا جا اور آئندہ یہاں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرنا۔''

اس کے ساتھ ہی وہ منظر غائب ہو گیا۔ اب میں پھر خود کو سرکنڈوں کے وسط میں کھڑا پا رہا تھا۔ مجھ پر

دہشت طاری تھی اور میں خشک پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ میرا ہاتھ ابھی تک چھری کے دستے پر تھا اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ چھری اوپر نیچے حرکت کر رہی ہے۔ شاید ابھی تک بچہ تڑپ رہا تھا۔

''رستم...... اب آ بھی جاؤ۔'' دفعتاً مجھے کرمو کی آواز سنائی دی۔ ''کیا سو گئے ہو وہاں؟''

کرمو کی آواز سن کر میرا خوف قدرے کم ہو گیا۔ میں نے پوری طاقت صرف کر کے چھری زمین سے نکالی تو چاند کی روشنی میں مجھے چھری سے خون ٹپکتا دکھائی دیا۔ میں اٹھا اور سرکنڈوں سے نکل آیا۔ بھٹی سے باہر آنے پر مجھے وہاں چار آدمی کھڑے دکھائی دیئے۔ ان کی شکلیں اتنی بھیانک اور خوفناک تھیں کہ دہشت سے میری چیخ نکل گئی اور میں کرمو کی طرف دوڑا۔ ایک لمحے بعد مجھے محسوس ہوا کہ وہ چاروں بھی میرے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ افراد نظر نہ آئے۔ ان کی بجائے چار کالے کتے میرے پیچھے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ جن ہی ہیں اور کتوں کی شکل میں میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں بھگانے کے لیے دوڑتے دوڑتے اپنی کلہاڑی اپنے اطراف میں گھمائی اور کتے ایک دم رک گئے۔

مجھے بدحواسی کے عالم میں بھاگتا دیکھ کر کرمو بوکھلا گیا۔ اس نے بھی چیخ ماری اور اٹھ کر گاؤں کی سمت دوڑ پڑا۔

''ٹھہرو کرم داد۔'' میں چلایا۔ ''جن میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ مجھے بچاؤ...... یہ کتے جن ہیں۔''

کرمو میری بات سن کر رکنے کی بجائے اور تیزی سے دوڑنے لگا اور ایک ٹیلے کی آڑ میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ سیاہ کتے میرے پیچھے تھے مگر جلد ہی دوڑتے ہوئے مجھ سے آگے نکل گئے اور میں اونٹوں کے پاس رک کر ہانپتا ہوا انہیں دیکھنے لگا۔ چاروں سیاہ کتے دوڑتے ہوئے اسی ٹیلے کے پیچھے غائب ہو گئے جدھر کرمو گیا تھا۔ میں نے جان بچنے پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہا مگر اسی لمحے ویرانہ کرمو کی اذیتناک چیخوں سے گونجنے لگا۔ اس کی دل ہلا دینے والی چیخیں سن کر خوف کی شدت سے میں لڑکھڑایا اور غش کھا کر ریت پر ڈھیر ہو گیا۔ ہوش میں آنے پر مجھے فجر کی اذان سنائی دی اور میں اٹھ بیٹھا۔ چھری ابھی تک میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے کرمو کے انجام کا تصور کیا اور خوف سے مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ چند لمحے بعد میں کرمو کی تلاش میں ٹیلے کی دوسری جانب پہنچا تو کرمو ریت پر منہ کے بل پڑا تھا اور کتے غائب تھے۔ میں نے اسے سیدھا کیا تو وہ بے جان تھا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی مگر جسم پر کسی قسم کا کوئی زخم نہ تھا۔ اس کی کلہاڑی چند فٹ دور پڑی تھی۔

مجھ پر ایک بار پھر دہشت طاری ہو گئی اور میں اونٹ لے کر گھر آ گیا۔ گھر آتے آتے میرا جسم بخار کی شدت سے پھنکنے لگا اور میں اندر آتے ہی بستر پر گر پڑا۔ عارضی طور پر میں جنات سے بچ گیا مگر مجھے یقین

ہے کہ جنات اپنے مقتول بچے کے چالیسویں کے بعد مجھ سے اس قتل کا بدلہ ضرور لیں گے۔

☆☆☆

حکیم فتح محمد نے عادل کے باپ رستم خان کا بیان سنانے کے بعد کہا۔ ''تمہاری ماں مجھے اس کے علاج کے لیے بلا لائی تو اسے تیز بخار تھا۔ اس نے مجھے یہ سارا واقعہ سنایا تو میں نے اسے تسلی دی اور اس کا علاج کرنے لگا۔ دو دن بعد اس کا بخار اتر گیا لیکن اس واقعہ کے چالیسویں دن پھر اسے بخار نے آ گھیرا اور اکتالیسویں روز وہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔''

''وہ کہتا تھا کہ جنات نے اس کا کلیجہ نکال لیا ہے۔'' عادل کی ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''خدا جانے تمہارا کیا بنے گا۔''

''اللہ رحم کرے گا مائی۔ اس پر صرف خوف کا اثر ہے انشاءاللہ صبح تک ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے بس اب سونے دو۔'' حکیم فتح محمد نے کہا اور بخار کی پڑیا دے کر چلا گیا اور عادل بھی سو گیا۔ صبح سو کر اٹھا تو وہ جنگل کی طرف چلا گیا جس میں ایک بزرگ شاہ زندہ کا مزار بھی تھا اور ان کے نام سے جنگل کا نام بھی شاہ زندہ رکھا گیا تھا۔ جنگل کے آغاز میں ہی ایک جھاڑی کے پاس اسے اپنی رائفل مل گئی۔ وہ رائفل اٹھا کر واپس گھر چلا آیا۔

''ہائیں۔ تم پھر جنگل میں گئے تھے؟'' ماں نے اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھ کر حیرت سے اسے گھورا۔

''کوئی بات نہیں اماں۔ سب ٹھیک ہے۔'' عادل نے لاپروائی سے کہا۔ ''رائفل اٹھانے گیا تھا۔ شکر ہے مل گئی۔ ورنہ کسی اور کے ہتھے چڑھ جاتی تو بہت برا ہوتا۔ اچھا اماں۔ فی الحال تو میں دریا پر جا رہا ہوں۔ ذرا کھیتوں کو دیکھ آؤں۔'' عادل نے ایک طرف بندھے اونٹ کی طرف رخ کر لیا۔

''جلدی آ جانا۔ مجھے فکر رہے گی۔ سورج ڈوبنے سے پہلے لوٹ آنا۔''

عادل نے سر ہلایا اور اونٹ کھول کر باہر لے آیا۔ چند لمحوں بعد وہ اونٹ پر بیٹھا دریا کی طرف جا رہا تھا نصف گھنٹے بعد وہ دریا کے پاٹ میں جا پہنچا جہاں چنے اور گندم کی فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ دریا کا دھارا وہاں سے کافی فاصلے پر بہہ رہا تھا۔ گندم کی فصل دو فٹ تک بلند ہو چکی تھی۔ دریا چڑھتا تو سارے کھیت دریا برد ہو جاتے تھے اور پانی اترنے پر وہاں دوبارہ کاشت کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ عادل نے اندازہ لگایا کہ دریا چڑھنے سے ایک ماہ پہلے ہی فصل پک کر تیار ہو جائے گی اور کاٹ لی جائے گی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس چل دیا۔ سورج ڈوبنے والا تھا۔

راستے میں ایک عورت جا رہی تھی۔ اس نے سرخ گوٹہ کناری والا لباس پہنا ہوا تھا اور ہاتھ میں چھوٹی

سی پوٹلی پکڑ رکھی تھی۔ شاید وہ بھی گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔ عادل اونٹ پر بیٹھا اس کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اس عورت نے پلٹ کر دیکھا اور رک گئی۔ وہ بے حد خوبصورت اور نوجوان عورت تھی مگر عادل کے لیے اجنبی تھی۔ آج سے پہلے اس نے گاؤں میں کبھی اس عورت کو نہیں دیکھا تھا۔

''ٹھہرو ملنگ۔'' عورت نے ہاتھ لہراتے ہوئے عادل کو مخاطب کیا۔

عادل کو حیرت ہوئی کہ وہ اسے جانتی تھی۔ اس نے اونٹ روک لیا۔ ''کیا بات ہے مائی جی؟''

''تم دریا کے پار والے گاؤں میں رہتے ہو ناں؟''

''ہاں۔ مگر تم کون ہو اور میرا نام کیسے جانتی ہو؟''

''ارے۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں ملنگ۔ میں دینو کمہار کی بہن ہوں۔ سسرال سے آ رہی ہوں۔''

''اوہ۔ مگر وہ تو شاہ پور میں بیاہی گئی تھی۔ تم اکیلی ہی وہاں سے آ رہی ہو؟''

''ہاں...... میرا آدمی مجھے یہاں تک چھوڑ کر واپس شاہ پور چلا گیا تھا۔ کیونکہ پیچھے بچے اکیلے تھے۔ میں چند دن میکے میں رہوں گی۔ پھر وہ آ کر مجھے لے جائے گا۔ تم مجھے اپنے اونٹ پر گاؤں تک لے چلو تو بڑی مہربانی ہو گی تمہاری۔''

''مگر......'' عادل قدرے سٹپٹا گیا۔ ''مجھے پیدل چلنا پڑے گا۔''

''پیدل کیوں؟ میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں گی۔ تم کوئی غیر تو نہیں ہو۔'' وہ آہستہ سے ہنسی۔ ''گھبرانے کی ضرورت نہیں، بے شک تم مجھے گاؤں کے باہر ہی اتار دینا۔''

عادل انکار نہ کر سکا۔ یہ اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس عورت کو ساتھ نہ لے جاتا۔ وہ چاہے ایک کمی کی بہن تھی مگر تھی تو آخر گاؤں ہی کی عزت۔ اس نے اونٹ کو ہشکارا اور اونٹ زمین پر بیٹھ گیا۔ دینو کی بہن آگے بڑھی اور عادل کے پیچھے اونٹ پر بیٹھ گئی۔ چونکہ اونٹ کی پشت پر کجاوہ نہیں تھا اس لیے گرنے سے بچنے کے لیے اس نے دونوں ہاتھ عادل کے کندھوں پر جمائے اور عادل جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس کے پورے بدن میں سرد لہر دوڑ گئی۔ گرمی کے موسم میں کوئی انسانی ہاتھ اتنے سرد نہیں ہو سکتے تھے۔

''سنبھل کر بیٹھو مائی۔'' اس نے ایک لمحہ کے بعد پیچھے بیٹھی دینو کمہار کی نوجوان بہن کو ہوشیار کیا۔ پھر اونٹ کو اٹھا دیا۔ دریا کا وہ کنارہ وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا جہاں سے اونٹ نے کنارے پر پہنچنا تھا۔ درمیان میں گھنے درخت اور جھاڑیاں تھیں جن کا سلسلہ کنارے تک دراز تھا۔ اونٹ خراماں خراماں چل رہا تھا اور عادل کا ذہن بھٹک رہا تھا۔ عورت اس کی طرح اونٹ کے دائیں بائیں پاؤں لٹکانے کی بجائے ایک ہی طرف لٹکائے بیٹھی تھی اور اس کا داہنا پہلو عادل کی پشت سے چھو رہا تھا۔ یہ سوال عادل کے ذہن کو پراگندہ کر رہا تھا کہ عورت کے ہاتھ اتنے یخ بستہ کیوں ہیں۔

''اس نے اونٹ کی رفتار بڑھانے کی کوشش کی مگر اونٹ کی چال میں کوئی فرق نہ پڑا۔ وہ اس طرح قدم اٹھا رہا تھا جیسے اس پر بیسیوں من وزن لدا ہوا ہو۔ دریا کے کنارے پر پہنچتے پہنچتے سورج چھپ گیا۔ گاؤں ابھی ایک فرلانگ دور تھا۔

''ملنگ۔ سنا ہے تمہاری چھوٹی بہن شاہدہ بیمار تھی۔ اس کا علاج کروایا ہے یا نہیں؟'' دفعتاً عقب میں بیٹھی عورت نے پوچھا۔

''ہو رہا ہے۔ مگر ابھی آرام نہیں آیا اسے۔'' وہ چونکتا ہوا بولا۔

''کیوں۔ کیا کسی حکیم کو نہیں دکھایا؟''

''ہاں، حکیم فتح محمد کو دکھایا تھا۔ اس نے علاج کے طور پر کالے ہرن کا کلیجہ کھلانے کا مشورہ دیا تھا مگر......''

''مگر تمہیں کالا ہرن نہیں ملا ہوگا۔ یہی بات ہے نا؟'' وہ ہنس کر بولی۔

''اوہ...... تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''آج صبح میرا آدمی بچے کی دوا لینے حکیم فتح محمد کے پاس گیا تھا۔ اسی نے میرے آدمی کو بتایا تھا۔''

''کیا بتایا تھا؟'' عادل نے بے ساختہ پوچھا۔

''یہی کہ گزشتہ رات تم کالا ہرن شکار کرنے شاہ زندہ کے جنگل میں گئے تھے اور واپسی پر گھر میں داخل ہوتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ کیا تم اب بھی کالا ہرن شکار کرنے کا ارادہ رکھتے ہو یا ڈر گئے ہو؟''

''میں بزدل نہیں ہوں کہ ڈر جاؤں۔ میں کل پھر وہاں جاؤں گا۔'' عادل کا لہجہ جوشیلا ہو گیا۔

''نہ ملنگ۔ اب کبھی بھول کر بھی ادھر کا رخ مت کرنا۔ بہت خوفناک جنگل ہے اور تم اپنی بیوہ ماں کا واحد سہارا ہو۔'' وہ اس کا کندھا تھپتھپاتی ہوئی نصیحت کرنے لگی۔ ''گزشتہ رات تو تم بچ کر آ گئے مگر آئندہ تمہارے ساتھ کوئی جانی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ تم حکیم کی بجائے کسی عامل سے اپنی بہن کا علاج کیوں نہیں کرواتے؟ ہو سکتا ہے اس پر کسی آسیب کا سایہ ہو یا کسی دشمن نے تعویذ کیے ہوں۔''

''ہاں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر مولوی صاحب نے بتایا ہے کہ اس پر کسی آسیب کا اثر نہیں ہے۔''

''مولوی کو کیسے پتہ چل سکتا ہے۔ وہ عامل نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''بھلوال میں ایک عامل رہتا ہے جو ہر قسم کے جادو کو کاٹتا ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ۔ وہاں وہ اعوان پورہ میں رہتا ہے اور اس کا نام شاستری بابا ہے۔ ذات کا ہندو ہے مگر گیان دھیان والا ہے اور ہر قسم کے جادو میں بہت ماہر ہے۔''

عادل کو دینو کمہار کی بہن کا مشورہ پسند آیا اور وہ سوچنے لگا کہ کل صبح وہ شاہدہ کو بھلوال شاستری بابا کے پاس ضرور لے جائے گا۔

''اچھا مائی...... اب تم یہاں اتر جاؤ۔'' چند منٹ بعد اس نے گاؤں کی آبادی کے باہر اونٹ روکتے ہوئے کہا۔

دینو کی بہن کچھ نہ بولی۔ تب ایک دم ہی عادل کو احساس ہوا کہ عورت کا ہاتھ اس کے کندھے پر نہیں ہے۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر اپنے پیچھے دیکھا اور بے ساختہ اچھل پڑا۔ عورت غائب تھی۔ اس نے بوکھلا کر دور تک نظر دوڑائی مگر وہ نہ دکھائی دی حالانکہ چند منٹ پہلے تک وہ موجود تھی۔ نہ جانے وہ اتنی دیر میں کہاں اور کیسے اونٹ سے اتر گئی تھی۔ خوف و حیرت کی شدت سے وہ اونٹ کی پشت پر ساکت بیٹھا رہ گیا۔ ذہن میں کئی وسوسے جنم لے رہے تھے۔

''جاؤ ملنگ۔ لیکن میری نصیحت یاد رکھنا۔'' دفعتاً ایک آواز ہوا کے دوش پر تیرتی سنائی دی۔ عادل کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بلاشبہ یہ وہی آواز تھی جو اس نے گزشتہ رات جنگل میں سنی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر عورت نظر نہ آئی اور اس نے اونٹ آگے بڑھایا۔ گھر پہنچا تو اس کی ماں اور بہن اس کی منتظر تھیں۔ اس کے چہرے پر پھیلا خوف و ہراس دیکھ کر وہ پریشان ہو گئیں۔

''کہاں رہ گئے تھے ملنگ؟ میں نے تمہیں کہا تھا جلدی واپس آ جانا۔'' ماں نے تیزی سے کہا۔

''پانی۔ مجھے پانی دو اماں۔'' وہ چارپائی پر گرتا ہوا بولا۔ اس کی آواز بہت کمزور تھی۔

ماں دوڑ کر پانی لے آئی۔ اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ چند لمحوں تک وہ خاموش بیٹھا اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا، پھر شاہدہ اور اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''دریا پر مجھے دینو کمہار کی بہن ملی تھی جو شاہ پور میں بیاہی ہوئی ہے۔''

''کیا؟'' ماں نے حیرت سے اسے گھورا۔ ''دینو کمہار۔''

''ہاں۔ اس نے یہی کہا تھا کہ وہ دینو کمہار کی بہن ہے اور......''

''مگر دینو کی تو کوئی بہن نہیں ہے۔ نہ سگی نہ سوتیلی۔''

''اوہ...... تو...... تو...... پھر۔'' عادل کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

''پھر کیا ہوا لالہ؟'' شاہدہ تیزی سے بولی۔

''وہ وہی تھی جو مجھے جنگل میں ملی تھی۔'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا، پھر اس نے تمام واقعہ بیان کر ڈالا۔ ماں بہت فکرمند نظر آ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

''وہ جو کوئی بھی ہے، اس نے تمہیں نقصان نہیں پہنچایا، یقیناً وہ کوئی نیک روح ہے۔ تم ہرن کے شکار کے ارادے سے باز آ جاؤ۔''

''ہاں لالہ......'' شاہدہ نے ماں کی تائید کی۔ ''شاید وہ تمہیں نصیحت کرنے کے لیے دینو کی بہن بن

کر لی تھی۔"

"خیر...... اگر مجھے اس کی نصیحت پر عمل کرنا ہی ہے تو پھر تم میرے ساتھ بھلوال جانے کی تیاری کرو۔" عادل نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں......" ماں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کے علاج کے لئے۔شاستری بابا کالے علم کا ماہر ہے۔"

"نہیں بیٹے۔شاہدہ سفر نہیں کر سکتی۔تم اسے حقیقت بتا کر کوئی تعویذ گنڈا لے آنا۔"

"لالہ...... میرا جانا ضروری ہے تو میں......" شاہدہ کہنے لگی۔

"نہیں، اماں ٹھیک کہہ رہی ہے۔" عادل نے تیزی سے کہا۔"نجانے شاستری بابا کو تلاش کرنے کے لئے کہاں کہاں بھٹکنا پڑے۔بھلوال بڑا شہر ہے۔میں ایک بار اس سے مل آؤں، پھر ضرورت پڑی تو تمہیں ساتھ لے جاؤں گا اور ابھی تو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس نام کا کوئی عامل وہاں ہے بھی یا نہیں......"

"اس روح نے غلط تو نہیں بتایا ہوگا۔" ماں بولی۔

"یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا کہ اس نے درست کہا تھا یا غلط۔" عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔"ابھی تو میرے لیے کھانا لاؤ، بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

☆☆☆

بھلوال ضلع سرگودھا کی تحصیل تھا۔ان دنوں وہاں کافی ترقیاتی کام ہوئے تھے جس سے نہ صرف شہر کو وسعت ملی بلکہ کئی نئے کارخانوں کے سبب وہاں کی تجارت میں بھی خاصا اضافہ ہوا اور آبادی میں بھی۔

عادل چند گھنٹوں کے سفر کے بعد وہاں پہنچا اور پوچھ گچھ کرتا ہوا محلہ اعوان پورہ میں پہنچ گیا۔وہاں پہنچ کر اس نے ایک دکاندار سے شاستری بابا کے بارے میں پوچھا۔

"وہ ہندو عامل!" دکاندار نے چونکتے ہوئے اسے غور سے دیکھا۔

"ہاں۔وہی...... مجھے کسی نے بتایا تھا کہ وہ اس محلہ میں رہتا ہے۔"

"رہتا تھا لیکن گزشتہ ماہ یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر چلا گیا ہے۔"

"اوہ کہاں چلا گیا؟" عادل نے تیزی سے سوال کیا۔

"شہر سے باہر پیپلز کالونی میں جسے نئی آبادی کہا جاتا ہے۔وہاں اس نے کوٹھی بنائی ہے۔"

عادل نے اطمینان کا سانس لیا اور پیپلز کالونی کی طرف روانہ ہوگیا۔دوپہر کے وقت وہ کالونی میں پہنچا۔ایک راہگیر سے پوچھنے پر شاستری بابا کی کوٹھی کا نمبر معلوم ہوا اور تھوڑی دیر میں وہ اس کوٹھی تک پہنچ گیا۔آہنی گیٹ بند تھا۔اطلاعی گھنٹی کا بٹن دیکھ کر عادل نے اسے دبایا اور چند لمحوں بعد ایک ادھیڑ عمر ملازم

باہر آگیا۔

"شاستری بابا سے ملنا ہے۔" عادل نے بتایا۔

"وہ اس وقت آرام کر رہے ہیں۔شام کو آنا۔"

"میں گاؤں سے آیا ہوں اور میں نے شام سے پہلے واپس جانا ہے، مہربانی کر کے ابھی ان سے ملوا دو۔"

"اچھا۔اندر آجاؤ۔میں دیکھتا ہوں۔" ملازم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

عادل اندر داخل ہوگیا اور ملازم نے گیٹ بند کر دیا۔برآمدے میں کوئی نہ تھا۔ملازم نے اسے وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور خود اندر چلا گیا۔عادل انتظار کرتا ہوا اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ایک منٹ سے پہلے ہی ملازم واپس آگیا۔

"آؤ تمہاری قسمت اچھی ہے کہ وہ ابھی سونے نہیں گئے تھے۔"

عادل اس کے پیچھے چلنے لگا۔برآمدے سے گزر کر وہ ایک راہداری میں داخل ہوئے جس میں متعدد کمروں کے بند دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ملازم اسے ساتھ لیے دائیں ہاتھ کے آخری کمرے میں داخل ہوا مگر عادل اندر قدم رکھتے ہی ٹھٹھک کر رک گیا اور ایک لمحہ کے لیے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔اس کا سبب کمرے کی آرائش وزیبائش اور تیز روشنی نہیں تھی بلکہ سامنے صوفے پر بے نیازی سے کسی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف وہ مہ پارہ تھی۔جس کے ملکوتی حسن کی ضیا پاشیوں نے عادل کی آنکھوں میں چکا چوند سی پیدا کر دی تھی۔

اس کی عمر سولہ سترہ برس سے زیادہ نہ تھی۔چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور تیکھی سیاہ چتون نے اس کے بانکپن میں اضافہ کر دیا تھا۔پتلے نازک ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کو شرما رہے تھے۔وہ ایک ہاتھ سے رسالہ تھامے دوسرے ہاتھ سے ورق اٹھا رہی تھی۔ایک لمحہ بعد اس گلاب کی کلی نے سر اونچا کر کے عادل کی طرف دیکھا اور عادل اس کی آنکھوں کے سحر میں ڈوب گیا۔اس کی جھیل کنول سی آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے توبہ شکن تھے۔عادل نے اپنی چھبیس سالہ زندگی میں اتنی حسین و پُرکشش لڑکی کبھی نہ دیکھی تھی۔اس کی پیشانی پر سرخ بندیا کمرے میں جلنے والی برقی روشنیوں سے جھلملا رہی تھی۔نازک وسمارٹ بدن پر لپٹی سفید کامدار ساڑھی میں وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور لگ رہی تھی۔نہ جانے عادل کتنی دیر اس کی آنکھوں کے سحر میں گرفتار رہتا کہ اس غنچہ دہن کے گلابی ہونٹوں کی پنکھڑیاں وا ہوئیں اور مترنم آواز عادل کے کانوں میں رس گھول گئی۔وہ ایکدم چونکا اور سنبھل گیا۔

"یہ کون ہے لالو؟" اس کا تخاطب ادھیڑ عمر ملازم سے تھا مگر نگاہیں عادل کے چہرے کا طواف کر رہی

تھیں۔

''یہ باباجی سے ملنے آیا ہے پتری۔'' ملازم کے لہجے میں اس لڑکی کے لیے احترام نمایاں تھا۔

''ڈیڈی سے۔ مگر وہ تو آرام کر رہے ہیں۔'' اس نے چونکتے ہوئے ملازم کی طرف دیکھا۔

''ابھی وہ جاگ رہے ہیں۔ انہوں نے اسے یہاں بٹھانے کی ہدایت کی ہے۔''

''اچھا'' وہ سر کو جنبش دیتی ہوئی رسالہ میز پر رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ ''ٹھیک ہے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' پھر وہ خراماں خراماں چلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی مگر عادل کے قریب سے گزرتی ہوئی ایک دم رک گئی۔

''تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟'' اس نے سوال کیا۔

''جی۔ جی میں اپنے گاؤں سے آیا ہوں۔'' اس کے خلاف توقع مخاطب کرنے پر وہ بوکھلا گیا۔ ''میرا نام عادل ہے۔''

''عا۔ دل۔ گڈ نیم'' اس نے سر کو جنبش دیتے ہوئے آہستہ سے کہا پھر سر جھٹک کر دروازے سے نکل گئی۔ عادل پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

''بیٹھو میاں۔'' ادھیڑ عمر لالو نے عادل سے کہتے ہوئے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''باباجی ابھی آتے ہیں۔'' عادل بائیں جانب پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''چچا۔ یہ کون تھی؟''

''کون؟ سمن کا پوچھ رہے ہو؟'' لالو نے اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا اور عادل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں۔ وہ باباجی کی بیٹی ہے۔ بارہ جماعتیں پاس کی ہیں۔ میرا بہت احترام کرتی ہے۔ باباجی مجھے لال چند کہتے ہیں مگر وہ لاڈ سے مجھے لالو کہتی ہے۔ میرے ہاتھوں میں ہی پلی بڑھی ہے نا۔''

''اچھا'' عادل نے کمرے کی ڈیکوریشن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تو سنا تھا کہ عامل اور نجومی لوگ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں مگر یہ باباجی تو بہت امیر کبیر معلوم ہوتے ہیں۔''

''وہ زمانہ گیا بیٹے۔ یہ بیسویں صدی ہے۔ آج کل جھونپڑیوں، مکانوں میں رہنے والے عاملوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ عامل جتنی اچھی جگہ رہے گا، اس کی اتنی ہی زیادہ عزت ہوگی اور اتنا ہی لوگ اس پر اعتبار کریں گے۔''

عادل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ ''سمن کے علاوہ اور بھی بابا کے بچے ہوں گے؟''

''نہیں۔ وہ اکلوتی ہے۔ اس کی ماں بچپن میں ہی سدھار گئی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد میں نے سمن کی پرورش کی ہے۔ وہ اپنے باپ کی نسبت مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہے۔ میں باباجی کا سب سے زیادہ

پرانا نمک خوار ہوں۔'' لالو نے بتایا۔ عادل نے سوال کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے ایک دم خاموش ہوگیا۔

دروازے سے اندر ایک اکہرے بدن والا دراز قامت بوڑھا داخل ہو رہا تھا۔ سفید بالوں کی لٹیں اس کے کندھوں پر پھیلی ہوئی تھیں، کشادہ پیشانی پر کئی شکنیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ناک لمبی اور قدرے خمیدہ تھی۔ رخساروں اور جبڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں، پاؤں سے ننگا مگر بدن سیاہ رنگ کے لبادے میں چھپا ہوا تھا جس کے دامن پر سفید دھاگے سے آپس میں کراس کرتی دو ہڈیاں اور ان کے درمیان ایک کھوپڑی کڑھی ہوئی تھی۔ جلد کی رنگت توے کی مانند سیاہ تھی اور گلے میں موٹے دانوں کی مالا دکھائی دے رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں بڑے بڑے اور مختلف پتھروں والی انگوٹھیاں اور کلائیوں میں موٹے آہنی کڑے پہنے ہوئے تھے۔ دونوں کانوں میں پیتل کے بالے نظر آ رہے تھے۔ اس کی شخصیت مجموعی طور پر کافی پُراسرار تھی لیکن جھریوں بھرے چہرے پر الو کی مانند گول اور بڑی بڑی آنکھیں بے حد خوفناک تھیں۔ عادل کو ان میں بے حد چمک اور خون کی سرخی سی دکھائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی غضبناک بھیڑیئے کی آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹ رہی ہوں۔ اس کے اندازے کے مطابق اس خوفناک شخص کی عمر ستر اسی برس سے کم نہ تھی۔

لالو نے پلٹ کر اس بوڑھے کی طرف دیکھا اور سینے پر ہاتھ باندھ کر احتراماً دائیں جانب ہٹ گیا، تب عادل بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ یقیناً وہ عامل شاستری بابا ہی تھا جس کی پیشانی پر وسط میں دو سفید لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ وہ عادل پر اپنی چمکدار نگاہیں جمائے اس صوفے پر بیٹھ گیا جس سے سمن اٹھ کر گئی تھی۔

''بیٹھ جاؤ بچے۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے عادل سے کہا۔ اس کی آواز ایسی تھی جیسے ناک سے بول رہا ہو۔ عادل جھجکتا ہوا مودبانہ انداز میں بیٹھ گیا، تب شاستری بابا نے لالو سے کہا۔ ''لال چند۔ بچے کو پانی وانی پلایا ہے کوئی؟''

''ابھی لاتا ہوں سرکار۔'' لالو نے سر ہلایا اور پلٹ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

''لگتا ہے دور سے آئے ہو؟'' وہ عادل کے گرد آلود چہرے اور لباس کا جائزہ لیتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''جی باباجی۔ میں کوٹ شاکر کے قریب گاؤں میں رہتا ہوں۔''

''خیر...... پانی پی لو۔ پھر بات ہوگی۔'' اس نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

اتنے میں لالو پانی کا جگ اور گلاس لے آیا اور اس نے گلاس بھر کر عادل کو دیا۔ ٹھنڈا پانی تھا۔ عادل نے دو گلاس پی ڈالے۔ لالو پانی پلا کر باہر جانے لگا تو بابا نے کہا۔ ''چند منٹ بعد اس کے لیے کھانا بھی

لے آنا۔"

"نہیں بابا جی۔ آپ زحمت نہ کریں۔" عادل جلدی سے بولا۔

"گھر آئے مہمان کی سیوا کرنا ہر آدمی کا فرض ہے چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔" اس کے پتلے سیاہ ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے اور تم کون ہو؟"

عادل نے اسے اپنے بارے میں بتایا، پھر اپنی بہن شاہدہ کی پُراسرار بیماری کا ذکر کیا۔ اس کا بیان سن کر شاستری کی آنکھیں چند لمحوں کے لئے سکڑ گئیں اور وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر چند لمحوں بعد اس نے سر اٹھایا اور عادل کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"میں تمہاری بہن کی بیماری سمجھ گیا ہوں۔ یہ بہت خوفناک مرض ہے مگر اسے کوئی حکیم، ڈاکٹر نہیں سمجھ سکتا۔"

اس کی بات سن کر عادل کی آنکھوں میں امید کی چمک پیدا ہوگئی کہ جو شخص محض زبانی سن کر اور مریض کا معائنہ کئے بغیر مرض کو سمجھ سکتا تھا، وہ یقیناً اس کا علاج بھی کر سکتا تھا۔ وہ اس کے مزید بولنے کا منتظر رہا۔

"پڑھے لکھے ہو؟" دفعتاً شاستری بابا نے سوال کیا۔

"دسویں تک تعلیم حاصل کی ہے۔"

"تمہاری بہن کا علاج ممکن ہے پر وقت لگے گا۔" وہ بولا۔ "اس کے لیے مجھے چالیس روز عمل کرنا پڑے گا اور تمہیں اس عمل کے دوران میرے پاس رہنا پڑے گا۔ کیا تمہارے پاس اتنا وقت ہے؟"

"کیوں نہیں۔" عادل خوش ہو کر بولا۔

"سوچ لو۔ پورے چالیس روز کا چلہ ہے۔"

"آپ بےفکر رہیں، اپنی بہن کی زندگی بچانے کے لیے چالیس دن تو کیا چالیس مہینے بھی یہاں گزار سکتا ہوں۔ مگر فیس کتنی لیں گے؟"

"نہیں......" شاستری بابا مسکرایا۔ "میری روزانہ کی آمدنی پانچ چھ ہزار ہوتی ہے کم از کم۔ اس لحاظ سے چالیس دن کا معاوضہ کم از کم دو لاکھ روپے ہے۔ کیا اتنی فیس دے سکو گے؟"

"دو لاکھ......" عادل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "اتنی فیس تو میں زمینیں بیچ کر بھی ادا نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر تمہیں مزید چالیس دن میرے پاس رہنا ہوگا۔" وہ بولا۔ "فیس کے بدلے تم میری خدمات انجام دو گے۔ ٹھیک ہے؟"

"بہت بہتر۔ میں تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ اور گھر والوں کو بتا کر کل ہی آ جاؤ۔" شاستری بابا صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"تمہاری تسلی کے لیے میں تمہاری بہن کا عارضی علاج کر دیتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

عادل کھڑا ہو گیا۔ شاستری بابا اس کمرے سے نکلا اور عادل اس کے پیچھے چل دیا۔ وہ دائیں جانب کے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرہ چھوٹا اور ساز و سامان سے محروم تھا۔ شاستری نے بجلی کے سوئچ بورڈ کے قریب دیوار پر نصب ایک بٹن کو پش کیا، دوسرے ہی لمحے سامنے والی دیوار درمیان سے دائیں جانب سرک گئی اور ایک دروازہ نما خلاء نمودار ہو گیا۔ اس میں روشنی تھی۔ شاستری نے عادل کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خلاء میں واقع زینے اترنے لگا۔ عادل نے اس کی پیروی کی۔ زینوں کا اختتام تہہ خانے میں ایک دروازے پر ہوا اور شاستری دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ عادل بھی اندر آیا مگر اس کمرے کا منظر دیکھ کر بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ پورا طلسم خانہ تھا۔ دیواروں پر مختلف دیوی دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار میں نصف فٹ قطر کا گول آئینہ نصب تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک گول میز اور ایک کرسی پڑی تھی۔ مگر میز پر رکھی ایک انسانی کھوپڑی دیکھ کر خوف سے عادل کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ کھوپڑی کے پاس ہی انسانی بازو کی لمبی ہڈی رکھی تھی۔ بائیں جانب دو فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی میز پڑی تھی جو چھ سات فٹ لمبی تھی اور اس پر تین انچ موٹا گدا بچھا تھا۔

"ادھر بیٹھ جاؤ عادل۔" شاستری بابا نے اس میز کی طرف اشارہ کیا۔

عادل جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور میز پر بیٹھ کر شاستری کی طرف دیکھنے لگا۔ شاستری بابا گول میز کے پاس گیا اور میز پر رکھی لمبی ہڈی اٹھالی، پھر عادل کی طرف دیکھ کر بولا۔ "خاموش رہنا اور خوفزدہ مت ہونا۔" اس کے بعد اس نے میز پر رکھی کھوپڑی پر نگاہیں جما دیں اور زیرِ لب کوئی منتر پڑھنے لگا۔ عادل کی نگاہیں بیک وقت شاستری بابا اور کھوپڑی پر مرکوز تھیں اور آنے والے وقت کے احساس سے اس کے بدن میں سنسناہٹ سی دوڑ رہی تھی۔ چند لمحوں بعد شاستری نے کھوپڑی پر پھونک ماری اور اس کے ساتھ ہی کمرے میں ایک دم تاریکی پھیل گئی۔ چھت میں جلنے والا واحد برقی لیمپ خود بخود بجھ گیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے عادل خود کو اندھا محسوس کرنے لگا۔ مگر دوسرے ہی لمحے روشنی کی دو شعاعیں دکھائی دیں اور اس کی رگوں میں خون کی تیز لہر دوڑتی چلی گئی۔ اس تاریکی میں میز پر رکھی کھوپڑی کی آنکھوں کے سوراخوں سے روشنی کی لکیریں خارج ہو کر شاستری بابا کے سینے پر پڑ رہی تھیں جن سے اس کے چہرے کا نچلا حصہ روشن ہو رہا تھا اور اس حالت میں وہ کافی خوفناک نظر آ رہا تھا۔ پھر کھوپڑی کو حرکت میں آتا دیکھ کر خوف سے عادل کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ کھوپڑی اپنی جگہ پر آہستہ آہستہ گھوم رہی تھی اور اس کی آنکھ سے نکلنے والی شعاعیں دیوار پر سفر کر رہی تھیں۔ وہ شعاعیں دوسری جانب دیوار میں نصب آئینے پر پہنچ کر رک گئیں اور آئینہ روشن ہو گیا۔ شاستری کا رخ بھی آئینے کی طرف ہو گیا اور وہ ہاتھ میں پکڑی ہڈی کو آئینے کی طرف دراز کر کے

بڑبڑانے لگا۔شاید وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔عادل دم سادھے آئینے کی طرف دیکھنے لگا۔چند لمحوں بعد کھوپڑی کی آنکھیں بجھ گئیں مگر اب آئینہ کسی ٹی وی اسکرین کی طرح روشن دکھائی دے رہا تھا۔شاستری نے آئینے کی طرف پھونک ماری اور فوراً ہی آئینے میں ایک شبیہہ ابھر آئی۔اس شکل کو دیکھ کر عادل بے اختیار اچھل پڑا۔وہ اس کی بہن شاہدہ تھی جو ایک چارپائی پر آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔

شاستری بابا آگے بڑھا اور اس طلسمی آئینے کے قریب پہنچ گیا۔اس نے ہڈی کا سرا شاہدہ کی چارپائی کے گرد گھمایا اور اس پر پھونک ماردی، اگلے ہی لمحے آئینہ تاریک ہوگیا اور برقی لیمپ خود بخود جل اٹھا۔کمرے میں ایک دم تیز روشنی پھیل گئی۔عادل نے تیزی سے کھوپڑی کی طرف دیکھا تو وہ میز پر ساکت پڑی تھی۔شاستری پلٹ کر میز کے پاس آیا اور ہڈی میز پر رکھ کر عادل کی طرف دیکھنے لگا۔عادل نے زندگی میں پہلی بار جادوئی کرشمہ دیکھا تھا اور اس کے چہرے پر سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔

''میں نے شاہدہ کا علاج کردیا ہے۔تم واپس جاؤ گے تو وہ تمہیں تندرست دکھائی دے گی۔'' شاستری نے کہا۔''مگر مستقل علاج کے لئے مجھے چلہ کاٹنا پڑے گا۔آؤ۔''

چند لمحوں بعد وہ دونوں تہہ خانے سے نکل کر اس پہلے کمرے میں پہنچ گئے۔کمرے میں عادل کے لیے میز پر کھانا موجود تھا۔

''لو اب تم کھانا کھاؤ۔میں ذرا آرام کرلوں۔'' شاستری بابا نے کہا۔''اور ہاں۔کل تم آجانا۔کسی قسم کا سامان وغیرہ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔سب کچھ یہاں مل جائے گا تمہیں۔''

''بہت بہتر باباجی۔'' عادل نے سرہلاتے ہوئے کہا۔''چند جوڑے کپڑوں کے تو لانا پڑیں گے۔''

''نہیں۔کپڑوں کا انتظام بھی ہوجائے گا۔'' شاستری نے کہا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔عادل صوفے پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔وہ خوش تھا کہ اب شاہدہ تندرست ہوجائے گی۔پھر ایک دم اسے سمن کا خیال آگیا جس نے پہلی نظر میں ہی اس کے دل کو گھائل کردیا تھا اور وہ اسے دوبارہ دیکھنے کے لیے بے تاب ہوگیا۔وہ سوچنے لگا کہ چالیس دن سمن کی قربت میں گزرے تو وہ اپنے دل و دماغ پر کیسے قابو رکھ سکے گا۔

وہ کھانے سے فارغ ہوا تو لالو آگیا۔عادل نے اٹھتے ہوئے کہا۔''اچھا چچا۔اب میں چلتا ہوں۔کل آؤں گا۔''

پھر وہ لالو کی رہنمائی میں باہر آیا۔اس کی خواہش تھی کہ جاتے جاتے ایک نظر سمن کو بھی دیکھ لے لیکن اس کی آرزو پوری نہ ہوئی سمن نہ جانے کہاں تھی۔لالو نے گیٹ کھولا اور وہ کوٹھی سے باہر نکل کر لاری اڈے کی طرف روانہ ہوگیا۔

گھر پہنچ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔شاہدہ صحن میں تنور پر کھڑی روٹیاں پکا رہی تھی۔

''اماں..... لالہ آگیا ہے۔'' اس نے عادل کو دیکھ کر خوشی سے کلکاری بلند کی۔

اماں کمرے سے فوراً نکل آئی۔''ملنگ۔شکر ہے خدا کا تم آگئے ہو۔مجھے بہت فکر لگی ہوئی تھی۔''

''اماں!'' عادل نے ماں سے کہا۔''تم نے شاہدہ کو کام پر لگادیا۔پہلے ہی اتنی گرمی۔''

''ملنگ بیٹا۔اس نے خود ہی روٹیاں لگانے کی ضد کی تھی۔میں تو منع کررہی تھی۔'' ماں نے جلدی سے کہا۔''نہ جانے اس میں اتنی قوت کیسے آگئی ایک دم۔''

عادل مسکراتا ہوا بولا۔''یہ سب شاستری بابا کی کرامت ہے۔اس نے میرے سامنے عمل کیا تھا اور کہا تھا کہ اس نے عارضی علاج کردیا ہے اور شام تک شاہدہ تندرست ہوجائے گی۔''

''اچھا۔پھر تو وہ بہت کرنی والا معلوم ہوتا ہے۔'' ماں نے خوش ہوکر کہا۔''میں خود جاؤں گی اس کے پاس شاہدہ کو لے کر۔''

''نہیں اماں۔اس کے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس نے تو حقیقت سن کر اس بیماری جان لی تھی۔بہت بڑا عامل ہے۔شاندار بنگلے میں رہتا ہے۔پانچ چھ ہزار روپے روزانہ کماتا ہے۔''

''شاہدہ کے علاج کی فیس کتنی لی ہے اس نے؟''

''فیس تو دولاکھ روپے تھی لیکن اس نے معاف کردی۔'' عادل چارپائی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

پھر اس نے ساری روداد سنائی۔چالیس دن کی بات سن کر ماں اداس ہوگئی۔''ہم اتنے دن تمہارے بغیر کیسے گزاریں گے بیٹا؟''

''مجبوری ہے اماں۔ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔شاہدہ کا علاج ضروری ہے۔'' عادل اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔پھر کافی دیر بعد اس کی ماں راضی ہوئی۔اگلے دن جب عادل اٹھا تو شاہدہ چولہے پر بیٹھی ناشتا بنا رہی تھی۔وہ رات کی نسبت زیادہ تندرست نظر آرہی تھی۔چہرے کی زردی بھی کم ہوگئی تھی۔یوں لگتا تھا جیسے اس کے سارے دکھ درد دور ہوگئے ہوں۔وہ دل ہی دل میں شاستری بابا کی روحانی طاقت اور ساحری کا معترف ہوگیا۔ناشتے کے بعد وہ چچا حیات سے ملا اور اسے سارا ماجرا سنانے کے بعد کہا۔''یقیناً چالیس دن میں شاہدہ مکمل طور پر تندرست ہوجائے گی۔آپ لوگ شادی کی تیاریاں شروع کردیں۔میں واپس آتے ہی اس کی ڈولی اٹھوادوں گا۔''

دوپہر کے بعد جب وہ گھر سے روانہ ہوا تو اس کی ماں اور بہن کے آنسو بہہ رہے تھے۔عادل بھی اداس تھا مگر بہن کی زندگی اسے بہت عزیز تھی۔بھلوال پہنچا تو ذہن میں صرف سمن کا تصور تھا اور دل اسے دیکھنے کے لیے بےقرار ہو رہا تھا۔شاستری بابا کے بنگلے پر پہنچا تو لالو نے ہی گیٹ کھولا۔

"بابا جی کو اطلاع دے دو۔" عادل نے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

مگر پھر سامنے برآمدے میں نظر پڑتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں ایک دم تیز ہوگئیں۔ برآمدے میں وہ کافر ادا حسینہ کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے یاقوتی لبوں پر تبسم کھیل رہا تھا۔ عادل گیٹ کے پاس کھڑا ساکت نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"بابا جی شہر گئے ہوئے ہیں۔ ابھی آجائیں گے۔" لالو نے گیٹ بند کرنے کے بعد اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"اوہ...... میرے لیے کچھ بول گئے ہیں؟" عادل نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ تم ڈرائنگ روم میں بیٹھو ان کے آنے تک، پھر اپنے کمرے میں چلے جانا۔"

"میرا کمرہ؟" عادل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں۔ تمہارے سونے کے لیے اوپر کی منزل پر کمرے میں بستر لگا دیا ہے۔" اس بار لالو کی بجائے سمن بولی۔ عادل اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ مسکرائی۔ "وہاں تمہارے لیے کپڑوں کا ایک جوڑا رکھا ہے۔ ملحقہ باتھ روم میں غسل کر کے پہن لینا۔ ڈیڈی سے تمہاری ملاقات رات کے کھانے پر ہوگی۔ پھر اس نے لالو سے کہا۔" عادل کو اوپر کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔"

"آؤ۔" لالو نے آگے بڑھتے ہوئے اسے اشارہ کیا اور وہ شدتِ حیرت سے گم صم اس کے پیچھے چل دیا۔

"لباس بدل کر نیچے ڈرائنگ روم میں آجانا۔ ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ لینا۔" سمن نے دوبارہ اسے مخاطب کیا اور پلٹ کر اندر کو چل دی۔ لالو کے پیچھے چلتے ہوئے عادل نے اسے دائیں ہاتھ کے پہلے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ راہداری کے اختتام پر اوپر جانے کے لیے زینے تھے۔ بالائی منزل پر تین کمرے تھے۔ لالو اسے ایک کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ کمرے میں ایک پلنگ پر شاندار بستر بچھا ہوا تھا۔ قریب ہی میز پر ایک ریڈی میڈ سوٹ کا پیکٹ رکھا تھا۔ دائیں دیوار میں باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا اور باہر کھونٹی پر تولیہ دکھائی دے رہا تھا۔

عادل پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ وہ شاستری بابا کی ان مہربانیوں پر غور کرتا ہوا غسل سے فارغ ہوا اور نیا سوٹ پہن لیا۔ میز پر آئینہ، کنگھا اور پرفیوم کی شیشی شاید اس کے لیے رکھی تھی۔ وہ تیار ہو کر نیچے آگیا۔ اس کے اندازے کے مطابق پہلا کمرہ ہی ڈرائنگ روم ثابت ہوا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو اندر سمن ایک صوفے پر بیٹھی ٹی۔ وی دیکھ رہی تھی۔

"آؤ بیٹھو عادل۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر دلفریب انداز میں مسکرائی اور دوسرے صوفے کی طرف

ہاتھ سے اشارہ کیا۔

عادل اس کی داہنی جانب رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ گاؤں کا بھولا بھالا شرمیلا سا نوجوان تھا مگر سمن کی قربت نے اسے مسحور سا کر دیا تھا۔ وہ اس سے صرف دو فٹ کے فاصلے پر صوفے کے بازو پر کہنی ٹکائے بیٹھی تھی۔ آج اس نے سفید چکن کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس لباس میں وہ بے حد جاذب نظر لگ رہی تھی۔ عادل ٹی وی کی بجائے اس کے سراپا میں الجھا ہوا تھا۔ کسی اجنبی اور خوبصورت جوان لڑکی کے ہمراہ کمرے میں تنہا بیٹھنے کا یہ پہلا موقع تھا اور اس کا دل بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

"ڈیڈی بتا رہے تھے کہ تم کچھ دن ہمارے ساتھ گزارو گے؟" وہ ٹی وی سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"جی ہاں بی بی جی۔" عادل سنبھل کر بولا۔

"بی بی جی۔" سمن نے حیرت سے اسے گھورا۔ "واٹ بی بی جی؟ نان سنس۔"

"جی...... میں سمجھا نہیں۔" عادل سٹپٹا گیا۔

"یہ گاؤں نہیں شہر ہے۔ یہاں بی بی جی اور بے بے جی نہیں چلتا۔ میرا نام سمن ہے۔ مجھے سمن ہی کہا کرو۔ میں تنہا رہتے رہتے اکتا گئی ہوں۔ اب تمہاری وجہ سے کچھ دن تو خوشگوار گزریں گے۔"

"آپ پڑھتی ہیں؟" عادل نے سوال کیا۔

"نہیں۔ ابھی انٹر پاس کیا ہے۔ ڈیڈی آگے پڑھنے نہیں دیتے کیونکہ ڈیڈی کے کچھ دشمن پیدا ہوگئے ہیں۔ ان کے خطرے کی وجہ سے ڈیڈی مجھے باہر بھی زیادہ نہیں نکلنے دیتے۔ تم سناؤ کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟"

"میٹرک تک، مگر امتحان دینے سے رہ گیا تھا۔" عادل کی نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"گاؤں والوں کے لیے تو یہ بھی بہت ہے۔" وہ مسکرائی۔ "بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ تم ان پڑھ نہیں ہو۔ شکل سے تم بہت بھولے بھالے لگتے ہو۔ شاید گھر والے بھی تمہیں بھولا کہتے ہوں گے۔"

"نہیں، وہ مجھے ملنگ کہتے ہیں بچپن سے ہی۔" عادل بھی مسکرایا۔ "گاؤں والے بھی مجھے زیادہ تر اسی نام سے پکارتے ہیں۔"

"ملنگ۔" اس نے آہستہ سے دہرایا۔ پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اس کی ہنسی کا ترنم عادل کے دل کو گدگدانے لگا۔" کیوں۔ آپ کو یہ نام پسند نہیں آیا؟"

"بہت خوبصورت لفظ ہے ملنگ۔" وہ جلدی سے بولی۔ "درویشوں اور سادھوؤں کو ملنگ کہتے ہیں جو

اپنے حال میں مست رہتے ہیں۔ دنیا سے بے نیاز ہو کر۔ میں بھی تمہیں عادل کی بجائے ملنگ کہا کروں تو تمہیں اعتراض تو نہ ہوگا؟''

''میں اعتراض کرنے کی جرأت کیسے کرسکتا ہوں؟ یہ تو آپ کی مرضی ہے مجھے جس نام سے چاہیں مخاطب کریں۔''

''خیر...... چائے پیو گے؟ کھانے میں تو دیر ہے۔''

''آپ بھی پئیں تو پھر میں انکار نہیں کروں گا۔ ویسے میں بہت کم چائے پیتا ہوں۔''

''اب عادی ہو جاؤ گے۔ شہر والے چائے نہ پئیں تو بیمار پڑ جاتے ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم ڈراما دیکھو میں چائے بنا لاتی ہوں۔'' وہ اٹھ گئی۔

''آپ خود بنائیں گی کیا کوئی نوکرانی وغیرہ نہیں ہے؟'' عادل نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ کھانا لالو پکاتا ہے۔ ڈیڈی نوکرانی رکھنے کے حق میں نہیں ہیں۔ میں اپنے لئے چائے خود بنا لیا کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی اور عادل ٹی وی کی طرف دیکھتا ہوا اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ ایک ٹرے میں چائے کے برتن رکھے اندر آئی اور عادل اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہیرو نے عدالت میں بیان دیا ہے؟'' وہ برتن میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

''کون سا ہیرو...... میں سمجھا نہیں۔'' وہ چونکا۔

''ڈرامے کا۔ اسے پولیس نے عدالت میں پیش کرنا ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''کیا تم نے ڈراما نہیں دیکھا؟''

''دیکھا ہے۔ مگر میں آپ کے خیالوں میں کھویا رہا اس لیے پتا نہ چل سکا۔''

''میرے خیالوں میں؟'' اس نے چونکتے ہوئے عادل کی طرف دیکھا۔ پھر ایک دم مسکرا کر پیالیوں میں چائے ڈالنے لگی۔

☆☆☆

شاستری بابا کی آمد رات آٹھ بجے کے بعد ہوئی۔ انہیں اس کی اطلاع لالو نے آ کر دی تھی۔ اتنی دیر میں عادل اور سمن میں کافی حد تک بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی۔ دو گھنٹوں کی رفاقت میں انہوں نے اتنی باتیں کی تھیں کہ ان کے درمیان کوئی حجاب باقی نہ رہا تھا۔ شاستری بابا اپنے بیڈ روم میں آرام کرنے چلا گیا تھا۔ پھر نو بجے لالو دوبارہ ڈرائنگ روم میں آیا۔

''پتری میں نے کھانا لگا دیا ہے۔ سرکار بیٹھ چکے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور سمن نے ٹی وی آف کیا اور عادل سے بولی۔

''آؤ ملنگ۔ کھانا کھاتے ہیں۔''

عادل اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ ڈرائنگ روم میں شاستری بابا ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ عادل نے اسے سلام کیا۔

''بیٹھو عادل۔ کھانے کے بعد باتیں ہوں گی۔'' اس نے عادل کی طرف دیکھ کر کہا اور اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ سمن اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ کھانے کے دوران عادل نے سمن کی طرف دیکھنے سے گریز کیا اور سر جھکائے کھاتا رہا۔

''ڈیڈی۔ آپ کہاں چلے گئے تھے۔ بہت دیر لگا دی آپ نے؟'' سمن نے شاستری بابا سے پوچھا۔

''سفر کی تیاری کے لئے ضروری سامان لینے کے بعد ایک موکل کے گھر چلا گیا تھا۔''

''سفر۔ تو کیا آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' وہ چونکی

''ہاں بیٹی۔ کل مجھے چلہ کاٹنے کالی دیوی کے مندر جانا ہے۔''

سمن خاموش ہو گئی مگر عادل سوچ میں پڑ گیا کہ کالی دیوی کا مندر کہاں ہے اور اس سفر پر کون کون جائے گا۔ کھانے کے بعد لالو چائے لے آیا۔ چائے پینے کے دوران شاستری عادل سے کہنے لگا۔

''عادل۔ کل صبح ناشتے کے بعد ہم روانہ ہو جائیں گے۔ ہمیں ملتان شہر کے نواحی علاقے نواب پور میں جانا ہے۔ وہاں ایک قدیم مندر ہے۔ کسی زمانے میں وہاں پوجا پاٹ ہوا کرتی تھی مگر تقسیم ہند کے بعد وہ ویران پڑا ہے۔ ہم شام تک وہاں پہنچ جائیں گے۔ کبھی ملتان گئے ہو؟''

''جی ہاں۔ تین سال پہلے میں اپنے والد کے ہمراہ ایک عزیز کی شادی میں بہاولپور جانے کے لیے ملتان سے گزرا تھا۔''

''بہر حال۔ وہاں ہمیں چالیس دن رہنا ہے۔'' وہ دوبارہ کہنے لگا۔ ''ہم لاری کے ذریعے جائیں گے۔ میں نے لال چند سے کہہ دیا ہے، وہ ضروری سامان تھیلے میں ڈال دے گا۔''

''ڈیڈی...... لالو یہاں تنہا رہے گا؟'' سمن نے پوچھا۔

''نہیں...... تم بھی ساتھ ہو گی یہاں۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''میں......'' وہ چونکی۔ ''میں یہاں اتنے دن آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟ میں بھی ساتھ چلوں گی۔''

''نہیں بیٹی...... تمہارا وہاں جانا غیر ضروری بھی ہے اور خطرناک بھی۔ شنکر لال بہت کمینہ انسان ہے وہ موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا کیونکہ اس علاقے میں اس کی عملداری ہے۔''

''مگر وہ مجھے یہاں بھی تو نقصان پہنچا سکتا ہے ڈیڈی۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''نہیں...... جب میں اس کے علاقے میں ہوں گا تو وہ اپنی تمام تر توجہ مجھ پر ہی مرکوز رکھے گا۔ سمجھنے

کی کوشش کرو۔ وہ میرا ازلی دشمن ہے اور پوری کوشش کرے گا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکوں۔''

عادل خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا کہ شنکر لال کون ہے اور شاستری بابا سے اس کی کس قسم کی دشمنی ہے؟

''اچھا...... تو پھر ملنگ کو یہاں چھوڑ جائیں۔''

''ملنگ...... وہ کون ہے؟'' شاستری نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''عادل...... ملنگ اس کا نک نیم ہے۔'' وہ مسکرانے لگی۔

''اوہ...... اچھا'' شاستری نے عادل کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ ''مگر اس کا جانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر میں اپنا جاپ مکمل نہیں کر سکوں گا۔''

سمن کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ عادل بھی پریشان ہو گیا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ یہ تمام عرصہ سمن کی قربت میں گزرے گا لیکن اس کا اندازہ غلط نکلا تھا۔

''اب تم آرام کرو اپنے کمرے میں۔'' شاستری بابا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ کمرے سے نکل گیا۔ سمن سر جھکائے بیٹھی تھی۔ عادل کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوری تھی۔

''اچھا سمن...... میں جا رہا ہوں۔'' وہ اٹھتا ہوا آہستگی سے بولا۔

سمن نے افسردہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور سر ہلا دیا۔ عادل اس کے قریب آ رکا۔

''سمن۔ دل میلا نہ کرو۔ میں تمہیں ہر دم یاد کرتا رہوں گا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''چالیس دن جلد گزر جائیں گے۔ اس کے بعد کے چالیس دن ہم اکٹھے گزاریں گے یہاں۔ اور شاید...... شاید ساری زندگی۔''

سمن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے لبوں پر اطمینان بھری مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

☆☆☆

ملتان پہنچ کر انہوں نے دوسری لاری میں نواب پور تک سفر کیا۔ وہاں سے آگے انہیں پیدل چلنا پڑا۔ لاری کے سفر کے دوران شاستری بابا نے عادل سے کوئی خاص بات چیت نہیں کی تھی حالانکہ دونوں ایک ہی نشست پر بیٹھے رہے تھے۔ شاستری نے سفید کرتہ پہنا اور تہبند باندھا ہوا تھا جبکہ سر پر دوپلی ٹوپی تھی۔ گلے میں مالا نہیں تھی مگر کانوں میں بالے موجود تھے۔ پاؤں میں سادہ چپل پہن رکھے تھے۔ یہ حلیہ اس حلیے سے بالکل مختلف تھا جس میں وہ عادل کو اپنے گھر میں ملا تھا۔ حتیٰ کہ پیشانی پر مخصوص سفید لکیریں بھی نہیں تھیں اور عادل اس بات پر حیران تھا کہ اس نے اپنا حلیہ کیوں تبدیل کیا؟ موجودہ روپ میں وہ ایک عام سا

دیہاتی بوڑھا نظر آ رہا تھا اور اسے دیکھنے والا کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ زبردست ماورائی قوتوں کا مالک اور عامل ہے۔ سامان کا تھیلا عادل نے اٹھا رکھا تھا۔ نواب پور گاؤں سے وہ شمال کی سمت روانہ ہوئے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر عادل اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

''بابا جی۔ وہ مندر کس طرف ہے؟'' چند منٹ چلنے کے بعد عادل نے پوچھا۔

''وہ سامنے جنگل نظر آ رہا ہے اس کی دوسری جانب ایک گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔''

اس طرف کچھ فاصلے پر ایک وسیع و عریض جنگل دکھائی دے رہا تھا۔ جب وہ جنگل کے پاس پہنچے تو سورج ڈوب چکا تھا اور اندھیرے کی چادر آہستہ آہستہ ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی تھی۔ جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا۔ وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ نصف گھنٹے بعد وہ جنگل سے باہر آئے تو اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ وہاں سے پچاس ساٹھ قدم پر ایک مندر کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا جس میں کوئی دیا جل رہا تھا۔ اس کے اردگرد اونچے نیچے ٹیلے سے معلوم ہو رہے تھے۔ مندر کے گرد دور تک کسی آبادی کا نام و نشان نظر نہ آ رہا تھا۔ عادل سوچ رہا تھا کہ آبادی سے دور ایک اجڑے ہوئے ویران مندر میں وہ اتنے دن کیسے گزار سکے گا؟ اسی لمحے شاستری رک گیا۔ ''ہم مندر کے قریب پہنچ چکے ہیں ملنگ۔ تھیلا نیچے رکھو۔''

عادل نے تھیلا زمین پر رکھ دیا۔ شاستری بابا نے زمین پر بیٹھ کر تھیلا کھولا اور اس میں سے اپنا سیاہ لبادہ نکال کر پہن لیا، پھر اس نے موٹے دانوں والی مالا اور ہاتھوں کے آہنی کڑے نکالے عادل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ چند لمحوں بعد شاستری بابا اپنے مخصوص حلیئے میں نظر آ رہا تھا۔ تاریکی میں اس کے لبادے پر بنی ہوئی کھوپڑی اور ہڈیاں چمک رہی تھیں۔ ایک چوڑے منہ کی چھوٹی سی شیشی میں انگلیاں ڈال کر اس نے اپنی پیشانی پر پھیریں تو وہاں دو سفید اور چمکدار لکیریں دکھائی دینے لگیں۔

''کالی دیوی کے مندر میں داخل ہونے کے لئے یہ ضروری تھا ملنگ۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب تم تھیلا بند کر کے اٹھا لو اور میرے آگے آگے چلو۔ مندر میں داخل ہونے تک پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔'' عادل نے تھیلا اٹھایا اور اس کے آگے مندر کی طرف بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مندر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ مندر کی عمارت کافی وسیع و عریض تھی مگر صرف درمیان کا حصہ سلامت تھا۔ دائیں بائیں کی دیواریں ٹوٹی پھوٹی تھیں۔ درمیانی حصے کے باہر زینے تھے اور زینوں سے اوپر مندر کا چوبی دروازہ تھا جس کے پہلو میں بنے ایک طاقچے میں سرسوں کے تیل کا چراغ جل رہا تھا۔ عادل نے ارادہ کیا کہ پلٹ کر شاستری سے پوچھے کہ بند دروازے پر دستک دے یا خود کھولنے کی کوشش کرے لیکن پھر اسے شاستری کی ہدایت یاد آ گئی اور وہ زینے چڑھنے لگا۔ پانچ چھ زینے چڑھ کر اس نے جونہی چبوترے پر قدم رکھا، طاقچے میں جلنے والا چراغ اچانک بجھ گیا اور وہاں گہری تاریکی پھیل گئی۔ عادل ٹھٹک کر رک گیا۔ اسی لمحے اس کے اردگرد سے عجیب

پُراسرار آوازیں ابھرنے لگیں۔ عادل چونکا اور ان آوازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے سینکڑوں بدروحیں اس کے آس پاس انجانی زبان میں رو رہی ہوں۔

وہ خوف سے اپنی جگہ ساکت کھڑا ان پُراسرار آوازوں کو سن رہا تھا کہ اچانک ایک اور آواز سنائی دی۔ ''ملنگ جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولو۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

عادل نے شاستری بابا کی آواز پہچان لی۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا اور اس کے حلق سے بے ساختہ ڈری ڈری سی چیخ نکل گئی۔ عقب میں شاستری بابا موجود نہ تھا۔ نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ پُراسرار آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے جی کڑا کر کے مندر کے دروازے کی طرف قدم بڑھایا اور قریب پہنچ کر دروازے کو ایک ہاتھ سے دھکا دیا۔ کواڑوں کی چرچراہٹ بلند ہوئی اور وہ کھلتے چلے گئے۔ اندر گھور تاریکی تھی اور عادل کی ہمت نہ پڑی کہ اندر قدم رکھے مگر پھر وہ اچانک چونک پڑا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ خوفناک اور پُراسرار آوازیں معدوم ہو گئی تھیں۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر پھیلی تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ شاستری بابا کی آواز گونجی۔ ''چلے آؤ ملنگ۔''

اس کی آواز سن کر عادل کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس بار شاستری کی آواز مندر کے اندر سے آئی تھی۔ نہ جانے وہ کب اور کس وقت اس کی نگاہوں سے بچ کر اندر پہنچ گیا تھا۔ ''اندر اندھیرا ہے بابا جی، روشنی کریں۔'' اس نے بلند آواز سے کہا۔

ایک لمحہ بعد ہی اندر کچھ فاصلے پر چراغ کی لو تھرتھراتی دکھائی دینے لگی۔ کوئی چراغ اٹھائے اندرونی راستے پر چلا آ رہا تھا لیکن وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چراغ کی لو صرف سامنے کا حصہ روشن کر رہی تھی۔ اس کی دوسری جانب مکمل تاریکی تھی۔ چراغ والا چھ سات قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ تب عادل نے ہمت کی اور اندر داخل ہو گیا۔ قدم بڑھانے پر چراغ والا واپس ہٹنے لگا۔ عادل حیرت زدہ سا آگے بڑھتا رہا۔ چند قدم چلنے کے بعد عقب سے دروازے کی چرچراہٹ بلند ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو دروازہ خود بخود بند ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر اس کے ذہن پر چھایا خوف گہرا ہوتا چلا گیا۔ وہ آگے بڑھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ چراغ اٹھانے والا کون ہے اور وہ نظر کیوں نہیں آ رہا؟ شاستری بابا دروازے کھلنے سے پہلے اندر کیسے پہنچ گیا تھا اور وہ غیبی آوازیں کن لوگوں کی تھیں جو اسے مندر کے دروازے پر سنائی دے رہی تھیں؟ چند قدم چلنے پر اچانک ہی چراغ کی دوسری طرف کا منظر بھی روشن ہو گیا اور خوف کی تیز لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کرتی چلی گئی۔ چراغ بردار نظر آنے لگا تھا۔ مگر وہ زندہ انسان کی بجائے کسی مردے کا

ڈھانچہ تھا جس نے اپنے استخوانی ہاتھ پر چراغ رکھا ہوا تھا۔ اس کے عقب کا منظر بھی خوفناک تھا۔ چراغ بردار ڈھانچہ اور عادل ایک کشادہ کمرے میں تھے۔ سامنے کی دیوار کے پاس چھوٹے سے چبوترے پر کالی دیوی کا سنگی مجسمہ رکھا تھا جس کی آنکھوں میں جڑے سرخ پتھر چمک رہے تھے اور زبان باہر کو لٹکی ہوئی تھی۔

عادل نے مندروں اور ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کی کہانیاں اسکول کے زمانے میں پڑھی تھیں اور تصویریں بھی دیکھی تھیں مگر وہ محض تصویریں تھیں جب کہ اس وقت بچشم خود کالی دیوی کا بت دیکھ رہا تھا جو اتنی خوفناک شکل تھی کہ خوف کے مارے اس پر لرزہ سا طاری ہو گیا تھا اور حلق خشک ہونے لگا تھا۔ کالی دیوی کے قدموں میں تیل کے کئی چراغ جل رہے تھے۔ دائیں بائیں دیواروں میں بنے طاقچوں میں بھی چراغ روشن تھے اور ہر شے واضح دکھائی دے رہی تھی۔ دائیں بائیں دیواروں میں دروازے تھے جو بند پڑے تھے۔ عادل نے سہمی سہمی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور اسی لمحے اسے احساس ہوا کہ اس جگہ وہ تنہا ہے۔ چراغ بردار ڈھانچہ چراغ سمیت نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر شاستری کو پکارا۔ جواب میں دائیں جانب کا دروازہ کھلا اور شاستری بابا وہاں سے نکل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبی ہڈی تھی۔ ''گھبراؤ مت ملنگ۔ یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ اس وقت تم مقدس دیوی کی پناہ میں ہو۔''

''وہ......وہ......ڈھانچہ'' عادل ہکلایا۔

''وہ اس مندر کا قدیم پجاری نتھو رام تھا'' شاستری بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ''

وہ پلٹ کر اس دروازے کی طرف بڑھا جہاں سے برآمد ہوا تھا۔ عادل تھیلا اٹھائے اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ دروازہ ایک چوکور کمرے کا تھا جس میں چراغ جل رہا تھا۔ فرش پر خشک گھاس بچھی ہوئی تھی۔ دیواریں بوسیدہ اور سیاہ تھیں۔ ''تم اس کمرے میں رہو گے۔'' شاستری نے اندر آ کر کہا۔

''تت......تنہا؟'' عادل گھبرا کر بولا۔

''نہیں۔ میں بھی ہوں گا۔ لیکن میں دیوی کے چرنوں میں بیٹھا رہوں گا۔ مجھے جب تمہاری ضرورت پڑی بلا لوں گا۔''

''مگر بابا جی۔ یہاں خوراک کا انتظام کہاں سے ہو گا؟''

''سب کچھ ملے گا تمہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''بس تم خوفزدہ مت ہونا۔ میں تمہیں بہت سے عمل سکھا دوں گا۔ اگر تم نے ہمت کا مظاہرہ کیا تو تھوڑے عرصہ میں ہی تم اتنا کچھ پا لو گے کہ ساری زندگی عیش کرتے پھرو گے۔ جب تم واپس جاؤ گے تو میرا آدھا علم تمہارے سینے میں منتقل ہو چکا ہو گا۔ کیا سمجھے؟''

''کیا واقعی بابا جی؟'' عادل نے حیرت سے منہ پھاڑا۔

''ہاں۔ تم خود دیکھ لو گے، اور ایک بات ذہن نشین کر لو۔ کبھی میری بات پر شک کا اظہار مت کرنا۔'' شاستری کا لہجہ سخت ہو گیا۔'' کیونکہ اس طرح مجھے تم سے اپنائیت کی بجائے اجنبیت کا احساس ہوگا۔''

''بہت بہتر...... آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

'' یہ بات سمن کے سامنے تم سن ہی چکے ہو کہ یہ علاقہ دیوی کے ایک مہا پجاری شنکر لال کی راجدھانی ہے جس سے میری دشمنی چل رہی ہے۔ وہ بہت طاقتور سادھو اور عامل ہے۔'' شاستری بابا کے لہجے میں نفرت عود کر آئی۔ ''چند برس پہلے اس نے مجھ سے میرا ایک شکار چھین لیا تھا اور میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا تھا۔ وہ طاقتور تھا اور میں کمزور اور اپنی بیٹی سمن کے لیے میں زندہ رہنا چاہتا تھا چنانچہ میں بیکانیر میں اس سے شکست کھانے کے بعد سمن اور لال چند کے ہمراہ بھلوال میں آ چھپا اور وہاں عامل بن کر روزی کمانے کے ساتھ ساتھ سمن کی تربیت کرتا رہا لیکن میں شنکر لال کو نہیں بھولا تھا جس کی وجہ سے مجھے بیکانیر سے بھاگنا پڑا تھا۔ اس دوران میں اپنی طاقت میں اضافہ کرتا رہا۔ گزشتہ سال میں اس مندر میں چلہ کاٹنے آیا تو شنکر لال سامنے آ گیا۔ اس نے مجھے مندر میں نہ گھسنے دیا۔ میں نے اسے للکارا اور اس کا مقابلہ کیا مگر مجھے جلد ہی پتہ چل گیا کہ ابھی میں اس سے کمزور ہوں، اس لیے میں فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ شنکر لال نے میرا پیچھا کیا اور بھلوال تک جا پہنچا۔ مگر وہاں میں نے اس پر وار کیا اور وہ بھاگ گیا کیونکہ وہ میرا علاقہ تھا اور تمہیں پتا ہے کہ اپنے گھر میں تو گیدڑ بھی شیر ہوتا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ ہنس پڑا۔ پھر دوبارہ کہنے لگا۔ ''مگر جاتے جاتے وہ مجھے دھمکی دے گیا کہ اس کا جب بھی بس چلا وہ مجھ سے اپنی شکست کا بدلہ ضرور لے گا، چنانچہ میں محتاط ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ جب تک میں کالی دیوی کے چرنوں میں بیٹھ کر جاپ نہیں کروں گا، اس کا کھل کر مقابلہ نہ کر سکوں گا اور اس کی طرف سے میرے سر پر ہمیشہ خطرے کی تلوار لٹکتی رہے گی چنانچہ میں نے پورا سال اس مہینے کا انتظار کیا۔'' ٹھیک اسی لمحے دور کہیں سے کسی کی کربناک سی چیخ بلند ہوئی اور شاستری بے اختیار اچھل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ پلٹا اور دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

وہ کربناک چیخ کسی عورت کی معلوم ہوئی تھی اور عادل کو محسوس ہوا کہ آواز مندر کے باہر سے آئی تھی۔ شاستری بوکھلاہٹ کے عالم میں باہر کو دوڑا تھا اور عادل پریشان ہو گیا تھا کہ اس پُراسرار مندر میں وہ تنہا رہ گیا ہے۔ اسے خیال آیا کہ اسے بھی باہر جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔ پوجا والے کمرے میں کوئی نہ تھا۔ وہ دوڑتا ہوا اس راہداری میں داخل ہوا جس کے اختتام پر مندر کا بڑا دروازہ تھا مگر اب وہاں اندھیرا نہیں تھا۔ دیوی والے کمرے کی روشنی وہاں تک پہنچ رہی تھی۔ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا مندر سے باہر آیا تو بائیں جانب تیس چالیس قدم کے فاصلے پر آگ کا چھوٹا سا الاؤ روشن تھا اور کچھ لوگوں کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ عادل نے ایک لمحہ رک کر سوچا پھر تیزی سے اس

طرف چل دیا۔ اس کے وہاں پہنچنے تک انسانی ہیولے اِدھر اُدھر ٹیلوں کی آڑ میں غائب ہو گئے۔ عادل اس جگہ پہنچا جہاں آگ جل رہی تھی مگر آگ پر نظر ڈالتے ہی بے ساختہ اچھل پڑا۔ وہ مندر کے پجاری نتھو رام کا ڈھانچہ تھا جو زمین پر بڑا بری طرح جل رہا تھا۔ عادل نے بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور خوف سے لرز گیا۔ وہ ٹیلے اصل میں راکھ کے بڑے بڑے ڈھیر تھے جن میں ادھ جلی انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں پیوست نظر آ رہی تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ کسی زمانے میں وہ جگہ ہندوؤں کا مرگھٹ تھا جہاں ہندو مرنے والے کو جلاتے تھے اور جلنے والوں کی راکھ سے وہاں ٹیلے بن گئے تھے جن میں سے کئی دس بارہ فٹ بلند تھے۔ شاستری بابا وہاں نہیں تھا۔ عادل نے اسے آواز دی اور فوراً ہی نتھو رام کے ڈھانچے میں لگی آگ بجھ گئی۔ ایک دم اندھیرا چھا گیا اور ساتھ ہی کچھ پُراسراری آوازیں ابھرنے لگیں۔ وہ نسوانی آوازیں تھیں جیسے کئی عورتیں مل کر رو رہی ہوں۔ عادل خوف کی شدت سے ساکت کھڑا رہ گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو اسے اردگرد کے ٹیلوں پر کئی انسانی ہیولے حرکت کرتے دکھائی دینے لگے۔

''پکڑ لو اس نابکار کو۔ یہ اس خبیث کا بالک ہے۔''

آواز سن کر عادل بوکھلا گیا اور خوف کے مارے اس کے پاؤں جیسے زمین میں دھنس گئے، دوسرے ہی لمحے کسی نے عقب سے اسے دھکا دیا اور اس کے منہ سے دہشت زدہ سی چیخ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا منہ کے بل زمین پر آ پڑا۔ زمین پر راکھ کی دبیز تہہ کے سبب اسے چوٹ تو نہ آئی لیکن دہشت کے مارے وہ کئی لمحوں تک اس جگہ ساکت پڑا رہا۔ عورتوں کے رونے اور بین کرنے کی آوازیں اب بھی اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ چند لمحوں بعد اٹھتے ہوئے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور خوف سے اس کا دل اچھل کر حلق میں جا اٹکا۔ وہ تاریک ہیولے ٹیلوں سے نیچے آ چکے تھے اور اس کے گرد دائرے کی صورت میں حرکت کر رہے تھے۔ خود کو ان کے گھیرے میں پا کر وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ ہیولے اس سے تقریباً چار پانچ قدم کے فاصلے پر تھے اور ان کی تعداد انیس بیس کے لگ بھگ تھی۔ عادل دہشت سے لرزتا ہوا ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اس کے عقب میں کوئی ہذیانی انداز میں ہنسا اور ہنستا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔ عادل اس کی شکل نہ دیکھ سکا۔

''ملنگ...... تمہارا گرو مہاراج کہاں ہے؟'' اس ہیولے نے عادل کو مخاطب کرتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''تت...... تت...... تم کون ہو؟'' عادل کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز خارج ہوئی۔

''کیا تمہیں تمہارے گرو شاستری جی نے نہیں بتایا کہ یہ میرا علاقہ ہے۔'' وہ غرایا۔

''عادل بے اختیار اچھل پڑا۔ ''اوہ...... تم...... تم شنکر لال ہو؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں......اور میں یہاں تمہارے گرو کا کریا کرم کرنے آیا ہوں۔ میں اسے نشٹ کردوں گا۔اس بار وہ بھاگ نہیں سکے گا۔اس مرگھٹ کی تمام روحیں اسے تلاش کر رہی ہیں۔کہاں ہے وہ؟"

"پپ......پتا نہیں۔میں تو اس کی تلاش میں ادھر آیا تھا۔" عادل نے لرزتے ہوئے جواب دیا۔

"تم اس کے ساتھ یہاں کیوں آئے ہو،تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟" شنکر لال غصیلے لہجے میں بولا۔

"وہی لایا ہے مجھے۔ مجھے پتہ نہ تھا کہ......" عادل اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ تمام ہیولے ایک دم چیخے۔

"بھاگو۔ بھاگو۔"

شنکر لال نے بائیں جانب دیکھا۔اس طرف سے فضا میں وہی کھوپڑی آتی دکھائی دی جسے وہ شاستری کے گھر کے تہہ خانے میں دیکھ چکا تھا۔کھوپڑی کی آنکھیں روشن تھیں اور وہ ہوا میں تیرتی ہوئی ان کی طرف آرہی تھی۔اس کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں زمین پر پڑ رہی تھیں۔شنکر نے جلدی سے جھک کر زمین سے راکھ کی چٹکی اٹھائی اور اس پر پھونک مار کر وہ راکھ کھوپڑی کی سمت اچھال دی۔دوسرے ہی لمحے ہوا میں بھڑکتی آگ کا چھوٹا سا بادل نمودار ہوا اور چند لمحوں کے لئے سارا مرگھٹ روشن ہو گیا۔

عادل زمین پر پڑا دہشت زدہ نگاہوں سے آگ کے بادل کی طرف دیکھ رہا تھا جو ہوا میں تیرتا ہوا کھوپڑی کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کھوپڑی کے قریب پہنچتا،کھوپڑی کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعوں کا رخ بدلا اور شعاعیں آگ کے مرغولے پر پڑیں۔اگلے ہی لمحے وہ آگ سفید دھواں بن کر ہوا میں منتشر ہو گئی۔عادل کے لئے یہ سب کچھ جادوگری کے سوا کچھ نہ تھا۔اس نے کھوپڑی کی سمت سے نگاہیں ہٹا کر شنکر لال کی طرف دیکھا۔ٹھیک اسی لمحے شنکر لال اپنی جگہ سے اچھلا اور دوسرے ہی لمحے سیاہ رنگ کی بلی کی شکل میں تبدیل ہو گیا،پھر وہ بلی دوڑتی ہوئی کھوپڑی کی مخالف سمت میں ٹیلوں میں غائب ہو گئی۔

"ہاہاہا......بھاگ گیا بزدل کہیں کا۔" دفعتاً فضا میں شاستری کا قہقہہ گونجا۔عادل نے تیزی سے آواز کی سمت دیکھا تو اس طرف کوئی نہ تھا۔پُراسرار کھوپڑی عادل کے اوپر پہنچ کر فضا میں معلق ہو گئی۔اس کی آنکھوں سے خارج ہونے والی شعاعیں زمین پر پڑ رہی تھیں۔

"واپس آجاؤ ملنگ۔سونی پت کی کھوپڑی تمہیں راستہ دکھائے گی۔" شاستری بابا کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

عادل حیرت وخوف سے ماؤف ذہن لیے اٹھا تو کھوپڑی مندر کی طرف تیرنے لگی۔اس کی روشنی زمین پر پڑ رہی تھی۔عادل اس روشنی میں مندر کے پاس پہنچا تو کھوپڑی ایک دم غائب ہو گئی اور وہاں تاریکی پھیلتی چلی گئی۔وہ مندر میں داخل ہوا اور پوجا والے کمرے میں پہنچا تو شاستری بابا کالی دیوی کے

سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔"ملنگ،تم کمرے میں جاؤ اور آرام کرو۔کھانا کھالینا۔" اس نے عادل کی طرف دیکھے بغیر کہا۔"آئندہ اس طرح باہر مت جانا۔وہ نابکار دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔"

عادل خاموشی سے آگے بڑھا اور دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں آگیا۔مگر اندر چراغ کی روشنی میں فرش پر ایک طشت میں رکھے کھانے دیکھ کر حیرت سے اچھل پڑا۔دو تین قسم کے کھانے تھے۔کھانے دیکھ کر عادل کی بھوک چمک اٹھی۔دوپہر کے وقت انہوں نے فیصل آباد میں لاری اڈے پر کھانا کھایا تھا۔وہ گھاس پھوس کے فرش پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔کھانا گرم اور تازہ معلوم ہو رہا تھا۔وہ کھانا کہاں سے آیا اور کس نے پکا کر وہاں رکھ دیا تھا جبکہ مندر میں شاستری اور اس کے سوا کوئی نہ تھا اور مندر کے پجاری نتھو رام کا ڈھانچہ اس نے خود جلتے دیکھا تھا۔وہ سوچتا ہوا کھاتا رہا۔

دوسری صبح عادل بیدار ہوا تو چھت کے ایک سوراخ سے سورج کی روشنی اندر پڑ رہی تھی اور شاستری بابا قریب بیٹھا تھا۔اس کے سامنے تازہ کھانا رکھا ہوا تھا۔

"اٹھو ملنگ۔ناشتا کرلو۔" عادل کو آنکھیں کھولے دیکھ کر اس نے نرمی سے کہا۔

عادل اٹھ بیٹھا۔اس نے کونے میں رکھے مٹکے سے پانی لے کر کلی کی اور کھانے کے پاس آبیٹھا۔

دونوں نے کھانا کھایا۔تازہ گرم پراٹھے اور سرسوں کا ساگ تھا جو عادل کو بہت پسند تھا۔

"بابا......یہ کھانا کہاں سے آتا ہے؟" کھانے سے فارغ ہو کر عادل نے پوچھا۔

"دیکھو ملنگ۔اس قسم کے سوالات مت کیا کرو۔" شاستری نے نرمی سے تنبیہہ کی۔"تم میری خفیہ طاقتوں کا مظاہرہ گزشتہ رات دیکھ ہی چکے ہو۔اس سے تمہیں خود سمجھ لینا چاہیے کہ میں جو چاہوں مہیا کر سکتا ہوں۔"

عادل نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔شاستری چند لمحوں تک سوچتا رہا۔پھر کہنے لگا۔"شنکر لال بہت موذی دشمن ہے۔گزشتہ رات تو میں نے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اب میرے ساتھ ساتھ وہ تمہیں بھی اپنا حریف سمجھے گا کیونکہ وہ تمہیں میرا چیلا کہتا ہے۔چنانچہ اپنی کمینی خصلت کے باعث وہ مجھ پر وار کرنے کی بجائے تمہیں کمزور سمجھ کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں چند منتر سکھا دوں تاکہ تم کسی حد تک اپنی حفاظت خود کر سکو کیونکہ جس وقت میں جاپ میں مصروف ہوں گا اس وقت میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا ورنہ جاپ مقررہ دنوں میں مکمل نہ ہو پائے گا لیکن تمہیں میرے ساتھ عہد کرنا ہوگا کہ زندگی میں کبھی مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرو گے۔تب ہی میں تمہیں خفیہ علوم سکھاؤں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ......" عادل کہنے لگا۔

"ٹھہرو ایسے نہیں۔ تمہیں قسم کھا کر عہد کرنا ہے۔" شاستری نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"ٹھیک ہے۔ میں اللہ کی قسم......"

"نہیں......" وہ پھر بول پڑا۔ "تمہیں کالی دیوی کے سامنے عہد کرنا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔" وہ عادل کو ساتھ لیے پچھواڑے کے کمرے میں آیا۔ وہاں دن میں بھی چراغ جل رہے تھے کیونکہ باہر کی روشنی اس کمرے میں نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس کے اشارے پر عادل دیوی کے قدموں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ شاستری نے کہا۔

"اپنے دونوں ہاتھ دیوی کے پیروں پر رکھو اور سر جھکا کر میرے الفاظ بلند آواز میں دہراتا۔"

عادل ایک لمحہ کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔ وہ مسلمان تھا مگر اسے ایک بے جان مجسمے کو اپنا خدا جان کر عہد کرنا تھا۔ گویا اپنے ایمان سے پھرنا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ انکار کر دے مگر پھر اپنی بیمار بہن کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ اس کی زندگی بچانے کے لیے اسے شاستری سے عہد کرنا ہی تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ دل سے تو وہ مسلمان ہی رہے گا۔ دیوی کی قسم کھانے سے اس کا ایمان تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اگلے ہی لمحے اس نے جھک کر کالی دیوی کے پاؤں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ تب شاستری کی آواز بلند ہونے لگی اور عادل اس کے الفاظ دہرانے لگا۔

"میں مقدس دیوی کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ اپنے گرو جی مہاراج شاستری سے ہمیشہ مخلص رہوں گا اور زندگی میں کبھی......"

"چند لمحوں بعد شاستری نے کہا۔ "بس۔ اب بیٹھ جاؤ۔"

عادل فرش پر بیٹھ کر شاستری کی طرف دیکھنے لگا۔ شاستری بھی بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا۔ "ملنگ۔ تم نے عہد کر لیا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص کالی دیوی سے کیے گئے عہد کی خلاف ورزی کرے، دیوی اس پر اپنا دردناک عذاب نازل کرتی ہے۔"

عادل کچھ نہ بولا۔ پھر شاستری اسے منتر سکھانے لگا۔

☆☆☆

چھتیس روز تک ان کا یہی معمول رہا۔ دن کے وقت شاستری اسے علوم سکھاتا اور سورج ڈوبنے کے بعد کالی دیوی کے سامنے بیٹھ کر ساری رات جاپ میں گزار دیتا۔ اس عرصہ میں اس نے عادل کو اتنا کچھ سکھا دیا کہ عادل کی کایا ہی پلٹ گئی اور وہ خود کو کالے علوم کا ماہر سمجھنے لگا۔ اس دوران شنکر لال نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تھی۔ شاستری کئی بار اس پر حیرت کا اظہار کر چکا تھا کہ شنکر لال کیوں خاموش ہے۔ اس جیسے کینہ پرور دشمن سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ صبر کر کے بیٹھ گیا ہوگا۔ سینتیسویں روز

ناشتے کے بعد شاستری نے عادل سے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "ملنگ۔ میرا جاپ مکمل ہونے میں صرف تین راتیں باقی ہیں لیکن میری چھٹی حس کسی انجانے خطرے کا اعلان کر رہی ہے اور یہ خطرہ صرف شنکر لال ہی ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اب باہر جاؤ اور کھوج لگاؤ کہ شنکر لال کیا کر رہا ہے یا کرنے والا ہے، ایسا نہ ہو کہ میری محنت ضائع کرنے کے لئے وہ آئندہ تین دنوں میں مجھ پر کوئی وار کر دے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"جی ہاں۔" عادل نے اثبات میں سر ہلایا۔ "آپ کا خدشہ درست بھی ہو سکتا ہے۔"

"بس تو تم اپنا حلیہ درست کرو اور شنکر لال کے آشرم میں جا کر اس کی جاسوسی کرو۔ اس کا گھر گلگشت کالونی سے تھوڑا آگے فیل کوٹ بستی میں ہے جہاں ایک پرانا مندر ہے۔ وہ اس مندر میں رہتا ہے۔"

شاستری چند منٹ تک عادل کو سمجھاتا رہا۔ پھر اس نے کچھ رقم عادل کے حوالے کی اور وہ اس مہم کے لیے خود کو تیار کرنے لگا۔

دوپہر کے وقت شاستری کی ہدایت پر عادل مندر سے نکل آیا۔ شاستری نے بتایا تھا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد شنکر لال اپنے مندر کے خفیہ تہہ خانے میں چلا جاتا ہے اور باہر اس کا سیوک مندر کی نگرانی کے لیے موجود رہتا ہے جو علاج کے لیے آنے والی عورتوں میں سے چند ایک کا انتخاب کر کے انہیں باری باری تہہ خانے میں شنکر کے پاس پہنچاتا ہے۔

شنکر اپنے علاقے میں ایک کامیاب حکیم کی حیثیت سے مشہور تھا اور دور دور سے لوگ اپنا علاج کرانے اس کے پاس آتے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد خواتین کی ہوتی تھی جن میں سے اکثر کا مرض بے اولادی یا بانجھ پن ہوتا تھا۔ شنکر لال کے علاج سے ان کا بانجھ پن دور ہو جاتا اور ان کے من کی مراد اولاد کی صورت میں پوری ہو جاتی تھی اب تک وہ ہزاروں عورتوں کی گود ہری کر چکا تھا۔ اسی لئے اسے "بچوں والا حکیم" کہتے تھے۔

عادل نواب پور پہنچا۔ وہاں اس نے ایک حجام سے اپنے بال کٹوائے اور شیو بنوائی۔ پھر شاستری کی ہدایات کے مطابق تانگہ میں بیٹھ کر حسین آگاہی پہنچا۔ چوک بازار سے اس نے سلا سلایا ایک زنانہ سوٹ اور ٹوپی والا سفید برقع خریدا اور ایک زنانہ چپل لے کر وہ سب کچھ تھیلے میں ڈال لیا۔ چوک بازار سے وہ خانیوال لاری اڈہ پہنچا، ایک ہوٹل سے کھانا کھایا اور پھر بن بوسن جانے والی لاری میں سوار ہو گیا جو نیل کوٹ سے گزرتی تھی۔ وہ نیل کوٹ اترا اور ایک راہگیر سے پرانے مندر کا راستہ پوچھ کر اس طرف چل دیا۔ پرانا مندر نیل کوٹ کی آبادی سے ایک ڈیڑھ فرلانگ آگے ویران جگہ پر تھا۔ اس کے چاروں طرف گھنے درخت تھے اور بظاہر وہ چھوٹا سا جنگل معلوم ہوتا تھا۔ ایک کچا راستہ درختوں میں سے گزر کر مندر تک

جاتا تھا۔ راستے میں عادل کو کچھ عورتیں مرد اور بچے ادھر سے واپس آتے دکھائی دیئے لیکن مندر کی طرف جانے والا اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ جلد ہی وہ درختوں کے قریب پہنچ گیا۔ وہ راستے سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر درختوں کے ایک جھنڈ میں پہنچا۔ وہاں اس نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ زنانہ سوٹ اور جوتے پہن کر برقع اوڑھا اور اتارا ہوا لباس تھیلے میں بند کر کے ایک جھاڑی میں چھپا دیا، پھر وہ برقع میں چہرہ چھپائے مندر کی طرف بڑھنے لگا۔

پرانے مندر کا چوبی دروازہ بند تھا۔ مندر کے باہر درختوں کے سائے میں کچھ افراد چارپائیوں پر بیٹھے تھے اور بوڑھی عورتیں بھی تھیں۔ سارے مرد جوان العمر تھے۔ ان میں تین تو بیس بائیس برس کی عمر کے تھے اور بقیہ دو بھی پچیس چھبیس سے زیادہ نظر نہ آتے تھے۔ یہ لوگ اپنی بیویوں کا علاج کرانے آئے تھے جو شادی کے سال دو سال گزر جانے کے باوجود ماں نہ بن سکی تھی۔ ان کی بیویاں چند منٹ پہلے اندر بلالی گئی تھیں۔ گنجے سر والا ایک دبلا پتلا اور ادھیڑ عمر شخص ان لوگوں میں دوپہر کا کھانا دال روٹی تقسیم کر رہا تھا۔ اس کے بدن پر صرف ایک چادر لپٹی تھی اور پیشانی پر تین سفید لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ وہ حکیم شنکر لال کا سیوک اور مندر کا پجاری کرشن تھا جس کے بارے میں عادل کو شاستری بابا نے بتایا تھا۔ عادل ایک درخت کی آڑ میں چھپا ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ چارپائیوں پر بیٹھے افراد میں سے ایک نے پجاری کرشن سے دال روٹی لیتے ہوئے پوچھا۔ ''کتنی دیر لگے گی؟ ہم بہت دور سے آئے ہیں اور واپس بھی جانا ہے۔''

''مہاراج کھانا کھا رہے ہیں۔ کھانے کے بعد وہ حکمت شروع کر دیں گے۔ چنتا نہ کرو۔ ہر مریض پر ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔'' کرشن نے جواب دیا۔ ''اولاد کا معاملہ ہے نا۔ مہاراج کو کافی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔''

عادل نے اسے پلٹ کر مندر کے دروازے کی طرف جاتے دیکھا تو جلدی سے آگے بڑھا۔ وہ مندر کے زینوں کے پاس پہنچا تو کرشن دروازہ کھول رہا تھا۔

''ٹھہرو مہاراج۔ مجھے اندر آنے دو۔'' عادل نے نسوانی آواز میں کہا۔

کرشن نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور چونکتا ہوا بولا۔ ''کیا بات ہے مائی؟ مہاراج سے ملنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔''

''مہاراج نے مجھے گزشتہ روز کہا تھا کہ میں آج اس وقت آؤں۔'' عادل اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

''اوہ...... مجھے خبر نہیں۔'' کرشن نے غور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ عادل کا چہرہ اور بدن برقع میں پوشیدہ تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم بے شک اس سے معلوم کر لو۔''

''تمہارا مرض کیا ہے؟'' کرشن نے پوچھا۔

''شادی کو چھ ماہ گزر چکے ہیں مگر گود ہری نہیں ہو رہی۔''

''کیا...... صرف چھ ماہ کی بیاہتا ہو؟'' کرشن کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ ''کتنی عمر ہے تمہاری؟''

''سترھواں سال شروع ہے۔ میں تمہاری منت کرتی ہوں مجھے مہاراج کے پاس جانے دو۔''

''اچھا۔ اچھا۔ اندر آ جاؤ۔'' وہ دروازے سے ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

عادل اندر آ گیا۔ کرشن نے دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی، پھر بولا۔ ''تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ پہلے ان عورتوں کی باری ہے جن کے آدمی باہر بیٹھے ہیں۔ آؤ۔'' عادل اس کے پیچھے چل دیا۔ کرشن اسے پوجا والے کمرے سے گزار کر ایک دوسرے کمرے میں لایا۔ وہاں پہلے سے چار عورتیں بیٹھی تھیں جو شکلوں سے دیہاتی نظر آ رہی تھیں۔ مگر نوجوان اور خوبصورت تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی بیس برس سے زیادہ کی معلوم نہ ہوتی تھی۔ وہ فرش پر بچھی دری پر بیٹھی دال روٹی کھا رہی تھیں۔

''یہاں بیٹھ جاؤ اور انتظار کرو اپنی باری کا۔ کھانا کھاؤ گی؟'' کرشن نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں کھا کر آئی ہوں۔'' عادل نے نسوانی آواز میں جواب دیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔

کرشن نے عورتوں کا جائزہ لیا۔ ان میں سے ایک کھانے سے فارغ ہو چکی تھی۔ کرشن نے اس سے کہا۔

''تم آؤ۔ میں تمہیں مہاراج کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔'' پھر دوسری عورتوں سے بولا۔ ''جب یہ آ جائے گی تو دوسری کو لے جاؤں گا۔ میرے کہے بغیر کوئی باہر نہ نکلے ورنہ مہاراج ناراض ہوں گے۔''

وہ اس دوشیزہ کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ عادل نے دیکھا کہ وہ پوجا والے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ گویا وہ تہہ خانہ اسی جانب تھا جہاں شنکر لال نے اس لڑکی کا علاج کرنا تھا۔ کمرے میں بیٹھی بقیہ تینوں لڑکیاں یا عورتیں حیرت سے عادل کو دیکھ رہی تھیں جس کا چہرہ ابھی تک برقعے میں چھپا ہوا تھا۔ شاید وہ سوچ رہی تھیں کہ وہ عورت ہو کر ان سے کیوں پردہ کئے ہوئے ہے؟ لیکن ان میں سے کسی نے عادل سے بات کرنے کی کوشش نہ کی۔

تقریباً دس منٹ بعد عادل اٹھا اور دروازے پر آ کر باہر جھانکا۔ باہر کوئی نہ تھا۔ وہ کمرے سے نکلا اور دبے پاؤں پوجا والے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے مندر میں جھانکا، وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ ایک دیوی کا قد آدم مجسمہ چبوترے پر رکھا تھا جس کے نیچے تیل کے چراغ جل رہے تھے۔ دوسری جانب اس راہداری کا دروازہ تھا جس کے اختتام پر مندر کا دروازہ تھا۔ اس راہداری

میں بھی دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ عادل آگے بڑھا اور بائیں جانب رک کر سن گن لینے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اسی لمحے ہلکا سا کھٹکا ہوا اور وہ پھرتی سے مجسمے کی آڑ میں چھپ گیا۔ وہاں سے اس نے سامنے کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔ مجسمے کے سامنے والی دیوار کا کچھ حصہ بائیں جانب سرک گیا تھا اور وہاں ایک دروازہ بن گیا تھا۔ دروازے سے دوسری جانب کمرے میں کرشن کھڑا تھا۔ وہ باہر آیا اور دیوار میں بنے چھوٹے سے طاقچے میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے ہی لمحے دیوار برابر ہوگئی۔ پھر اس نے طاقچے سے ہاتھ نکالا اور دوسری راہداری میں داخل ہوگیا۔ عادل مجسمے کی آڑ سے اسے دیکھتا رہا۔ کرشن راہداری کے پہلے کمرے میں داخل ہوتا دکھائی دیا اور عادل اطمینان کا سانس لیتا ہوا مجسمے کے عقب سے نکل آیا، پھر وہ دبے پاؤں اس دیوار کی طرف بڑھنے لگا جہاں سے کرشن باہر نکلا تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ تہہ خانے کا راستہ اسی دیوار کے پیچھے ہے۔ اس نے طاقچے کے اندر ہاتھ ڈالا تو اندر اس کا ہاتھ ایک موٹی سی کیل سے ٹکرایا۔ اس نے کیل کو نیچے کی طرف جھکایا، دوسرے ہی لمحے اس دیوار میں دروازہ نمودار ہوتا چلا گیا۔

☆☆☆

کرشن کے جانے کے بعد شنکر لال نے لڑکی پر نظر ڈالی جو خوف سے اس کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ جس میں داخل ہوتے ہی اس پر ایک عجیب سا خوف چھا گیا تھا۔ کمرہ کافی وسیع تھا اور اس کی چاروں دیواروں پر دیوی دیوتاؤں کی خوفناک تصویریں کندہ تھیں۔ ان میں شیر اور ریچھ سمیت دوسرے کئی خونخوار جانوروں کے چہرے والے دیوتا بھی تھے اور دیویاں بھی تھیں۔ ان تصویروں کے نیچے فرش پر کئی دیوتاؤں کے سنگی مجسمے بھی رکھے تھے اور ان میں سب سے خوفناک چہرہ کالی دیوی کا تھا جس کی آنکھوں کی جگہ ہیرے جڑے جگمگاتے ہوئے یوں نظر آرہے تھے جیسے دیوی پلکیں جھپکا رہی ہو۔

بائیں جانب چھت کے ساتھ تین استخوانی کھوپڑیاں لٹک رہی تھیں جن میں دو دو فٹ کا فاصلہ تھا۔ دائیں جانب دیوار کے پاس دو انسانی ڈھانچے کھڑے تھے جبکہ بائیں جانب ایک ڈھانچہ کھڑا تھا اور اس کی کھوپڑی اس کی گردن کی بجائے اس کے ہاتھ پر رکھی ہوئی تھی جو اس نے سیدھا پھیلا رکھا تھا۔ ایک کونے میں بڑا سا آہنی پنجرہ تھا جس میں ایک گنجا لنگور دونوں ہاتھ پشت پر باندھے انسانوں کی طرح دونوں پیروں پر ٹہل رہا تھا۔ ایک کونے میں دری پر شاندار ریشمی بستر بچھا ہوا تھا۔ شنکر لال کمرے کے درمیان قیمتی قالین پر گاؤ تکیے کی ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی مٹی کی ایک صراحی رکھی تھی جبکہ ہاتھ میں شیشے کا گلاس تھا جس میں سرخ رنگ کا کوئی مشروب تھا اور وہ گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں اس دوشیزہ کے شباب کا جائزہ لے رہی تھیں جو خوفزدہ نگاہوں سے انسانی ڈھانچوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"لڑکی...... کیا نام ہے تمہارا؟" چند لمحوں بعد شنکر لال نے سوال کیا۔

"ب...... بانو۔ بانو ہے میرا نام۔" لڑکی نے بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"کیا چاہتی ہو؟ ادھر میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔" شنکر نے تحکمانہ انداز میں کہتے ہوئے قالین کی طرف اشارہ کیا۔

بانو سہمی سہمی آگے بڑھی اور اس سے پانچ چھ فٹ کے فاصلے پر بیٹھنے لگی تو وہ تیزی سے بولا۔ "تھوڑا اور قریب آجاؤ۔" وہ قدم بڑھا کر اس سے تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گئی۔ شنکر نے اپنا سوال دہرایا۔

"مم...... میں علاج کرانے آئی ہوں حکیم جی۔" وہ خوفزدہ لہجے میں کہنے لگی۔ "شادی کو پورا سال گزر چکا ہے مگر میری گود خالی ہے اب تو میری ساس اور نندیں بھی طعنے دینے لگی ہیں کہ میں بانجھ ہوں اور میری گود کبھی ہری نہیں ہوگی۔"

"چنتا مت کرو۔ تمہاری گود ضرور آباد ہوگی بانو۔" شنکر لال کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "بھگوان کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ستاروں کی چال الٹی ہے۔ اسے سیدھا کرنا پڑے گا۔ ہنومان جی خوش ہو جائیں تو تمہارے یہاں ہر سال بیٹے پیدا ہونے لگیں گے۔ کیا تم ہنومان جی کو خوش کرو گی تاکہ وہ تمہاری قسمت بدل ڈالیں اور تمہیں ماں بنا دیں؟"

"کیوں نہیں حکیم صاحب۔ میں ہنومان جی کو ضرور راضی کروں گی۔ کہاں ہیں وہ؟" بانو نے جلدی سے پوچھا۔

"ابھی آئیں گے اور تمہیں گود میں لے کر تمہاری گود بھر دیں گے۔ چادر اتار کر ایک طرف رکھ دو۔"

بانو نے جھجکتے ہوئے سر سے چادر اتاری اور ایک طرف پہلو میں رکھ دی۔ شنکر لال نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور گلاس میں صراحی سے سرخ شربت ڈال کر بانو کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "میں ہنومان جی کو بلاتا ہوں۔ تم یہ شربت پی لو۔"

بانو نے گلاس لیا اور منہ سے لگا کر شربت پینے لگی مگر پہلے گھونٹ پر ہی اسے ابکائی سی آئی اور اس نے گلاس منہ سے ہٹا لیا۔ منہ جلنے لگا تھا۔

"یہ...... یہ تو کڑوا ہے حکیم جی۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"میٹھی مراد پانے کے لیے کڑوا برداشت کرلو۔ ایک ہی سانس میں پی جاؤ۔" شنکر بولا۔

بانو نے ہمت کر کے کڑوا شربت پیا اور گلاس خالی کر کے رکھ دیا۔ شنکر لال نے دوبارہ کہا۔

"میں ہنومان جی کو بلانے کا عمل شروع کر رہا ہوں۔ اس دوران جو ہدایت ملے اس پر فوری عمل کرنا ورنہ ہنومان جی خفا ہو کر واپس چلے جائیں گے اور تم من کی مراد نہ پا سکو گی۔" پھر وہ آہستہ آہستہ کوئی عمل

بڑھنے لگا۔ بانو اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شنکر لال کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں اور وہ براہِ راست بانو کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ کڑوے شربت کے اثر سے بانو کا بدن آہستہ آہستہ گرم ہوتا جا رہا تھا اور دماغ پر عجیب سا سرور طاری ہونے لگا تھا۔ اس نے شنکر لال کی طرف سے نگاہیں ہٹانا چاہیں لیکن اسے محسوس ہوا جیسے شنکر کی نگاہوں نے اس کے ذہن کو جکڑ رکھا ہو۔ وہ کوشش کے باوجود بھی شنکر کے چہرے سے نگاہیں نہ ہٹا سکی۔ بدن میں گرمی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ چند منٹ بعد ہی اسے کھجلی محسوس ہونے لگی مگر وہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اس کا خمار آلودہ ذہن اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔

دفعتاً شنکر لال نے چھت کی طرف پھونک ماری۔ دوسرے ہی لمحے کمرے میں گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ اس کے ساتھ ہی بانو کے دماغ کو جھٹکا لگا اور اس کا ذہن شنکر لال کی نگاہوں کے حصار سے آزاد ہو گیا۔ اس نے گھبرا کر تاریکی میں اِدھر اُدھر دیکھا اور خوف کی شدت سے اس کا بدن لرزنے لگا۔ سر کٹا ڈھانچہ اور اس کے ہاتھ پر رکھی کھوپڑی اندھیرے میں بھی نظر آ رہی تھی اور وہ ڈھانچہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بانو نے دہشت زدہ ہو کر چیخنا چاہا مگر اسی لمحے ایک آواز ابھری۔

"شنکر لال۔ ہم بانو پر کرپا کرنے آ گئے ہیں۔ ہم اس کی تقدیر بدل دیں گے۔ اسے کہو اپنا لباس اتار دے۔ دیوتاؤں کو مادی لباس سے نفرت ہوتی ہے۔ اندھیرا ہر گناہ کو چھپا لیتا ہے۔ جتنا خوبصورت اس کا بدن ہوگا، اتنا ہی خوبصورت بیٹا دیں گے ہم۔"

"بانو..... لباس اتار دو۔ ہنومان جی تمہاری گود بھرنے آئے ہیں۔" اندھیرے میں شنکر لال کی آواز سنائی دی۔ "آؤ میں اتار دیتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی تاریکی میں دو ہاتھ اسے مادی لباس سے آزاد کرنے لگے اور ان ہاتھوں کی گستاخیاں بانو کو ایک جانی پہچانی لذت سے آشنا کرنے لگیں۔

کمرے میں ڈوبتی ابھرتی سسکاریوں اور تیز تیز سانسوں کا مرکز بانو کی ذات تھی۔ کھوپڑی بردار ڈھانچے کے سوا ہر شے پر تاریکی مسلط تھی۔ عادل دروازے کی آڑ سے اندر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ بانو اور شنکر لال کے ہیولے ریشمی بستر پر آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ دس بارہ منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک ڈھانچے کے ہاتھ پر رکھی کھوپڑی سے ایک تیز چیخ بلند ہوئی اور دوسرے ہی لمحے کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ عادل بوکھلا گیا۔ شنکر لال نے تیزی سے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا اور عادل نے فوراً ہی اپنا چہرہ پیچھے ہٹا لیا۔ اس نے پلٹ کر عقب میں واقع زینوں کی طرف دوڑ لگائی اور زینے پر چڑھتا ہوا تہہ خانے سے نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس نے طاقچے میں ہاتھ ڈال کر کیل کو حرکت دی اور دیوار برابر ہو گئی۔ اب اس کا وہاں رکنا نہ صرف فضول بلکہ خطرناک تھا۔ وہ باہر جانے کے لئے دوسری راہداری کی طرف مڑا ہی تھا کہ کرشن راہداری والے کمرے سے نکلتا دکھائی دیا۔ عادل نے تیزی سے چند مخصوص الفاظ زیرِ لب

ادا کئے اور اس کی طرف پھونک ماری۔

"آہ....." فوراً ہی کرشن کے حلق سے تیز کراہ خارج ہوئی اور وہ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے اندھوں کی طرح ڈگمگانے لگا۔ عادل آگے بڑھا اور دبے پاؤں اس کے قریب سے گزر گیا۔

"کون ہے۔ میری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے؟" کرشن دیوار سے لگتا ہوا چیخا۔

عادل رکے بغیر تیزی سے دروازہ کھول کر مندر سے نکلا اور دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گیا۔ باہر بیٹھے مرد اور عورتیں اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ عادل کا چہرہ برقع میں پوشیدہ تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا گھنے درختوں کے اس جھنڈ میں پہنچا جہاں اس نے اپنا مردانہ لباس چھپایا تھا۔ اس نے تیزی سے لباس تبدیل کیا اور برقع لپیٹ کر ایک جھاڑی میں چھپانے کے بعد بستی کی طرف چل دیا۔ ابھی وہ جنگل سے باہر نہ نکلا تھا کہ اچانک سامنے ایک انسانی ڈھانچے کو دیکھ کر اچھل پڑا۔ وہ ڈھانچہ دونوں بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اسے پکڑنے کی کوشش کرے گا۔

عادل نے رکتے ہوئے تیزی سے جھک کر زمین سے چٹکی بھر مٹی اٹھائی اور اس پر ایک منتر پھونک کر ڈھانچے کی طرف اچھال دی۔ اگلے ہی لمحے ڈھانچے کے گرد اگرد گہرا کثیف دھواں پھیل گیا اور وہ اس دھوئیں میں چھپ گیا۔ عادل آگے بڑھا اور اس دھوئیں کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ جنگل سے باہر آ کر وہ کچے راستے پر چلنے لگا۔ بستی میں پہنچ کر اس نے اپنی چال دھیمی کر لی۔ نیل کوٹ سے نواب پور کے مندر تک پہنچنے میں اسے ایک گھنٹہ لگا۔ وہ مندر میں داخل ہوا تو پوجا والے کمرے میں شاستری بابا اس کا منتظر تھا۔

"اوہ..... خیریت۔ تم کچھ گھبرائے ہوئے لگتے ہو ملنگ؟" اس نے عادل کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چونکتے ہوئے پوچھا۔

"باباجی..... بڑی مشکل سے بچ کر یہاں پہنچا ہوں۔" عادل گہرا سانس لیتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"وہ کیسے؟" شاستری نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ "اور جس کام کے لیے گئے تھے، اس کا کیا ہوا؟"

جواب میں عادل نے تمام روداد بیان کر دی۔ شاستری کا چہرہ غصے سے مزید سیاہ پڑ گیا۔

"اچھا..... تو وہ نابکار اس طرح ضرورت مند اور معصوم لڑکیوں کی گود ہری کرتا ہے۔" وہ قہر آلود لہجے میں بولا۔

"پتا نہیں۔ میں نے تو جو کچھ دیکھا بیان کر دیا ہے۔" عادل نے کہا۔ "اس نے بانو کو بے آبرو کیا ہے تو

یقیناً باقی تینوں لڑکیوں کی بھی اسی طرح گود ہری کرے گا۔ بہر حال وہ نہایت عیار اور شاطر آدمی ہے لیکن اس سے زیادہ وہ شیطان ہے۔ علاج کی آڑ میں وہ جس طرح معصوم اور مظلوم دوشیزاؤں سے اپنی ہوس کی آگ ٹھنڈی کر رہا ہے، اسے زندہ جلا دینا چاہیے۔"

"کون جلائے گا اسے؟ سب لوگ اسے مسیحا سمجھ کر اس کی عزت کرتے ہیں۔" شاستری نے تلخ لہجے میں کہا۔

"پولیس کو اطلاع دی جائے تو......" عادل کہنے لگا۔

"نہیں ملنگ وہ پولیس کے بس کا روگ نہیں ہے، بہت طاقتور ہے۔" شاستری نے اس کی بات قطع کر دی۔ "تم دیکھ ہی آئے ہو کہ لوگ اس پر اندھا اعتقاد کرتے ہیں۔ کسی کو اس سے آج تک شکایت نہیں ہوئی۔ لوگ اس پر بھروسا کر کے اپنی بیویاں اور بہو بیٹیاں مندر میں بھیج دیتے ہیں اور خود باہر بیٹھے اس خوش فہمی میں انتظار کرتے ہیں کہ لڑکی باہر آئے گی تو اس کی گود آباد ہو جائے گی۔ آج تک کسی لڑکی نے شنکر لال کی شکایت نہیں کی۔ سب یہی سمجھتی ہیں کہ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ ہنومان دیوتا نے کیا ہے۔ وہ نشے اور شنکر لال کے سحر میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور جب ہوش میں آتی ہیں تو گزرے لمحات کو خواب سمجھ کر بھول جاتی ہیں۔"

"اس ابلیس کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" عادل نے غصے سے کہا۔

"بے فکر رہو۔ میں جاپ مکمل کرنے کے بعد خود اسے دیکھ لوں گا۔" شاستری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن جس مقصد کے لیے میں نے تمہیں وہاں بھیجا تھا، وہ پورا نہیں ہوا۔ تمہیں وہاں سے بھاگنے کی بجائے یہ رات وہیں بسر کرنی چاہیے تھی تاکہ اس کی طرف سے ہونے والی کسی جارحانہ کارروائی سے ہم قبل از وقت باخبر ہو جاتے۔"

"اب پھر چلا جاتا ہوں۔ جگہ تو میں دیکھ ہی آیا ہوں اور مندر میں داخل ہونا بھی میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہا۔"

"نہیں......اب تمہارا وہاں جانا خطرناک ہوگا۔ وہ تمہاری اصلیت معلوم کر چکا ہوگا اور اس نے نہ صرف آئندہ کے لیے تمہارے لیے وہاں کوئی غیبی جال بچھا دیا ہوگا بلکہ تم پر وار کرنے کے تیاری بھی کر رہا ہوگا۔ اس لیے تمہارا اب باہر جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔"

عادل اس کی بات سمجھ گیا اس لیے اصرار کرنے سے گریز کیا۔

رات خیریت سے گزر گئی۔ دوسرے روز عادل نے شاستری سے اجازت لی اور شہر کی سیر کرنے نکل پڑا۔ سارا دن وہ شہر میں گھومتا پھرتا رہا۔ قلعہ پر واقع بزرگانِ دین کے مزاروں کی زیارت کی اور شام کے

وقت واپس چل دیا۔ نواب پور پہنچ کر اس نے ایک ہوٹل سے چائے پی اور کالی کے مندر کی طرف چل دیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا مگر ابھی اندھیرا نہیں چھایا تھا۔ بستی سے باہر نکل کر وہ مندر کی طرف چل پڑا۔ اس نے خود پر حفاظتی سحر پھونک لیا تھا۔ کھیتوں کے درمیان چلتا ہوا وہ اس جنگل کی طرف بڑھ رہا تھا جس کی دوسری جانب کالی کا مندر تھا۔ جنگل کا راستہ بھی نصف گھنٹے کا تھا اور وہ جانتا تھا کہ جنگل میں داخل ہونے سے پہلے ہی اندھیرا چھا جائے گا لیکن اسے فکر نہیں تھی۔ اس نے شہر کی سیر کے دوران گھنٹہ گھر کے ایک جنرل سٹور سے چھوٹی سی ٹارچ خرید لی تھی جو اس کی جیب میں تھی۔ ابھی وہ جنگل سے دور ہی تھا کہ اچانک کسی کی سسکیاں سنائی دیں۔ اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ وہ نسوانی سسکیاں تھیں۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ سسکیاں بائیں ہاتھ پر گنے کے ایک کھیت کی دوسری جانب سے ابھر رہی تھیں۔ وہ کھیت کے گرد گھوم کر دوسری طرف آیا تو وہاں پگڈنڈی پر ایک عورت بیٹھی دکھائی دی وہی سسک رہی تھی۔ وہ اس کے قریب پہنچا تو عورت خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ عادل نے اس کا جائزہ لیا وہ انیس بیس برس کی دیہاتی مگر بے حد خوبصورت اور حسین و جمیل لڑکی تھی۔ اس کے قریب ایک گٹھڑی رکھی تھی۔ عادل کو حیرت ہوئی کہ اس وقت وہ لڑکی وہاں کیوں بیٹھی رو رہی ہے۔

"تم کون ہو اور کیوں رو رہی ہو؟" اس نے نرمی سے سوال کیا۔

"ڈر کے سبب۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "میرا نام صفیہ ہے۔ میں نے جنگل کی دوسری طرف گاؤں میں جانا ہے مگر اندھیرا پھیل رہا ہے اور جنگل سے خوف آ رہا ہے۔ ہائے ربا۔ میں کیسے گھر جاؤں گی۔"

"مگر تم اکیلی کہاں گئی تھیں؟ پھر تمہیں سورج ڈوبنے سے پہلے ہی جنگل سے گزر جانا چاہیے تھا۔"

"بس غلطی ہو گئی۔ اماں نشتر ہسپتال میں داخل ہے۔ اس سے ملنے گئی تھی۔ واپسی پر اس طرف کی سواری ملنے میں دیر ہو گئی۔" وہ سسکیاں لینے لگی۔ "بھائی۔ تم میری مدد کرو۔ مجھے اس جنگل سے دوسری طرف پہنچا دو۔ تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔"

"چلو۔ میں تمہیں تمہارے گاؤں چھوڑ آتا ہوں۔ لیکن آئندہ کبھی اکیلی کہیں مت جانا۔ تم جوان لڑکی ہو۔ کوئی غنڈہ تمہارے پیچھے پڑ جاتا تو پھر......؟" عادل نے منہ بنایا۔

"بھائی......تم کون ہو اور کدھر رہتے ہو؟" وہ گٹھڑی اٹھا کر اس کے پیچھے چلنے لگی۔

"میں ہندوؤں کے مندر کی طرف جا رہا تھا۔" عادل بولا۔ "اب پہلے تمہیں تمہارے گاؤں چھوڑوں گا پھر ادھر جاؤں گا۔"

جنگل کے پاس پہنچتے تک اندھیرا اتنا گہرا ہو گیا کہ عادل کو ٹارچ جلانا پڑ گئی۔ لڑکی اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ جنگل میں داخل ہو کر وہ آگے بڑھنے لگے۔ عادل کو شاستری کی فکر تھی کہ وہ اس کے انتظار میں

پریشان ہو رہا ہوگا لیکن لڑکی کی مدد کرنا بھی نیکی کا کام تھا اور جذبہ ہمدردی نے اسے لڑکی کی مدد کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ابھی اس نے ساٹھ ستر قدم کا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک فضا میں ہلکا سا کڑاکا ہوا جیسے کسی درخت کی شاخ ٹوٹی ہو۔ دوسرے ہی لمحے سیاہ رنگ کی ایک بلی عادل کے سامنے آ گئی۔ وہ بلی جسامت میں کسی قد آور کتے جتنی تھی اور اس کی چمکدار آنکھوں میں درندگی ناچ رہی تھی۔ عادل ٹھٹھک کر رک گیا۔ آج سے پہلے اس نے اتنی بڑی بلی نہیں دیکھی تھی۔ عادل نے اسے ششکارا مگر بلی نے راستے سے ہٹنے کی بجائے اس پر چھلانگ لگا دی۔ عادل نے بچنے کے لیے ایک دم خود کو جھکایا اور بلی اس کے اوپر سے گزرتی ہوئی عقب میں کھڑی لڑکی سے جا ٹکرائی۔ لڑکی چیختی ہوئی زمین پر آ رہی۔

عادل نے سنبھل کر پیچھے دیکھا تو بلی غائب ہو چکی تھی اور اس کی جگہ شنکر لال کھڑا عادل کو خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

شنکر لال کو دیکھ کر عادل بے اختیار اچھل پڑا۔ ''اوہ...... تم......''

''ہاں نابکار۔'' وہ بھیڑیے کی مانند غرایا۔ ''تو شاید اس خوش فہمی میں مبتلا رہا ہوگا کہ میں نے برقع کی وجہ سے تمہیں پہچانا نہیں ہوگا لیکن جب تو اپنی قوت سے میرے غلام کو زیر کر کے وہاں سے بحفاظت نکل گیا تو میں سمجھ گیا کہ تو بھی کالے علوم کا ماہر ہے۔ تب میں نے تیری حقیقت جاننے کی کوشش کی اور مجھے معلوم ہو گیا کہ تو کون ہے اور تجھے کس نے بھیجا تھا، چنانچہ میں نے تجھے سزا دینے کا عہد کیا اور اب میں آ گیا ہوں۔ آج تم میری ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے اور نہ ہی تیرا گرو تجھے بچا سکے گا۔''

عادل نے صفیہ کی طرف دیکھا۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے شنکر لال کی طرف دیکھتی ہوئی زمین پر بیٹھی کراہ رہی تھی۔

''شنکر لال۔'' عادل نے دوبارہ شنکر لال کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ ''میں تم سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو خود چاہتا تھا کہ تم آؤ اور میں دنیا کو تمہارے وجود سے پاک کر دوں۔''

''تم...... ہاہاہا......'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ ''تم اتنے طاقتور کب سے ہو گئے ہو شاستری کے چیلے کہ میری قوتوں کا مقابلہ کر سکو؟ اگر یہ لڑکی تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو میں ایک ہی پھونک میں اس پورے جنگل کو بھسم کر ڈالتا اور تم ہمیشہ کے لیے راکھ ہو جاتے۔''

''اچھا کیا کہ تم نے لڑکی کا خیال رکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے اس بے چاری کو جنگل کے پار چھوڑ آؤں۔ اس کے بعد تم سے......''

''نہیں...... یہ اب میری ہے۔'' شنکر لال عادل کی بات قطع کرتا ہوا غرایا۔ ''تمہیں ختم کر کے اسے

ساتھ لے جاؤں گا۔ مالِ غنیمت کے طور پر۔''

''زبان کو لگام دو شنکر لال۔'' عادل غصے سے چلایا۔ ''دوبارہ اس معصوم کا نام لیا تو میں تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنا ڈالوں گا۔''

''کیوں...... یہ تمہاری بہن ہے کیا؟'' شنکر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

عادل غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ ''ہاں یہی سمجھ لو اب تم خود ہی میرا اس سے رشتہ جوڑ دیا ہے تو پھر میں بھی سگے بھائی کی طرح اس کی جان و آبرو کی حفاظت کروں گا کہ اب یہ میری غیرت کا معاملہ ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ اس وقت ٹل جاؤ۔ مجھے مجبور مت کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ صفیہ کو ہماری لڑائی میں کوئی نقصان پہنچے۔ وہ پہلے ہی خوفزدہ ہو رہی ہے۔''

''اسے تو نقصان نہیں پہنچے گا البتہ تم فنا ضرور ہو جاؤ گے نابکار۔ سنبھل جاؤ۔'' شنکر لال اتنا کہہ کر زیر لب کوئی عمل پڑھنے لگا۔ صفیہ خوفزدہ نگاہوں سے شنکر لال کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عادل نے اس کی طرف دیکھ کر تیزی سے کہا۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے صفیہ۔ یہ ابلیس میرے جیتے جی تمہیں انگلی بھی نہ لگا سکے گا۔''

دوسرے ہی لمحے اس نے جھک کر زمین سے مٹی کی چٹکی اٹھاتے ہوئے کچھ پڑھا اور شنکر لال کی طرف مٹی اچھال دی۔ اسی لمحے شنکر لال نے بھی عادل کی طرف پھونک ماری۔ مٹی کے ذرات دہکتے انگاروں میں تبدیل ہو کر شنکر لال کی طرف اڑے مگر راستے میں ہی راکھ ہو کر گر گئے۔ شنکر نے فوراً ہی دوبارہ عادل کی طرف پھونک ماری اور اس کا نتیجہ دیکھ کر صفیہ دہشت کے مارے چیخ پڑی۔ ہوا میں ایک بہت موٹا اور لمبا اژدہا نمودار ہوا اور اڑتا ہوا عادل پر جا پڑا۔ عادل نے فوراً ہی اس کا پھن دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا اور زیر لب کچھ پڑھ کر اژدہے کے پھن پر پھونک ماری دوسرے ہی لمحے اژدہا ایک پتلی سی رسی میں تبدیل ہو گیا۔

شنکر لال نے عادل کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اپنا داہنا ہاتھ عادل کی طرف دراز کر کے جھٹکا۔ فوراً ہی عادل کو اپنی آنکھوں میں شدید جلن محسوس ہوئی اور اس نے بے اختیار اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر دی گئی ہوں۔ اب وہ کچھ دیکھنے سے معذور تھا اور اس حالت میں وہ شنکر لال کو اپنے حملے کا نشانہ بنانے سے قاصر تھا۔ چنانچہ وہ پلٹ کر اندھا دھند بھاگا اور جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔ عقب سے اسے شنکر لال کے قہقہے سنائی دیئے۔ مگر وہ رکے بغیر دوڑتا ہوا وہاں سے دور ہوتا چلا گیا۔ سب سے پہلے اسے اپنی آنکھوں کی شدید جلن اور تکلیف سے چھٹکارا پانے کی ضرورت تھی اور یہ فوراً ہی ممکن نہ تھا۔

صفیہ کے لیے یہ سب کچھ انتہائی پُر اسرار اور خوفناک تھا۔ عادل نظر نہیں آ رہا تھا اور شنکر لال قہقہے لگاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''بھاگ گیا شاستری کا چیلا۔ مجھے چیلنج کر رہا تھا نابکار۔ اگر تم نہ ہوتیں تو میں اسے زندہ نہ جانے دیتا۔ چلو اٹھو۔''

''تت...... تم...... تم کون ہو؟...... کیا چاہتے ہو؟'' صفیہ خوف سے ہکلائی۔

''تم میرے ساتھ چلو گی سندر ناری۔'' وہ خباثت سے ہنسا۔ ''میں تمہیں اپنے آشرم میں لے جاؤں گا۔ تمہاری جوانی کا رس چوسوں گا اور صبح تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔''

''نہیں...... نہیں۔'' صفیہ اس کے عزائم جان کر چیخ پڑی۔ ''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔''

''کیوں؟ میں تمہیں کھاؤں گا نہیں۔ بڑے پریم سے رکھوں گا رات بھر۔ ویسے بھی اب تم تنہا گھر تو نہیں جا سکتیں۔ یہاں جنگل بیابان میں رات گزارنے کی بجائے میرے آشرم میں رات گزارو تو بہت مزے میں رہو گی۔ ساری زندگی اس رات کو نہ بھلا سکو گی۔''

''نہیں...... مجھ پر رحم کھاؤ۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔'' وہ روتی ہوئی ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''خدا...... ہاہاہا۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''بھگوان کا واسطہ بھی دو تو نہیں چھوڑوں گا اپنی پیاس بجھائے بغیر۔ چلو اٹھو۔'' اس کا لہجہ سخت ہو گیا مگر صفیہ بیٹھی روتی رہی۔ شنکر لال چند لمحوں تک اسے گھورتا رہا، پھر اس نے کچھ پڑھ کر زمین پر پاؤں مارا۔ اگلے ہی لمحے سامنے والے درختوں سے ایک انسانی ڈھانچہ نمودار ہوا اور اسے دیکھ کر دہشت کے مارے صفیہ کی رگوں میں خون جمنے لگا۔ اس ڈھانچے کی آنکھوں سے روشنی خارج ہو رہی تھی اور جسم کی تمام ہڈیاں چمک رہی تھیں۔ صفیہ کا خوف سے سینے میں سانس اٹکنے لگا۔ ڈھانچہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صفیہ دہشت سے اپنی جگہ ساکت پھٹی پھٹی نگاہوں سے ڈھانچے کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہی تھی۔ چند لمحوں میں وہ قریب آ پہنچا۔

''اس لڑکی کو اٹھا کر میرے آشرم میں پہنچا دو۔'' شنکر لال نے ڈھانچے میں تحکمانہ لہجے میں کہا۔

صفیہ کے حواس جواب دے گئے اور وہ چلائی۔ ''نہیں...... نہیں۔ میرے قریب مت آؤ۔''

ڈھانچہ اس کے قریب آ کر جھٹکے سے رک گیا۔ شنکر لال غرایا۔ ''جلدی کرو۔''

''مہاراج...... اس لڑکی کے گلے میں قرآنی الفاظ والا تعویذ ہے۔ میں اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔'' ڈھانچے کے منہ سے آواز نکلی۔

''پرواہ مت کرو۔ کچھ نہیں ہوتا۔ جلدی کرو میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔'' شنکر لال اِدھر اُدھر متلاشی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

ڈھانچے نے قدم بڑھایا اور صفیہ دہشت کے مارے گھگیانے لگی مگر اس کا خوف سے حلق خشک ہو چکا تھا اس لیے منہ سے کوئی آواز نہ نکل پائی۔ ڈھانچے نے جھک کر اسے اٹھانے کے لیے اپنے استخوانی پنجے بڑھائے لیکن جونہی اس کے پنجے صفیہ کے جسم سے مس ہوئے، ایک دم وہ کسی بے جان چیز کی مانند فضا میں اچھلا اور اس کی بھیانک چیخوں سے جنگل کی فضا کانپنے لگی۔ وہ دس بارہ فٹ کی بلندی سے زمین پر گرا اور اس کی ہڈیاں منتشر ہو گئیں۔

شنکر لال نے اس کا حشر دیکھا اور سمجھ گیا جب تک صفیہ کے گلے میں تعویذ ہے اس پر کوئی جادو اثر نہیں کر سکے گا۔ وہ صفیہ کی طرف دیکھتا ہوا زیرلب بڑبڑایا۔ صفیہ نے اس کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر دہشت سے چیخ پڑی۔ شنکر لال کا چہرہ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ دو تین لمحوں بعد اس کا منہ بھیڑیئے کی تھوتھنی میں تبدیل ہو گیا اور وہ زمین پر جھک گیا۔ جونہی اس نے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اس کا سارا بدن مکمل طور پر جانور میں تبدیل ہو گیا۔ اب وہاں انسان کی بجائے ایک خونخوار بھیڑیا کھڑا صفیہ کو گھور رہا تھا۔ اس طلسم پر صفیہ خوف سے کانپنے لگی۔ وہ ایک قوی الجثہ اور لحیم شحیم بھیڑیا بن چکا تھا جو زبان لٹکائے ہانپتا اور رال ٹپکاتا ہوا شعلہ بار آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

وہ خون آشام بھیڑیا صفیہ کی طرف لپکا اور صفیہ دہشت سے چیخنے لگی۔ ٹھیک اسی لمحے فضا میں روشنی ہوئی۔ ایک انسانی کھوپڑی فضا سے نیچے اتر رہی تھی۔ صفیہ نے اوپر دیکھا فوراً ہی ایک غضبناک آواز سنائی دی۔

''میں آ گیا ہوں نابکار...... اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔''

بھیڑیئے نے دائیں طرف دیکھا تو اس طرف سے عادل چلا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی لکڑی تھی جس کے اگلے سرے پر ایک چمکدار مینڈک بیٹھا تھا اور مینڈک کی آنکھوں سے سرخ رنگ کی شعاعیں خارج ہو رہی تھیں اسے دیکھتے ہی بھیڑیا پلٹا اور لمبی لمبی زقندیں بھرتا ہوا عقب میں واقع گھنی جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا غائب ہو گیا۔ صفیہ نے عادل کی طرف دیکھا اور پھر اس کے دہشت زدہ ذہن پر غنودگی سی طاری ہوتی چلی گئی۔

عادل نے چھڑی پر پھونک ماری اور اس پر بیٹھا ہوا مینڈک غائب ہو گیا۔ کھوپڑی ہوا میں معلق ہو چکی تھی اور اس کی آنکھوں سے خارج ہونے والی روشنی زمین پر پڑ رہی تھی عادل صفیہ کے قریب آیا تو وہ بے ہوش پڑی تھی۔ اسی لمحے فضا میں شاستری کی آواز گونجی۔

''ملنگ لڑکی کو اٹھا کر یہاں لے آؤ۔ صبح دن کے اجالے میں اسے اس کے گھر چھوڑ آنا۔''

عادل نے بھی یہی مناسب سمجھا چنانچہ اس نے بے ہوش صفیہ کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور مندر کی

طرف چل پڑا۔ طلسمی کھوپڑی اپنی آنکھوں کی روشنی زمین پر ڈالتے ہوئے اس کے آگے آگے پرواز کر رہی تھی۔

☆

شاستری بڑی بے تابی سے مندر میں عادل کا انتظار کر رہا تھا جو صفیہ کو اس کے گاؤں تک پہنچانے گیا تھا ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد عادل آیا تو شاستری اسے ساتھ لیے رہائشی کمرے میں آ بیٹھا۔

''ملنگ!'' اس نے عادل سے نرم لہجے میں کہا۔ ''گزشتہ رات تم نے جس طرح شنکر لال کو بھاگنے پر مجبور کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم مستقبل میں شنکر لال سے بھی بڑے ساحر بنو گے مگر فی الحال تم شنکر کا تنہا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو۔''

''کیوں باباجی؟'' عادل نے چونکتے ہوئے کہا۔

''گزشتہ رات اس کی ناکامی اور فرار کی ایک وجہ طلسمی کھوپڑی بھی تھی۔'' شاستری مسکرایا۔ ''وہ ایک ہی وقت میں طلسمی کھوپڑی اور تمہارا مقابلہ کرنے سے گھبرا گیا تھا کہ کہیں دو اطراف کے حملوں میں مارا نہ جائے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ وہ اب بھی ہم دونوں سے زیادہ طاقتور ہے۔ میں نے گزشتہ رات جاپ کے دوران اس بات کا کھوج لگایا ہے کہ شنکر لال کو مکمل طور پر زیر کرنے کے لئے مجھے ابھی مزید کچھ عرصہ کوشش کرنا پڑے گی۔''

''اوہ...... مگر آپ کا جاپ مکمل ہونے میں صرف دو راتیں باقی ہیں۔ کیا اس سے......!''

''نہیں۔ اس سے مجھے صرف اتنی شکتی حاصل ہو گی جس سے میں اس کا مقابلہ کر کے اسے شکست دے سکوں گا۔'' شاستری نے تیزی سے بات قطع کرتے ہوئے کہا۔ ''اور اپنی حفاظت بھی کر سکوں گا مگر شنکر لال کو نشٹ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکوں گا۔ اسے فنا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جے پور یا آگرہ میں جاپ کیا جائے یا پھر سومناتھ کے مندر میں۔''

''سومناتھ!'' عادل چونکا۔ ''وہی جسے محمود غزنوی نے فتح کیا اور مندر میں رکھے بتوں کو توڑا تھا؟''

''ہاں۔ اس مندر میں سب سے بڑی مورتی سومناتھ دیوتا کی ہے۔ وہ پورے ہندوستان میں سب سے بڑا مندر ہے اور سومناتھ دیوتا، طاقت کا دیوتا ہے۔ شنکر لال کو بھی وہیں سے شکتی ملی تھی۔''

''ہوں۔ گویا آپ کو ہندوستان جانا پڑے گا۔'' عادل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''ضروری نہیں، میری بجائے تم بھی جا سکتے ہو۔ شکتی مجھے حاصل ہو یا تمہیں، مقصد تو یہی ہے کہ کسی طرح شنکر لال کو فتح کیا جائے۔ میں نے سوچا ہے کہ تمہیں وہاں بھیج دوں کیونکہ میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ اگر میں ہندوستان گیا تو ہو سکتا ہے وہ ابلیس شنکر لال سمن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔''

سمن کے ذکر پر عادل کی آنکھوں کے سامنے اس من موہنی اور کامنی سی لڑکی کا حسین سراپا لہرا گیا جس نے پہلی ملاقات میں ہی اس کے دل پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ دل ہی دل میں اسے اپنی زندگی کا حاصل سمجھ بیٹھا تھا۔

''میں سمن کی حفاظت کروں گا۔'' اس نے ایک لمحہ بعد کہا۔

''نہیں ملنگ......!'' شاستری مسکرایا۔ ''میں نے ابھی کہا ہے کہ وہ نابکار بہت طاقتور ہے اور تم فی الحال اس جیسی خطرناک شکتی کے مالک نہیں ہو کہ اس کا زیادہ دیر تک مقابلہ کر سکو کیا سمجھے؟''

''ٹھیک ہے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ سمن کو اپنے ساتھ ہندوستان لے جائیں۔''

''ہاں...... ہو تو سکتا ہے بالکل لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ نابکار ہمارے پیچھے لگ جائے یا سفر کے دوران ہی ہم پر حملہ نہ کر دے۔ سمن ساتھ ہو گی تو ہمیں خطرے کی صورت میں نہ صرف شنکر کے حملے کا توڑ کرنا پڑے گا بلکہ سمن کی حفاظت بھی اس طرح بیک وقت دو محاذوں پر توجہ دینے سے میری شکتی بٹ کر کمزور ہو جائے گی اور شنکر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ اگر تم نہیں جانا چاہتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

''نہیں نہیں بابا، میں بھلا کیسے انکار کر سکتا ہوں۔'' عادل اس کی خفگی محسوس کر کے تیزی سے بولا۔ ''میں تو خود اس خبیث کو فنا کرنے کا عزم کئے ہوئے ہوں تاکہ دنیا کو اس کی نجاست سے پاک کر دوں۔''

''بس تو ٹھیک ہے۔'' شاستری ایک دم مسکرانے لگا۔ ''یہاں سے فارغ ہونے پر میں تمہیں ہندوستان روانہ کروں گا۔''

''بہتر۔ مگر میرا پاسپورٹ...... وہ بھی تو بنوانا پڑے گا۔''

''وہ کوئی مسئلہ نہیں۔ پاسپورٹ تمہارا آج ہی بن جائے گا ملتان کے پاسپورٹ آفس سے۔ تم یوں کرو۔ ایک کاغذ پر اپنے تمام کوائف وغیرہ لکھ دو مجھے۔ اور ابھی نواب پور یا کچہری چوک جا کر فوٹوگرافر سے تصویریں بنوا آؤ۔ پھر کل صبح جا کر پاسپورٹ آفس سے اپنا پاسپورٹ لے آنا۔''

اس کی بات پر عادل کو حیرت تو ہوئی مگر وہ کوئی سوال کئے بغیر تصویریں بنوانے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

ڈپٹی ڈائریکٹر پاسپورٹ آفس رشید احمد نے ہاتھ میں پکڑی کتاب سے نگاہیں ہٹا کر دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا تو گیارہ بج چکے تھے۔ چنانچہ اس نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور تیز روشنی آف کر کے نائٹ لیمپ جلانے کے بعد بیڈ پر دراز ہو گیا۔ اس کے بیوی بچے دو روز سے فیصل آباد گئے ہوئے تھے۔ بنگلے میں گیٹ پر موجود چوکیدار کے علاوہ صرف دو ملازم تھے جو سرونٹ کوارٹرز میں رہتے تھے۔

وہ چند منٹ تک کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر نیند سے اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ مگر ابھی وہ عالم بیداری سے عالم خواب میں نہ پہنچا تھا کہ اچانک کمرے میں گہری تاریکی پھیل گئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے لیمپ کی طرف دیکھا تو وہ بجھ چکا تھا۔ شاید لوڈ شیڈنگ یا پھر برقی رو میں کسی خرابی کے باعث تعطل ہوا تھا۔ اسے اب سونا ہی تھا۔ اس لیے اس نے پرواہ نہ کی اور دوبارہ آنکھیں بند کرلیں لیکن فوراً ہی اسے آنکھیں کھولنا پڑ گئیں۔ اسے ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا تھا۔ اس نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہ آیا۔ وہ اس کھٹکے کو اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ آنکھیں بند کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک تیز تیز سانسیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ گہری سانسیں دروازے کی طرف سے آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے کروٹ بدلتے ہوئے اس سمت دیکھا اور خوف کی تیز لہر اس کے پورے بدن میں سرایت کر گئی۔ دروازے کے قریب ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی کھڑی مسکرا رہی تھی۔ مگر اس کے جسم پر عام لباس کی بجائے کفن تھا۔ سفید کفن جو اندھیرے میں ریڈیم کی طرح چمک رہا تھا اور اس چمک میں اس کا سراپا پوری طرح روشن تھا۔ کفن سے باہر اس کے بازو کندھوں تک عریاں تھے اور اس کا چہرہ کفن کی طرح سفید تھا۔

خوف سے رشید احمد کی رگوں میں خون جمنے لگا۔ یقیناً وہ زندہ لڑکی نہیں تھی۔ شاید وہ کوئی بدروح تھی جو دروازہ بند ہونے کے باوجود اندر آ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی مگر بے نور لگ رہی تھیں اور ساکت نگاہیں رشید احمد پر مرکوز تھیں۔

''تت......تت......تم......تم کون ہو؟'' وہ خوف سے ہکلایا۔

''بالی!'' اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز خارج ہوئی۔ ''قدیر آباد کے قبرستان سے اٹھ کر آئی ہوں۔''

''کک......کیا؟'' رشید احمد کی دہشت کے مارے گھگی بندھ گئی۔

اس نے جواب میں سر ہلایا اور رشید کا خوف کی شدت سے بدن کانپنے لگا۔ اس نے چوکیدار کو آواز دینے کی کوشش کی مگر دہشت کے سبب اس کا حلق خشک ہو چکا تھا، منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ پھر اس نے بدروح کو اپنی طرف قدم بڑھاتے دیکھا تو بوکھلا گیا۔ اس نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں حرکت کرنے کی طاقت سلب کر لی گئی ہو۔ وہ دہشت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے کفن پوش بدروح کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا اور خوف کی شدت سے اس کا ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔

بدروح اس سے چند فٹ پیچھے رکی اور دونوں بازو اٹھا کر انگڑائی لی۔ اس کے بازو نیچے آئے تو اس کا

چہرہ دیکھ کر رشید احمد کو اپنا سانس رکتا محسوس ہونے لگا۔ اب وہاں نوجوان اور خوبصورت لڑکی کی بجائے خوفناک شکل والی چڑیل کھڑی تھی۔ سیاہ چہرے پر سرخ سرخ اور چمکدار آنکھیں خوفناک انداز میں رشید احمد کو گھور رہی تھیں۔

''سنو رشید احمد۔ میں نے تین راتوں سے خون نہیں پیا اور تمہارے جوان بدن میں اچھا خاصا خون نظر آ رہا ہے۔'' کفن پوش چڑیل کی خوفناک آواز کمرے میں گونجی۔ ''کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمہارے خون سے اپنی پیاس بجھاؤں؟''

''نن......نہیں......نہیں......!'' رشید احمد چیخ پڑا مگر اس کے خشک حلق سے چیخ خارج نہ ہو سکی۔

''تو ٹھیک ہے۔ اس کے بدلے تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے۔ اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہارے خون کا ایک ایک قطرہ تک چاٹ لوں گی۔'' وہ غضبناک لہجے میں بولی۔ ''یہ لو کاغذات۔ کل دوپہر بارہ بجے اس نام کا پاسپورٹ تمہاری میز پر موجود ہونا چاہیے۔''

اس نے اپنے کفن میں سے ایک لفافہ نکال کر رشید احمد کی طرف پھینکا اور دوسرے ہی لمحے غائب ہو گئی۔

☆☆☆

عادل شاستری بابا کی ہدایت پر ضلعی پاسپورٹ آفس پہنچا تو وہاں کافی رش تھا۔ اس نے ایک اہلکار سے ڈپٹی ڈائریکٹر کے کمرے کا پوچھا اور اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہاں ایک ہٹا کٹا چپڑاسی بیٹھا مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

''مجھے ڈپٹی صاحب سے ملنا ہے۔'' عادل نے اسے بتایا۔

چپڑاسی نے اسے گھور کر دیکھا اور اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لے کر بولا۔ ''کیا کام ہے ان سے؟''

''پاسپورٹ لینا ہے اپنا۔'' عادل نے جواب دیا۔

''تو باہر کھڑکی پر جا کر لائن میں لگ جاؤ۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔ ''ادھر یہ کام نہیں ہوتا۔''

''میں جانتا ہوں مگر اس سلسلے میں مجھے انہی سے ملنا ہے۔''

''یار تم بھولے ہو یا مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہو۔'' چپڑاسی نے غصے سے کہا۔ ''ایک بار کہہ دیا کہ ادھر پاسپورٹ نہیں ہوتے۔''

''اچھا۔ مگر پھر بھی میرا ان سے ملنا ضروری ہے۔'' عادل کو بھی غصہ آنے لگا تھا۔

''صاحب مصروف ہیں۔ دو گھنٹے بعد آنا۔'' چپڑاسی نے بے پروائی سے کہا۔

پھر جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ عادل نے اس کی ماچس پر نگاہیں مرکوز کیں اور منہ ہی منہ

میں ایک سحر پڑھ کر غیر محسوس انداز میں چپڑاسی کی طرف پھونک دیا۔ چپڑاسی نے سگریٹ سلگانے کے لئے تیلی جلائی اور جونہی تیلی منہ کی طرف لے گیا۔ تیلی کا شعلہ ایکدم بھڑکا اور اس کی گھنی مونچھیں جل گئیں۔ اس نے بوکھلا کر تیلی پھینکی اور مونچھیں سنبھالنے لگا۔ عادل مسکرانے لگا۔

''مگر تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟'' چپڑاسی نے غضبناک ہو کر کہا۔ ''جاتے ہو یا دھکے دے کر باہر نکال دوں؟''

عادل پلٹ کر برآمدے سے باہر آیا۔ پھر ایک سحر پڑھا اور دوبارہ برآمدے میں آ گیا۔ چپڑاسی اپنی مونچھوں کو ٹٹول رہا تھا۔ عادل قریب آیا اور دروازہ کھولا۔ اس بار چپڑاسی کچھ نہ بولا۔ عادل کے سحر نے اس کی نظر بندی کر دی تھی اور وہ عادل کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ مگر آفس ٹیبل کے پیچھے بیٹھا ڈپٹی ڈائریکٹر رشید احمد خوفزدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چپڑاسی نے جلدی سے ایک ہاتھ مونچھوں پر رکھ لیا۔

''کیا بات ہے۔ پہلے کس نے دروازہ کھولا تھا؟'' رشید احمد نے اس سے پوچھا۔

''پتا نہیں سر۔ میں تو یہ سمجھا کہ آپ نے دروازہ کھولا اور بند کیا تھا۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''نہیں۔ میں تو کافی دیر سے یہیں بیٹھا ہوں۔'' رشید احمد کے لہجے میں خوف سمٹ آیا۔ ''تم کیا سو رہے تھے جو بے خبر ہو؟''

''بالکل نہیں سر۔ میں سو رہا ہوتا تو دروازہ کھلتے کیوں دیکھتا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

عادل دروازے کے نصف سمٹے ہوئے پردے کی آڑ میں خود کو چھپائے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے دروازے کا ایک پٹ بند تھا اور پردہ فرش سے چھو رہا تھا اس لیے سامنے بیٹھا رشید احمد اس کے پاؤں بھی نہ دیکھ سکا تھا جبکہ چپڑاسی دروازے سے دو قدم آگے کھڑا تھا۔

''بکومت۔ کیا آندھی سے دروازہ خود بخود کھلا اور بند ہوا تھا؟'' رشید احمد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں سر۔'' چپڑاسی سر کھجانے لگا۔ ''میری تو اپنی عقل حیران ہے۔ دروازہ ہوا سے کھلنے والا تو نہیں ہے۔''

''ہوں۔ مگر تم نے منہ کے سامنے ہاتھ کیوں رکھا ہے؟'' رشید احمد غور سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''ہاتھ نیچے کرو۔''

''کچھ نہیں سر...... ویسے ہی۔'' چپڑاسی نے سٹپٹا کر ہاتھ نیچے کر لیا۔

''ارے، تم نے اچھی بھلی مونچھیں کٹوا دیں۔ تھوڑی دیر پہلے تو ٹھیک تھیں۔'' اس نے حیرت سے کہا۔

''کاٹی نہیں سر، بس سگریٹ جلانے لگا تھا کہ شعلے سے جل گئیں۔'' وہ شرمندگی سے سر جھکا کر بولا۔

''اوہ!'' رشید احمد چونکا۔ ''اچھا۔ باہر ٹھہرو اور میری اجازت کے بغیر دروازہ نہ کھولنا اور کسی کو اندر مت

آنے دینا۔'' چپڑاسی پلٹا اور اس نے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ رشید احمد کے چہرے پر پھر خوف پھیل گیا۔ اس نے کلاک پر نظر ڈالی تو سوا بارہ بجے تھے۔

''شکر ہے مصیبت ٹل گئی۔'' وہ گہرا سانس لے کر میز پر رکھے پاسپورٹ کو دیکھتا ہوا بولا۔ اس کے چہرے سے خوف زائل ہو گیا اور اس نے پاسپورٹ اٹھا کر میز کی دراز میں رکھ دیا۔ اسی لمحے عادل پردے کے پیچھے سے نمودار ہو کر آگے بڑھا۔ رشید احمد نے اس کی طرف دیکھا اور اچھل پڑا۔

''اوہ...... کون ہو تم...... اندر کیسے آئے ہو؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''میں اپنا پاسپورٹ لینے آیا ہوں جناب۔'' عادل نے آہستہ سے کہا۔

''کک...... کیا؟'' اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔

''لائیے۔ دراز سے نکال دیجئے۔'' عادل نے ہاتھ دراز کیا۔

رشید احمد کا خوف کی شدت سے رنگ کورے لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عادل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے بولنے کی کوشش کی مگر زبان لڑکھڑانے لگی اور حلق خشک ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور اس کی گردن ایک طرف جھک گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ عادل کو اس کی وجہ سمجھ نہ آ سکی۔ بہرحال اس نے آگے بڑھ کر دراز سے پاسپورٹ نکالا۔ کھول کر دیکھا تو اسی کی تصویر اور نام و پتہ درج تھا۔ اس نے پاسپورٹ جیب میں رکھا اور پلٹ کر دروازے کے پاس پردے کی آڑ میں رک گیا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر دروازہ جھٹکے سے کھولتے ہوئے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ فوراً ہی باہر بیٹھا چپراسی اٹھ کر اندر آیا۔ رشید احمد کو دیکھ کر وہ بوکھلا گیا اور تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ اسی لمحے عادل کھلے دروازے سے باہر آ کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

پاسپورٹ آفس سے نکل کر وہ مین روڈ پر پہنچا اور نواب پور جانے والے ایک تانگے میں بیٹھ گیا۔ اسی لمحے ایک بڑھیا بھی تانگے میں سوار ہوئی اور عقبی نشست پر عادل کے برابر میں بیٹھ گئی۔ جبکہ اگلی نشست پر پہلے سے تین آدمی بیٹھے تھے۔

''کہاں جانا ہے مائی......؟'' تانگے والے نے بڑھیا سے پوچھا اور تانگہ آگے بڑھایا۔

''نواب پور جاؤں گی پتر......'' بڑھیا نے بتایا جو ساٹھ ستر سال سے کم معلوم نہ ہوتی تھی۔ ''مگر میرے پاس کرایہ نہیں ہے۔'' عادل کو اس پر بڑا ترس آیا۔ حلئے سے ہی وہ بہت غریب لگ رہی تھی۔

''چل غریبی...... تیرا ہی آسرا۔'' کوچوان نے گھوڑے کو چابک رسید کرتے ہوئے کہا اور مسافر مسکرانے لگے۔ نواب پور پہنچنے پر عادل نے اپنے علاوہ بڑھیا کا کرایہ بھی کوچوان کو دیا۔ بڑھیا نے تانگے سے اترتے ہوئے عادل کو دعا دی۔ اس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔

''پتر، کھوکھروں کا گاؤں کس طرف ہے؟'' اس نے عادل کی کمر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

عادل چونک پڑا۔ کھوکھروں کا گاؤں وہی تھا جہاں وہ گزشتہ روز دیہاتی لڑکی صفیہ کو چھوڑ آیا تھا۔

''ادھر...... جنگل کے پار ہے۔'' اس نے بڑھیا سے کہا۔ ''مگر تم ادھر کیسے جا رہی ہو؟''

''وہاں مجھے اپنے بیٹے کی خیر خیریت معلوم کرنے جانا ہے جو پنڈ کے چودھری کے باغ کا رکھوالا ہے۔'' بڑھیا نے بتایا۔

''میں بھی ادھر جا رہا ہوں۔ آؤ تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔'' عادل نے کہا۔

بڑھیا اس کے ساتھ چل پڑی۔ مگر جنگل تک پہنچتے پہنچتے بری طرح تھک کر بیٹھ گئی۔

''پتر...... میں تھک گئی ہوں۔ اور نہیں چلا جاتا۔'' عادل نے سوچا اس غریب کو یہاں کوئی اور مددگار نہیں ملے گا۔ کیوں نہ وہ نیکی کمائے۔ چنانچہ اس نے بڑھیا کو اپنی پشت پر لاد لیا اور چل پڑا۔ جنگل میں کچھ دور آ کر بڑھیا نے کہا۔ ''پتر۔ مجھے ذرا اتار دو۔ مجھے حاجت محسوس ہو رہی ہے۔''

عادل نے اسے اپنی پشت سے اتارا اور بڑھیا گھنی جھاڑیوں کے پیچھے چلی گئی۔ عادل انتظار کرنے لگا۔ کئی منٹ گزر گئے تو اس نے بڑھیا کو آواز دی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ چند منٹ اور انتظار کرنے کے بعد وہ اسے آوازیں دیتا ہوا جھاڑیوں کی دوسری جانب پہنچا مگر بڑھیا نہ ملی۔ وہ حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ بڑھیا آخر کہاں غائب ہو گئی۔ آخر مایوس ہو کر وہ آگے چل دیا۔ جنگل سے نکل کر مندر کی طرف جاتے ہوئے اس نے یونہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بوکھلا گیا۔ اس کے پہلو کی جیب سے پاسپورٹ غائب تھا۔ شاید کہیں راستے میں یا تانگے میں ہی گر گیا تھا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ دفعتاً اسے بڑھیا کا خیال آیا اور وہ اچھل پڑا۔ یقیناً اسی نے کام دکھایا تھا۔ وہ اس کا پاسپورٹ نکال کر رفع حاجت کے بہانے فرار ہو گئی تھی۔

یہی کچھ سوچتا ہوا وہ مندر پہنچ گیا۔ کالی دیوی کے مجسمے کے سامنے شاستری بابا بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس نے عادل کی طرف دیکھا۔

''بہت دیر لگا کر آئے ہو ملنگ......'' اس نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں...... گڑبڑ ہو گئی؟'' عادل ٹپٹا کر بولا۔

پھر اس نے پاسپورٹ کی گمشدگی کے بارے میں بتایا اور بڑھیا کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ معلوم کریں وہ کون تھی اور......''

''میرے پاس اس سے بھی زیادہ اہم خبر ہے ملنگ......'' شاستری اس کی بات قطع کرتا ہوا بولا۔

''جی...... وہ کیا......؟'' عادل نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''تھوڑی دیر پہلے مجھے خبر ملی ہے کہ سمن کو اغوا کر لیا گیا ہے۔'' شاستری نے بتایا اور عادل بے ساختہ اچھل پڑا۔ سمن کے اغوا کی خبر سن کر اس کا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔ دل پر گھونسہ سا پڑا تھا۔ وہ سمن کی صحبت میں چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہا تھا مگر اس قلیل وقت میں سمن کی من موہنی صورت اس کے دل و دماغ پر نقش ہو گئی تھی اور اس نے لاشعوری طور پر اسے اپنے من مندر کی دیوی بنا کر خیالوں میں ہی اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ گزرے ہوئے دنوں میں وہ سمن کے تصور سے ہی تنہائی کے لمحوں کو آباد کرتا رہا تھا اور آج کل بہت مسرور تھا کہ دو دن بعد وہ سمن کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے والا تھا مگر سمن کو اغوا کر لیا گیا تھا اور اس خبر نے اسے چند لمحوں کے لئے بدحواس کر دیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاستری کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس نے قیامت برپا ہونے کی خبر دی ہو۔ شاستری کا چہرہ بھی تفکرات کی آماجگاہ نظر آ رہا تھا۔

''شاید تمہیں یقین نہیں آ رہا۔'' وہ عادل کو حیرت زدہ دیکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں جانتا ہوں تم سمن کے لئے اپنے دل میں کیا جذبات رکھتے ہو لیکن یہ حقیقت ہے۔ میں نے حسب معمول آج بھی اس کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش کی تھی مگر......''

''اوہ......!'' عادل سنبھل کر بولا۔ ''مگر یہ کیسے ہوا بابا۔ اسے کس نے اغوا کیا ہے؟''

''فی الحال تو ہمارا ایک ہی دشمن ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ اسی ابلیس کی کارستانی ہے۔''

''مگر...... مگر وہ تو یہاں تھا۔ یقیناً اسی نے میرا پاسپورٹ ہتھیانے کے لئے اپنے کسی چیلے کو بڑھیا کے روپ میں بھیجا تھا۔''

''ملنگ...... تم بھول جاتے ہو کہ وہ بے پناہ ماورائی طاقتوں کا مالک ہے۔'' شاستری بولا۔ ''جب میں اپنی طاقتوں سے یہاں بیٹھے بیٹھے تمہارا پاسپورٹ بنوا سکتا ہوں تو اس کے لئے بھی سمن کو اپنے گرگوں کے ذریعے اغوا کرانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''ہوں......!'' عادل غضبناک ہوتا ہوا بولا۔ ''اگر اسی خبیث شنکر لال نے سمن کو اغوا کرایا ہے تو میں ابھی اس کے آشرم جا کر سمن کو......''

''نہیں بالکل نہیں......'' وہ تیزی سے اس کی بات قطع کرتا ہوا بولا۔ ''جلد بازی سے کام نہیں بنے گا اور سمن کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''لیکن بابا۔ وہ نابکار انتہائی شیطان صفت ہے۔ یقیناً وہ سمن کو بھی اپنی ہوس کا شکار بنانے کی کوشش کرے گا اور اگر وہ کامیاب ہو گیا تو میں۔ میں......!''

غم و غصے کی شدت سے اس کا جسم لرز رہا تھا اور وہ بار بار مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ شاستری اس کے غصے

سے لال بھبھوکا چہرے کو دیکھ کر اس کی اندرونی کیفیت سمجھ رہا تھا۔

''دھیرج ملنگ دھیرج......!'' وہ اس کا کندھا تھپکنے لگا۔ ''اپنی عزت کا مجھے تم سے زیادہ احساس ہے۔ سمن میرے جگر کا ٹکڑا ہے لیکن تمہارے آنے سے پہلے میں معلوم کر چکا ہوں کہ سمن شنکر لال کے آشرم میں نہیں ہے ورنہ میں اب تک کوئی قدم اٹھا چکا ہوتا۔''

''اوہ......!'' عادل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''پھر۔ پھر وہ کہاں ہے؟''

''یہ معلوم کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ تم کمرے میں جا کر بیٹھو اور کھانا کھاؤ۔ میں چند منٹ میں آتا ہوں۔''

عادل رہائشی کمرے میں آ گیا۔ وہاں اس کے لئے کھانا موجود تھا مگر اس نے توجہ نہ دی۔ سمن کے اغوا کی خبر نے اسے بھوک کے احساس سے بے نیاز کر دیا تھا اور وہ کمرے میں ٹہلتا ہوا اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ امید رکھنا بھی حماقت تھی کہ شنکر لال سمن کی عزت پامال نہیں کرے گا۔ ہاتھ آئے شکار کو کوئی نہیں چھوڑتا اور سمن تو پھر اس کے دشمن کی بیٹی تھی اور دشمن کا سر جھکانے کے لئے وہ سمن کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

''میں...... میں تمہارا خون پی جاؤں گا شنکر لال۔'' وہ جبڑے بھینچتا ہوا بڑبڑایا۔ ''سمن میری محبت، میری زندگی ہے۔ اس کی عزت میری غیرت ہے اور میں اپنی غیرت پر کوئی حرف آنے سے پہلے ہی تمہارے ناپاک وجود کو فنا کر ڈالوں گا۔''

''دھیرج ملنگ دھیرج۔'' شاستری کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ شاید اس نے عادل کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی۔ عادل نے رکتے ہوئے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ''کیا ہوا بابا؟''

''فی الحال سمن کی عزت محفوظ ہے۔'' وہ فرش پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''میں نے معلوم کر لیا ہے۔''

''اوہ......'' عادل بے تاب ہو گیا۔ ''کیا پتا چلا ہے؟''

''شنکر لال کے گرگے سمن کو تھرپارکر لے گئے ہیں اور اسے ہندوؤں کے ایک گاؤں کے پنڈت گوپال داس کی تحویل میں دیا گیا ہے۔''

''اوہ...... کب؟'' عادل حیرت سے اچھل پڑا۔ ''اتنی جلدی وہ سندھ میں پہنچ گئے؟''

''ہاں شنکر کے لئے یہ مشکل نہیں ہے کہ سینکڑوں میل کا سفر چند لمحوں میں طے ہو جائے۔''

''مگر شنکر نے اسے اغوا کیوں کیا؟ آپ نے تو سمن کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ کیا ہوا؟''

''ظاہر ہے اس نے سمن کے محافظوں پر قابو پا لیا ہوگا۔'' وہ سوچتا ہوا بولا۔

''پنڈت گوپال داس کون ہے۔ شنکر کا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''وہ بھی بڑا رشی ہے۔ شنکر لال سے اس کا پرانا یارانہ ہے۔ وہاں ہنومان جی کا قدیم مندر ہے اور گوپال داس اس مندر کا منتظم ہے۔ شنکر لال جب کبھی ہنومان مندر کی یاترا کو وہاں جاتا ہے تو اسی کے پاس ٹھہرتا ہے اور دونوں مل کر گاؤں کی سندر ناریوں کے ساتھ عیاشی کرتے ہیں۔ اسے ہنومان جی کی آشیرباد حاصل ہے۔ اس لیے اس علاقے میں کسی رشی کو قدم رکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔''

''مگر اب سمن کا کیا ہوگا؟'' عادل نے پریشانی سے کہا۔

''تم فوری طور پر روانہ ہو جاؤ۔'' شاستری بولا۔ ''میں بھی جاپ مکمل ہوتے ہی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ تم وہاں پہنچ کر اس کا کھوج لگاؤ کہ گوپال داس نے اسے کہاں قید کر رکھا ہے؟''

''بہت بہتر...... کیا اس وقت کوئی گاڑی مل جائے گی؟''

''ہاں...... چار بجے ایک ریل جاتی ہے۔ روہڑی پہنچ کر تھرپارکر کی گاڑی پکڑ لینا۔''

شاستری اسے ہدایات دینے اور راستوں کے بارے میں سمجھانے لگا۔

☆☆☆

کراچی جانے والی ریل گاڑی میں اتنا زیادہ رش تھا کہ عادل کو بیٹھنے کے لیے سیٹ نہ مل سکی۔ چونکہ ایمرجنسی میں روانہ ہوا تھا اس لیے ریزرویشن بھی نہ کرا سکا اور اب وہ چند دوسرے مسافروں کے ہمراہ دروازے کے قریب فرش پر بیٹھا سفر کر رہا تھا اور اندر ہی اندر کھول رہا تھا کہ ٹکٹ لینے کے باوجود اسے فرش نشین ہونا پڑا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ وہ ٹکٹ ہی نہ خریدتا۔ تھوڑی دیر بعد ٹکٹ چیکر آ گیا۔ اس نے عادل سے ٹکٹ طلب کیا تو عادل نے رکھائی سے کہہ دیا کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔

''کیوں نہیں ہیں۔ سفر بغیر ٹکٹ کرنے پر جرمانہ دینا پڑے گا۔'' چیکر نے کہا۔

''وہ کیوں؟'' عادل کو غصہ آ گیا۔ ''ٹکٹ ہے میرے پاس۔''

''اچھا تو پھر نکالو۔'' چیکر نے حیران ہوتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ ''لاؤ......''

''ہرگز نہیں...... پہلے مجھے سیٹ دو۔ پھر ٹکٹ دوں گا۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

دوسرے مسافر دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے اور مسکرانے لگے۔ چیکر نے نرمی سے کہا۔ ''میرا کام صرف ٹکٹ چیک کرنا ہے۔ رہی سیٹ تو وہ تمہیں کنڈیکٹر گارڈ ہی دے سکتا ہے۔ کیا تم نے سیٹ بک کروائی تھی؟''

''پتا نہیں۔ ٹکٹ گھر والے نے صرف ٹکٹ دیا تھا۔ میں یہی سمجھا تھا کہ بس کی طرح گاڑی میں بھی سیٹ مل جائے گی۔''

''شاید تم نے پہلے کبھی سفر نہیں کیا۔'' چیکر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''مجھے دکھاؤ ٹکٹ۔''

عادل نے پس وپیش کیا مگر قریب بیٹھے مسافروں کے کہنے پر اس نے ٹکٹ نکال کر چیکر کو دے ہی دیا۔ چیکر نے ٹکٹ چیک کر کے واپس دیتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا ہے۔ فرسٹ کلاس میں شاید کوئی سیٹ خالی مل جائے۔ ابھی گارڈ آئے تو اس سے معلوم کر لینا۔''

چند منٹ بعد کنڈیکٹر گارڈ آ گیا۔ عادل نے اس سے بات کی تو گارڈ نے کہا۔ ''فرسٹ کلاس میں کئی سیٹیں خالی ہیں۔ یہاں سے تیسرے ڈبے میں چلے جاؤ۔ جہاں خالی سیٹ نظر آئے بیٹھ جانا۔''

چنانچہ بہاولپور گاڑی رکی تو وہ فرسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں آ گیا۔ وہاں اسے ایک کوپے میں جگہ مل ہی گئی۔ چھ مسافر پہلے سے موجود تھے۔ ان میں دو خواتین تھیں اور ایک نوجوان لڑکی۔ خواتین اپنے شوہروں کے ہمراہ بیٹھی تھیں جبکہ لڑکی اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ عادل بوڑھے کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کی دوسری جانب لڑکی تھی۔ وہ خاصی خوبصورت اور اسمارٹ تھی۔ جدید فیشن کے لباس میں وہ کافی دلکش لگ رہی تھی۔ بوڑھے نے عادل سے گفتگو شروع کر دی۔ عادل کو معلوم ہوا کہ بوڑھا اپنی بیٹی کے ساتھ کراچی جا رہا ہے جہاں وہ کسی کالج میں پروفیسر تھا۔ عادل نے اسے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ روہڑی سے دوسری گاڑی میں ضلع تھرپارکر جائے گا جہاں اس کا چچا رہتا ہے۔

سامنے بیٹھی خواتین کے ساتھ تین چھوٹے بچے بھی تھے اور ان لوگوں نے صادق آباد جانا تھا۔ عادل کو ان عورتوں میں کوئی رغبت محسوس نہ ہوئی حالانکہ وہ بھی خوبصورت اور جوان العمر تھیں۔ اس کی توجہ کا مرکز نوجوان لڑکی تھی اور تھوڑی دیر میں کئی بار ان کی نگاہوں کا ٹکراؤ ہوا تھا۔ عادل اس میں خاصی کشش محسوس کر رہا تھا۔ بوڑھا پروفیسر باتونی واقع ہوا تھا اور وہ بار بار عادل کو مخاطب کر رہا تھا۔

''بیٹے...... تم کیا کرتے ہو؟'' پروفیسر نے سوال کیا۔

''زمینداری۔ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا ہوں چچا۔ ان سے اچھا گزارہ ہو جاتا ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔ ورنہ آج کل نوکریوں کا کوئی حال نہیں۔ ہزاروں پڑھے لکھے نوجوان نوکری کی تلاش میں دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔'' پھر اس نے گھڑی پر وقت دیکھا اور اپنی بیٹی سے بولا۔ ''رخسانہ۔ نو بج رہے ہیں۔ کھانا کھا لیا جائے۔ کیا خیال ہے؟''

''صادق آباد چل کر کھائیں گے ابو۔ ابھی مجھے بھوک بھی نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

صادق آباد گاڑی پہنچی تو دوسرے مسافر اتر گئے۔ اب وہاں صرف وہ تینوں تھے۔ رخسانہ نے کہا۔ ''ابو یہاں سے پانی لے لیں۔''

''میں لاتا ہوں۔'' عادل نے پیش کش کی۔ ''کچھ اور تو نہیں چاہیے؟''

''نہیں...... کھانا ہمارے پاس ہے۔'' وہ پہلی بار عادل سے گویا ہوئی۔

عادل نے ان کا چھوٹا سا واٹر کولر اٹھایا اور گاڑی سے اتر کر اس میں ٹھنڈا پانی لے آیا۔ رخسانہ اپنی باسکٹ سے کھانے کے برتن نکال رہی تھی۔ اس نے عادل کے سامنے بھی کھانا رکھا۔

''نہیں شکریہ۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔'' عادل نے جلدی سے کہا۔

''تکلف مت کرو بیٹا۔ سفر میں سب چلتا ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔

''کھا لو نا......'' رخسانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی۔

عادل نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں ملنے پر عادل بھی مسکرایا اور وہ شرما کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ کھانے کے بعد رخسانہ نے تھرماس سے چائے نکال کر ان دونوں کو پیش کی۔ اس بار عادل نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تھوڑی دیر بعد پروفیسر نے دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ''لو بھئی۔ مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ تم لوگ باتیں کرو۔''

عادل اس کی سہولت کے لئے سامنے والی نشست پر آ بیٹھا۔ جہاں رخسانہ بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی۔ جلد ہی پروفیسر خراٹے لینے لگا۔ عادل رخسانہ سے اس کی مصروفیات پوچھنے لگا۔ وہ سیکنڈ ایئر میں پڑھ رہی تھی اور باپ کے ساتھ لاہور کسی شادی کی تقریب میں گئی تھی۔ والدہ نہیں تھی۔ گھر میں بھائی اور بھابی تھے۔ بے تکلفی کی فضا پیدا ہوئی تو رخسانہ نے اسے کراچی آنے کی دعوت دے ڈالی۔ عادل اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی محسوس کر رہا تھا۔ مگر اس کے ذہن میں صرف سمن کا سراپا منقش تھا۔ اس نے یہ سوچ کر رخسانہ سے وعدہ کر لیا کہ تھوڑی دیر بعد تو اسے روہڑی میں اس سے جدا ہو ہی جانا ہے۔ اس لیے انکار کر کے رخسانہ کا دل توڑنا مناسب نہیں۔ رخسانہ نے ایک کاغذ پر اسے اپنا ایڈریس لکھ کر دیا اور عادل نے جیب میں محفوظ کر لیا۔

دفعتاً کمپارٹمنٹ میں تاریکی پھیل گئی۔ فوراً ہی رخسانہ کی پریشان سی آواز بلند ہوئی۔ ''اوہ...... یہ کیا ہوا؟ بتی چلی گئی...... شاید کوئی خرابی ہو گئی ہے۔'' وہ بولی۔

''فکر مت کرو۔ میں ہوں نا۔'' عادل نے اسے تسلی دی۔

ٹھیک اسی لمحے کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ عادل اور رخسانہ نے بیک وقت ادھر دیکھا اور ملگجے اندھیرے میں چمکتی دو سرخ سرخ آنکھیں دیکھ کر رخسانہ کے منہ سے دبی دبی چیخ نکل گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے کھسک کر عادل سے لپٹ گئی۔ عادل حیرت سے ان آنکھوں کی طرف دیکھ رہا تھا جو کسی بھیڑیے کی آنکھوں کی طرح خونخوار اور درندگی سے پُر تھیں۔ وہ ہوا میں تیرتی ہوئی اندر آئیں اور دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ رخسانہ عادل سے لپٹی کانپ رہی تھی۔ خوف کی شدت سے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا اور وہ دہشت زدہ نگاہوں سے ان خونخوار آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھی جو دروازے کے پاس فرش

سے چھ فٹ کی بلندی پر معلق تھیں۔ ان کے مالک کا وجود نظر نہ آ رہا تھا۔

"ملنگ......!" دفعتاً ایک غراہٹ آمیز آواز سنائی دی۔ "تم جہاں جانا چاہتے ہو، وہاں جانے کی بجائے تم دوسری گاڑی سے واپس چلے جاؤ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

عادل سارا معاملہ سمجھ چکا تھا۔ وہ سخت لہجے میں بولا۔ "نہیں۔ میں واپس جانے کے لئے ادھر نہیں آیا۔ کیا تمہیں شنکر نے بھیجا ہے؟"

"ہاں۔ اس کا حکم ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔" آواز سنائی دی۔

"تت...... تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟" رخسانہ ہکلائی۔ "یہ...... یہ آنکھیں کس کی ہیں؟"

"احمق نوجوان۔" غضبناک آواز ابھری۔ "تم شنکر لال کی طاقت سے بخوبی واقف ہو۔ اگر وہ چاہے تو تم زندگی بھر اپنی منزل تک نہ پہنچ پاؤ۔ اس کے ایک اشارے پر اس ریل کو فنا کیا جا سکتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو نہ مرواؤ۔"

عادل نے جواب دینے کی بجائے تیزی سے زیر لب ایک منتر پڑھا اور ان خوفناک آنکھوں کی طرف پھونک دیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک کڑاکا ہوا اور ایک لمحے کے لئے یوں محسوس ہوا جیسے وہاں بیک وقت بیسیوں سورج طلوع ہو گئے ہوں۔ رخسانہ کے حلق سے بے اختیار دہشت زدہ سی چیخ خارج ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے کسی چیز کے فرش پر گرنے کا دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ کمپارٹمنٹ کی بتیاں جل اٹھیں۔ رخسانہ نے فرش پر نظر ڈالی اور خوف کی شدت سے اس کا سانس رکنے لگا۔ فرش پر ایک انسانی کھوپڑی پڑی تھی۔

عادل نے اٹھتے ہوئے رخسانہ کو خود سے جدا کیا اور کھوپڑی اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دی۔

"یہ...... یہ کیا تھا عادل......؟" وہ اٹھ کر دوبارہ عادل سے لپٹتی ہوئی ہکلائی۔

"کچھ نہیں......" عادل نے اس کی پشت ہاتھ سے تھپتھپائی۔ "میرا ایک دشمن نہیں چاہتا کہ میں تھرپارکر جاؤں۔"

وہ خاموش ہوا ہی تھا کہ دروازے کے پاس ایک انسانی ڈھانچہ نمودار ہوا اور رخسانہ کی دہشت سے چیخ نکل گئی۔ اس کا چہرہ خوف کی شدت سے تاریک پڑ گیا تھا اور وہ فرش پر پڑی سردی لگے مریض کی طرح کانپ رہی تھی۔ اس ڈھانچے کی ہڈیاں اندھیرے میں چمک رہی تھیں اور پورے بدن پر صرف آنکھیں زندہ تھیں جو بلی کی آنکھوں کی طرح دہک رہی تھیں۔ منہ کا دہانہ کھلا ہوا تھا اور صرف چار دانت سلامت تھے جو ایک انچ لمبے اور نوکیلے تھے۔ اندر آ کر وہ دروازے کے پاس ہی رک گیا اور خوفناک آنکھوں سے عادل کی طرف دیکھنے لگا جو منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا تھا۔ عادل کو حیرت تھی کہ رخسانہ کی چیخوں کے

باوجود پروفیسر کی ابھی تک آنکھ نہیں کھلی تھی اور وہ بدستور خراٹے نشر کر رہا تھا۔

"ملنگ کوئی فائدہ نہیں......" ڈھانچے کے منہ سے غیر انسانی آواز خارج ہوئی۔ "کوئی منتر تمہیں محفوظ نہیں رکھ سکتا۔"

دوسرے ہی لمحے ڈھانچے کے دونوں بازو بلند ہو کر پھیل گئے اور وہ عادل کی طرف بڑھنے لگا۔

"بچاؤ...... بچاؤ......!" رخسانہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

اسی وقت عادل نے ڈھانچے کی طرف منتر پھونک دیا۔ نتیجے میں ڈھانچا یوں جھٹکے سے رکا جیسے کسی ان دیکھی قوت نے اسے زبردستی روکا ہو۔ مگر پھر اس کے جبڑوں میں حرکت ہوئی اور منہ کے دہانے سے قہقہہ خارج ہوا۔

"فضول ہے بے وقوف آدمی۔ تم نے سطوت چند کی کھوپڑی کو فنا کر کے اپنی موت کو یقینی بنا لیا ہے۔ تمہارا کوئی ٹوٹکا مجھ پر اثر نہیں کر سکتا۔ میں تم دونوں کو نشٹ کر دوں گا۔"

پھر وہ دوبارہ پیش قدمی کرنے لگا۔ اس کی خوفناک آنکھیں عادل پر مرکوز تھیں۔ عادل نے پھرتی سے جھک کر رخسانہ کو اٹھایا اور سیٹ پر ڈالتا ہوا بولا۔ "گھبراؤ نہیں رخسانہ۔ یہ شیطان کا چیلا تمہیں چھو بھی نہیں سکے گا۔"

دوسرے ہی لمحے اس نے ڈھانچے کی طرف پھونک ماری۔ اس کے منہ سے آگ کا ایک بھڑکتا ہوا شعلہ خارج ہو کر ڈھانچے سے ٹکرایا...... مگر ڈھانچے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اپنا حربہ ناکام ہوتے دیکھ کر عادل شپٹایا اور پھر آخری کوشش کرنے لگا۔

"ہاہاہا...... دیکھ لیا...... میں کتنا ناقابل شکست ہوں۔ احمق ملنگ۔" ڈھانچے کا قہقہہ گونجا۔

عادل نے کچھ کہنے کی بجائے نیا حربہ آزمایا اور اس کی طرف ہاتھ دراز کر دیا۔ اس کی انگلیوں سے کڑکتی بجلی جیسی تمتماتی لہریں نکل کر ڈھانچے سے ٹکرائیں اور فوراً ہی وہ کربناک چیخیں خارج کرتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی روشن ہڈیاں جل کر سیاہ ہو گئیں جن سے گہرا کثیف دھواں اٹھ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ دھوئیں میں پوشیدہ ہو گیا۔ عادل نے پلٹ کر کھڑکی کا شٹر اٹھا دیا اور دھواں کمپارٹمنٹ سے باہر نکلنے لگا۔

چند لمحوں بعد دھواں ختم ہوا تو فرش پر ڈھانچے کا نام و نشان تک نہ تھا۔

اس نے اطمینان کا گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کھڑکی بند کی اور پلٹ کر رخسانہ کی طرف دیکھا۔ وہ سیٹ پر ساکت پڑی تھی۔ شاید خوف سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ عادل اس کے قریب آیا اور اس کے کندھے پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا۔ مگر دوسرے ہی لمحے کوئی چیز اس کے گلے میں لپٹ گئی اور وہ بوکھلا کر اپنے گلے کو ٹٹولنے لگا۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے گلے میں رسی کا پھندا ہے جو نظر آ رہا

تھا نہ چھونے سے محسوس ہو رہا تھا۔ لحہ بہ لحہ وہ غیبی پھندا تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ یقیناً اس پر تیسرا وار کیا گیا تھا۔
وہ اس کا توڑ کرنے ہی لگا تھا کہ کسی غیبی قوت نے پھندے کو کھینچا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل فرش پر آ رہا۔ گرتے ہی چند غیبی ہاتھوں نے اسے جکڑ لیا اور اس کے سر میں ضرب لگائی گئی۔ اگلے ہی لمحے اس کے ہوش و حواس رخصت ہو گئے۔

نہ جانے وہ کتنی دیر بے ہوش رہا لیکن ہوش میں آنے پر اسے پہلا احساس یہ ہوا کہ ٹرین کا فرش ساکت تھا۔ شاید گاڑی رکی ہوئی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو چاروں سمت تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس نے لیٹے لیٹے دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلا کر ارد گرد کسی چیز کی موجودگی محسوس کرنا چاہی تو اس کا داہنا ہاتھ کسی نرم چیز سے ٹکرایا۔ اس نے اسے ٹٹولا اور چونک پڑا۔ وہ کسی کا نسوانی وجود تھا جو سانسوں کے ساتھ اوپر نیچے حرکت کر رہا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں فرش کو پڑے نسوانی جسم کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ چند لمحوں میں اس کی آنکھیں اندھیرے میں سے کچھ مانوس ہوئیں اور اس نسوانی وجود کے ہلکے ہلکے نقوش دکھائی دینے لگے۔ دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے طویل سانس خارج ہوئی۔ وہ رخسانہ کا جسم تھا جو اس کے پہلو میں چند انچ کے فاصلے پر پڑی تھی اور بے ہوش معلوم ہوتی تھی۔ پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور حیرت سے اچھل پڑا۔ فرش ساکت محسوس کر کے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ٹرین رکی ہوئی ہے اس لیے فرش میں لرزش نہیں لیکن اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا وہ ٹرین کے فرش پر نہیں بلکہ کسی پتھریلے فرش پر موجود تھا جو قدرے ناہموار اور ٹھنڈا تھا۔

وہ حیران ہوتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کا سر کسی چیز سے چھونے لگا۔ اس نے ہاتھ بلند کر کے اسے ٹٹولا اور چکرا کر رہ گیا۔ سر پر پتھریلی چھت تھی۔ پھر جلد ہی پتا چل گیا کہ وہ کسی غار یا سرنگ میں موجود تھا جو تقریباً چھ فٹ کشادہ تھی۔ اس میں ایک طرف گہری تاریکی اور دوسری جانب دہانہ تھا جس کے باہر ستاروں کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور ماچس ہاتھ آ گئی۔ اس نے تیلی جلائی اور اس جگہ کا جائزہ لیا۔ غار کا دہانہ تقریباً دس قدم کے فاصلے پر تھا جبکہ دوسری سمت میں تا حد نگاہ غار لمبا تھا۔ اس نے رخسانہ کو ہاتھوں پر اٹھایا اور دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ دہانے سے باہر آ کر اس نے رخسانہ کو پتھریلی زمین پر لٹایا اور ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ چاروں طرف اونچی نیچی چٹانوں کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ یقیناً شنکر لال کے گرگوں نے ان دونوں کو اس پہاڑی غار میں لا ڈالا تھا۔ اس نے اپنی کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ریڈیم پالش سوئیاں صبح کے ساڑھے چار بجا رہی تھیں۔

وہ رخسانہ کے پاس بیٹھ کر سوچنے لگا۔ شنکر لال نے اسے تھر پار کر جانے سے روکنے کے لیے اپنی طاقت سے اغوا کر کے اس نامعلوم پہاڑی علاقے میں پہنچا دیا تھا۔ رخسانہ کی وہاں موجودگی سے ظاہر ہو

رہا تھا کہ اسے محض اس لیے اغوا کیا گیا تھا کہ وہ ٹرین میں پیش آنے والے واقعات سے کسی کو مطلع نہ کر سکے۔ اس واقعہ نے ثابت کر دیا تھا کہ شنکر لال بے پناہ شکتی کا مالک تھا اور اس کے مقابلے میں وہ ابھی طفل مکتب ہی تھا۔ یقیناً شاستری بابا اس کی حالت سے بے خبر تھا ورنہ شاید اس کی مدد کو پہنچ جاتا۔
دفعتاً رخسانہ نے کراہتے ہوئے کروٹ لی اور عادل اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ رخسانہ کو ہوش آ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ کر وہ چونکی۔ پھر سر گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا تو تیزی سے اٹھ بیٹھی۔
''اوہ...... میں کہاں ہوں...... یہ کون سی جگہ ہے...... ابو کہاں ہیں؟'' وہ بوکھلا گئی۔
''پوری طرح بیدار ہو جاؤ پھر بتاتا ہوں۔'' عادل نے اس کا نرم گداز ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے آہستہ سے کہا...... اور پھر جب اس نے رخسانہ کو سچویشن سے آگاہ کیا تو وہ رونے لگی۔ ''نہ جانے ابو پر کیا گزری ہو گی۔''
''یقیناً وہ خیریت سے ہوں گے۔ اطمینان رکھو۔'' عادل نے اسے تسلی دی۔
''تمہیں کیا پتا؟ تم تو یہاں ہو۔'' وہ سسکتی ہوئی بولی۔ ''آخر یہ چکر کیا ہے؟ تم کون ہو؟''
''مجھ پر شک مت کرو۔'' عادل نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ ''پروفیسر صاحب چونکہ سو رہے تھے اور اس واقعہ کے گواہ نہیں بن سکتے اس لیے انہیں اغوا نہیں کیا گیا اور تمہیں بھی محض اس لیے یہاں میرے ساتھ پہنچایا گیا ہے کہ تم کسی کو اس بارے میں کچھ بتا نہ سکو۔ بہر حال اجالا ہونے دو۔ پھر اندازہ ہو سکے گا کہ ہم کہاں ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''
رخسانہ کچھ نہ بولی اور سسکتی رہی۔ عادل کو افسوس ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے رخسانہ بھی مصیبت میں پھنس گئی۔ نہ جانے اس کے باپ نے ان دونوں کی گمشدگی کے بارے میں کیا سوچا ہو گا اور پولیس کو کیا بتایا ہو گا۔
''آخر تم بتاتے کیوں نہیں کہ تمہارا دشمن کون ہے اور اس نے ہمیں اس پہاڑی علاقے میں کیوں لا پھینکا؟'' چند لمحوں بعد رخسانہ نے پوچھا۔
عادل اسے بتانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اسے مطمئن کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے شاستری بابا سے پہلی ملاقات اور اب تک کے حالات مختصراً بیان کر دیئے۔ البتہ سمن سے اپنی والہانہ محبت کا ذکر گول کر گیا۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ رخسانہ اسے پسند کرنے لگی تھی اور سمن کی محبت کے حوالے سے وہ اس کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں صبح تک باتیں کرتے رہے۔ اجالا پھیلا تو عادل کھڑا ہو گیا اور رخسانہ کا ہاتھ تھام کر کسی آبادی کی تلاش میں ایک طرف چل دیا۔

بنجر اور ویران پہاڑوں میں گھومتے ہوئے وہ دوپہر کے وقت ایک پہاڑی بستی میں جا پہنچے۔ وہاں سے پتہ چلا کہ یہ جگہ کوئٹہ سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر شمال مشرق میں تھی۔ کوئٹہ جانے والی سڑک بستی سے تقریباً تین فرلانگ دور تھی۔ بستی والوں نے ان سے اچھا سلوک کیا اور انہیں کھانا کھلایا۔ اپنے بارے میں عادل نے انہیں ایک فرضی کہانی سنا کر مطمئن کر دیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ رخسانہ کے ہمراہ ایک مقامی شخص کی رہنمائی میں سڑک پر پہنچا۔ وہاں سے جلد ہی انہیں کوئٹہ جانے والی لاری مل گئی۔ کوئٹہ پہنچ کر عادل نے ریلوے اسٹیشن کا رخ کیا۔ رات کے دس بجے وہ ٹرین سے روہڑی پہنچے۔ وہاں عادل نے رخسانہ کو کراچی جانے والی ٹرین میں بٹھایا اور وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی کراچی آئے گا۔ رخسانہ نے ساتھ چلنے کے لیے بہت اصرار کیا تھا لیکن عادل نے اسے کسی نہ کسی طرح ٹال ہی دیا۔

اور اب وہ اسٹیشن پر بیٹھا تھرپارکر جانے والی ٹرین کا انتظار کرتا ہوا شنکر لال کے بارے میں سوچ رہا تھا شاید وہ ان دونوں کو کوئٹہ کے نواحی پہاڑوں میں پھنکوا کر مطمئن ہو گیا تھا کہ عادل دوبارہ سمن کے سلسلے میں تھرپارکر جانے کی بات نہیں کرے گا یا پھر اس نے دانستہ ان کی طرف سے غفلت اختیار کر لی تھی ورنہ شاید وہ ان دونوں کو کوئٹہ سے واپس ہی نہ آنے دیتا۔ بہر حال عادل کا ذہن کھول رہا تھا اور وہ شنکر لال کو اس کی خباثت کا مزہ چکھانے کے لئے بے قرار تھا لیکن اس کی پہلی ترجیح سمن تھی۔ وہ سمن کو شنکر لال کے دوست پنڈت گوپال داس کے شکنجے سے نکالنا چاہتا تھا۔

شاستری بابا کی طرف سے ابھی تک کوئی رابطہ نہیں کیا گیا تھا۔ یا تو وہ عادل کے حالات سے بے خبر تھا یا پھر اپنا چلہ پورا کرنے کے بعد اس کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا۔ عادل کے حساب سے اس کے جاپ کی یہ آخری رات تھی اور اسے توقع تھی کہ اگلے روز شاستری اس سے ضرور رابطہ قائم کرے گا۔ وہ پلیٹ فارم کے ایک بنچ پر دراز ہو کر سوچتا رہا کہ کیا وہ رخسانہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر سکے گا۔

سمن اور رخسانہ کے تصورات میں تیزی سے وقت گزر گیا۔ تھرپارکر جانے والی ٹرین آئی تو وہ اس میں سوار ہو گیا۔ اس گاڑی میں رش نہیں تھا اس لیے سیٹ مل گئی۔ صبح وہ تھرپارکر پہنچا اور ناشتا کرنے کے بعد لاری میں بیٹھ کر پنڈت گوپال داس کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ تپتی دوپہر میں وہ گاؤں کے بس اسٹاپ پر اترا۔ وہاں چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ اس نے ہوٹل سے کھانا کھایا پھر ہوٹل کے عقب میں واقع اس کچی سڑک پر آ گیا جو گاؤں تک جاتی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنے درختوں کے سلسلے تھے اس لیے اسے پیدل چلنا دشوار نہ ہوا۔ گاؤں وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھا اور سنسان راستے پر وہ آگے بڑھتا ہوا اپنی حفاظت کے لئے ایک سحر پڑھتا جا رہا تھا۔

تقریباً نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رکا اور تھوڑی دیر ستانے کے لیے راستے کے کنارے

ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ مگر تھکاوٹ کے باعث اس پر غنودگی سی چھانے لگی تھی۔ اسی لمحے مین روڈ کی طرف سے ایک گھڑسوار آتا دکھائی دیا۔ وہ کوئی ادھیڑ عمر دیہاتی شخص تھا اور حلیے سے زمیندار معلوم ہوتا تھا۔ عادل کے قریب آ کر وہ رک گیا۔

"تم کون ہو جوان...... ادھر کے تو معلوم نہیں ہوتے۔" گھڑسوار نے غور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ میں میرپور خاص سے آیا ہوں۔" عادل نے جواب دیا۔ "گاؤں جا رہا ہوں۔"

"اوہ۔ کس کے پاس؟" اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"گاؤں کے زمیندار پنڈت گوپال داس کے پاس نوکری کرنی ہے۔ میں باغبانی کا کام جانتا ہوں۔"

"مگر وہ تو ہندو ہے اور صرف ہندوؤں کو نوکر رکھتا ہے تم مسلمان معلوم ہوتے ہو۔ میرے پاس کام کرو گے۔ میرا کافی بڑا باغ ہے۔"

"بالکل کروں گا جناب۔ آپ ادھر ہی رہتے ہیں؟" عادل نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... میرا نام سجاول خان ہے اور میرے پاس چھ مربعے ہیں۔ آؤ میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

عادل کسی پس و پیش کے بغیر اس کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ وہ اس بہانے گاؤں میں جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ دوسری صورت میں گاؤں پہنچ کر اسے اجنبی سمجھ کر اس پر شک کیا جاتا اور گوپال داس تک بات جا پہنچتی اور وہ نہ صرف ہوشیار ہو جاتا بلکہ اس کے خلاف فوراً ہی کوئی قدم اٹھانے کی کوشش کرتا۔

راستے میں سجاول خان کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ یتیم ہے اور میرپور میں اپنی بیوہ ماں اور بہن کے ساتھ رہتا ہے۔ گاؤں کی آبادی سے باہر ہی سجاول خان نے گھوڑے کا رخ موڑ لیا۔ چند منٹ بعد وہ آبادی سے تقریباً ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر واقع وسیع و عریض باغ میں پہنچ گئے۔ باغ میں کئی اقسام کے پھل دار درخت تھے۔ باغ کے وسط میں ایک مکان تھا۔ وہ سجاول خان کا ڈیرا تھا۔ کچے پکے دو کمرے تھے جن کے باہر چارپائیاں بچھی تھیں۔ وہاں ایک ملازم موجود تھا۔ عمر میں وہ عادل سے چار پانچ برس بڑا تھا۔ سجاول خان اور عادل گھوڑے سے اترے۔ ملازم نے سجاول خان کو سلام کیا۔

"بخشو...... یہ چھوکرا یہاں رہے گا۔ میں نے اسے باغ کے لئے رکھا ہے۔" سجاول خان نے ملازم سے کہا۔ "اسے کام سمجھا دینا۔"

"بہتر بہتر خان سائیں۔" ملازم نے سر ہلا کر کہا جس کا نام بخشو تھا۔

"چھوکرا نیا نیا ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔" سجاول خان نے اسے تاکید کی۔ "تھکا ہوا ہے۔ اس کے کھانے پینے کا بندوبست کر دینا۔"

پھر وہ رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد بخشو نے عادل کو چارپائی پر اپنے پاس بٹھا لیا اور اس کا انٹرویو لینے لگا۔ عادل نے اسے وہی کچھ بتایا جو سجاول خان کو بتا چکا تھا۔ پھر وہ بخشو سے معلومات حاصل کرنے لگا۔ معلوم یہ ہوا کہ گاؤں کا سب سے بڑا زمیندار پنڈت گوپال داس تھا۔ گاؤں میں زیادہ گھر بھی ہندوؤں کے تھے۔ اس لیے گاؤں کی سرداری اور نمبرداری بھی پنڈت گوپال ہی کے پاس تھی۔ گاؤں میں اس کی کافی بڑی حویلی تھی جبکہ اس کا ڈیرا گاؤں کے باہر تھا۔ وہاں اس کے تین چار نوکر رہتے تھے۔ ڈیرا کافی وسیع تھا اور پنچایت وہیں لگتی تھی۔ یہ ڈیرہ گاؤں سے دو فرلانگ اور مندر کو جانے والے راستے میں تھا۔ گوپال داس کی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ صرف ایک بیٹی تھی جو شہر کے کالج میں پڑھتی تھی۔

سجاول خان کے بارے میں بخشو نے بتایا کہ پنڈت گوپال داس کے بعد سب سے بڑا زمیندار وہی تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی سے دو بیٹیاں تھیں جن میں سے بڑی کراچی میں ڈاکٹر بن رہی تھی۔ دوسری نے حال ہی میں میٹرک کا امتحان دیا تھا اور دو مہینے بعد کالج میں پڑھنے کے لیے کراچی جانے والی تھی۔ دوسری بیوی سے تین بیٹے تھے جو ابھی ہائی اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ گوپال داس اور سجاول خان کے آپس میں اچھے تعلقات تھے لیکن سجاول خان اس کی عیاشانہ فطرت کو پسند نہیں کرتا تھا اور گوپال کی محفلوں میں کبھی شریک نہ ہوتا تھا۔ البتہ گاؤں کے معاملات میں وہ اس سے اتفاق کرتا تھا۔

"یہ محفل کیسی ہوتی ہے بخشو سائیں؟" عادل نے اسے مزید کریدا۔

"ارے بابا۔ تم شہری ہو کر بھی اتنا نہیں سمجھتے۔" بخشو ہنس پڑا۔ "اس کے ڈیرے پر روزانہ شراب اور عورتوں سے دل بہلایا جاتا ہے۔ برابر کے گاؤں کے ہندو زمیندار بھی اکثر راتیں اسی کے ڈیرے پر گزارتے ہیں۔"

"تو کیا گاؤں والوں کو اس کی عیاشی کا علم نہیں؟"

"ہے کیوں نہیں۔ مگر پھر بھی وہ اس سے راضی ہیں کہ وہ ان کی ہمدردی کرتا ہے اور اپنے ہاریوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا۔ کبھی کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور لگان وغیرہ میں بھی ان سے رعایت کرتا ہے لیکن ۔۔۔ ہے بہت خطرناک آدمی۔ غلطی کرنے والے کو معاف نہیں کرتا اور چند دن کے لیے حقہ پانی بند کر دیتا ہے۔ ارے بابا۔ تم نے کچھ کھایا پیا تو ہے نہیں۔ ٹھہرو میں کچھ لاتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر بستی کی طرف چلا گیا اور عادل چارپائی پر دراز ہو کر سوچنے لگا کہ سمن کے بارے میں معلومات کہاں سے حاصل کرے۔ وہ وہاں نوکری کرنے نہیں آیا تھا اور آج ہی اپنے مقصد کے حصول کے لئے کوشش کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اسے رات کا انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆

ذہن بیدار ہوا اور دماغ پر چھائی تاریکی چھٹ گئی تو خود کو ایک اجنبی ماحول میں محسوس کر کے وہ بے اختیار اٹھ بیٹھی۔ وہ ایک نیم روشن اور تنگ سا کمرہ تھا جس کے بوسیدہ در و دیوار سے اس کی قدامت ہویدا تھی۔ کمرے میں کوئی روشندان یا کھڑکی نہیں تھی اور اس کا واحد چوبی دروازہ بھی بند نظر آ رہا تھا اس کے باوجود وہاں گھٹن کا احساس نہ تھا۔ وہ ذہن پر زور دینے اور یادداشت کریدنے لگی۔ جلد ہی اسے اپنی بے ہوشی کے واقعات یاد آ گئے۔ اس وقت صبح کے نو بجے تھے جب اطلاعی گھنٹی بجی تھی۔ بوڑھا ملازم لالو ڈرائنگ روم میں اس کے سامنے سے ناشتے کے برتن اٹھا رہا تھا۔ گھنٹی سن کر وہ باہر گیا اور واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ حلیئے وہ کوئی سادھو لگتا تھا مگر سمن کے لئے وہ یکسر اجنبی تھا۔ اس نے سمن کو نمستے کیا۔ جواباً سمن نے بھی اسے سلام کیا۔

"پتری ۔۔۔۔۔۔ یہ سوامی شیام کمار ہیں۔" لالو نے سمن کو بتایا۔ "انہیں شاستری مہاراج نے تمہاری رکھشا کے لئے بھیجا ہے۔"

"اوہ ۔۔۔۔۔۔ میری حفاظت کے لیے تو بابا نے پہلے ہی انتظام کیا ہوا ہے۔" سمن چونکی۔

"مگر وہ کافی نہیں پتری ۔۔۔۔۔۔" سوامی شیام کمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شنکر لال بڑا راکشس ہے۔ اس اپرادھی نے گرو مہاراج کے جاپ سے گھبرا کر اوچھی حرکتیں شروع کر دی ہیں۔ اس نے کئی بار گرو مہاراج کے جاپ منڈل کو توڑنے کی ناکام کوشش کی ہے تاکہ وہ کالی ماتا سے شکتی حاصل کر کے اس کے اتیاچار کا اپائے نہ کر سکے۔ اپنی ان کوششوں میں وہ ملیچھ اگرچہ ناکام رہا ہے لیکن کالی ماتا نے گرو مہاراج شاستری کو سماچار دے دی ہے کہ آئندہ اس اپرادھی کا نشانہ گرو مہاراج کی بیٹی ہو گی۔"

"اوہ ۔۔۔۔۔۔ کیا واقعی ۔۔۔۔۔۔!" سمن پریشان ہو کر صوفے سے کھڑی ہو گئی۔

"بالکل ۔۔۔۔۔۔ اس لیے گرو مہاراج کی آتما رات سے تمہارے لیے بے قرار تھی اور اس نے مجھے تمہاری رکھشا کے لیے یہاں بھیج دیا۔"

"ٹھیک ہے سوامی مہاراج۔ آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے ناشتہ بھجواتی ہوں۔"

"مجھے طلب نہیں ہے پتری۔" سوامی نے جلدی سے کہا۔ "اور تم اب کہیں مت جاؤ۔ میرے قریب رہو۔ وہ راکشس کسی وقت بھی اس گھر پر حملہ کر سکتا ہے۔"

سمن نے لالو کو باہر بھیج دیا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ سوامی شیام کمار نے اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر زیرِ لب کوئی جاپ شروع کر دیا تھا۔ سمن ذہنی طور پر پریشان ہو گئی تھی اور اسے اپنے باپ کے ساتھ ساتھ عادل کی فکر بھی پڑ گئی تھی۔ وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی کہ شیام کمار نے عادل کے بارے میں کیوں نہیں بتایا کہ وہ کس حال میں ہے اور شنکر لال کے حربوں سے اسے کوئی نقصان پہنچایا نہیں؟ کیوں نہ وہ خود اس سے

عادل کی خیریت دریافت کرے۔ ابھی اس نے یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک اسے اپنی پیشانی میں چبھن سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ سے پیشانی مسلتے ہوئے سوامی شیام کمار کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے خوف کی تیز لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کرتی چلی گئی۔

سوامی شیام کمار کا چہرہ کسی جنگلی ریچھ کے چہرے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ گردن اور سر کے سیاہ بال اگے ہوئے تھے اور تھوتھنی سے رال ٹپک رہی تھی۔ وہ سر سے گردن تک ریچھ نظر آ رہا تھا اور اس کی خوفناک آنکھیں سمن کے چہرے پر گڑی تھیں۔ سمن کے حلق سے بے ساختہ گھٹی گھٹی سی چیخ خارج ہوئی اور وہ تیزی سے کھڑی ہو گئی مگر اسی لمحے ریچھ کے چہرے والے شیام کمار نے اس پر چھلانگ لگائی اور اسے دبوچ لیا۔ سمن دہشت سے چیخی مگر اس سے پہلے شیام کمار کا مضبوط ہاتھ اس کی گردن پر جم چکا تھا۔ سمن کی چیخ حلق میں گھٹ گئی اور اس پر بے ہوشی طاری ہوتی چلی گئی۔ پھر اسے اب ہوش آیا تھا۔

گزرا ہوا واقعہ یاد آتے ہی وہ خوفزدہ ہو گئی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ دروازہ پیٹنے لگی۔ چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھل گیا مگر کھولنے والے کو دیکھتے ہی وہ دہشت زدہ ہو کر تیزی سے پیچھے ہٹتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔ وہ ریچھ کے چہرے والا شیام کمار تھا اور اس کی تھوتھنی سے رال ٹپک رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے درندگی آمیز لہجے میں پوچھا۔

''یہ...... یہ کون سی جگہ ہے۔ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' سمن خوف سے ہکلائی۔

''تم اس وقت اپنے شہر سے سینکڑوں میل دور ہو ناری...... اور یہ سون گھاٹ ہے۔'' شیام داس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے جھٹکے سے دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

بخشو رات کا کھانا بھی سجاول خان کی حویلی سے لایا تھا۔ اندھیرا چھانے سے پہلے وہ عادل کو باغ کے علاوہ باغ کے باہر بھی گھماتا رہا تھا۔ اس دوران اس نے بستی میں پنڈت گوپال داس اور سجاول خان کے گھروں کی بھی نشاندہی کی تھی۔ باغ میں اندھیرا پھیل گیا اور وہ دونوں چارپائیوں پر لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔ بخشو کافی باتونی ثابت ہوا تھا۔ اس کا عادل کو فائدہ ہوا اور اس نے باتوں باتوں میں بہت سی ضروری اور کام کی باتیں معلوم کر لی تھیں۔ قریبی درخت کے ساتھ روشن لالٹین لٹک رہی تھی۔ اس کے علاوہ بخشو کے سرہانے چار سیل والی بڑی ٹارچ بھی پڑی تھی۔ عادل بخشو کے سو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن وہ ابھی حقے کے کش لگا رہا تھا۔

تقریباً نو بجے اس نے حقے کی جان چھوڑی اور عادل سے بولا۔ ''اچھا عادل بابا۔ مجھے تو نیند آ رہی

ہے۔ تم رات کو دو تین بار باغ کا چکر لگا لینا۔''

''کیا چوری کا خطرہ ہے؟'' عادل نے حیرت سے پوچھا۔

''چوری کا تو کوئی ڈر نہیں پر ادھر قریبی جنگل سے کبھی کبھی سور آ جاتے ہیں اور چھوٹے پودوں کو تباہ کر جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں خیال رکھوں گا بخشو خان، تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔''

''ہاں...... آج تو میں بے فکری سے سوؤں گا۔ پہلے تو میں اکیلا تھا اور مجھے دھیان رکھنا پڑتا تھا۔'' بخشو نے ہنس کر کہا۔

پندرہ بیس منٹ میں بخشو کے خراٹے سنائی دینے لگے تو عادل مطمئن ہو کر اٹھ بیٹھا۔ بخشو گہری نیند میں تھا۔ عادل چارپائی سے اٹھ کر دبے پاؤں باغ سے باہر کو چل دیا۔ باہر ستاروں کی مدھم روشنی میں بستی کے مکانوں کے ہیولے نظر آ رہے تھے۔ بجلی صرف پنڈت گوپال داس اور سجاول خان کے گھروں میں تھی مگر ان کے باہر روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ عادل کا پروگرام گوپال داس کے گھر کی تلاشی لینے کا تھا۔ سمن اسی کے گھر میں ہو سکتی تھی۔ اس وقت گوپال داس اپنے ڈیرے پر تھا اس لیے وہ اطمینان سے اس کی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

گوپال داس کی حویلی بستی کے دوسرے سرے پر واقع تھی۔ اس کے آس پاس مکانوں کی بجائے چند درخت تھے۔ وہ بستی کے قریب پہنچا اور پھر بستی میں داخل ہونے کی بجائے باہر ہی باہر سے گوپال داس کی حویلی کے قریب پہنچ گیا۔ یہ کافی بڑا پختہ مکان تھا جس کا صحن بستی کی جانب تھا۔ عادل عمارت کے عقب میں واقع درختوں کے پاس کھڑے ہو کر جائزہ لینے لگا۔ عمارت میں عقب کی جانب ایک دروازہ تھا جس کے دائیں بائیں چار کھڑکیاں چار کمروں کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ ان کھڑکیوں کے اوپر کے حصے میں دودھیا شیشے لگے ہوئے تھے اور ان میں صرف بائیں ہاتھ کی دونوں کھڑکیاں روشن تھیں جس کا مطلب تھا کہ ان میں گھر کے افراد تھے۔ کھڑکیاں زمین سے چھ فٹ کی بلندی پر اور بند نظر آ رہی تھیں اور ان میں کوئی سوراخ یا درز نہیں تھی جبکہ شیشوں سے اندر دیکھنا بھی ممکن نہ تھا۔

اس وقت پوری بستی پر سناٹا طاری تھا۔ مگر پنڈت گوپال داس کے مکان میں خاموشی نہیں تھی۔ بائیں ہاتھ کے آخری کمرے میں میوزک کی ہلکی ہلکی آواز ابھر رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کمرے کا مکین جاگ رہا تھا اور اندر ریڈیو یا ٹی وی چل رہا تھا۔ عادل سوچ رہا تھا کہ اس کمرے میں کون ہو سکتا ہے۔ بخشو کے بیان کے مطابق اس کی ایک بیوی اور ایک بیٹی رادھا کے سوا کوئی عزیز نہ تھا جبکہ بیٹی کالج میں پڑھتی تھی اور کالج کے ہوسٹل ہی میں رہتی تھی۔ گوپال اسی لیے رات کے وقت اپنے ڈیرے پر ہوتا تھا اور گھر میں اس

کی بوڑھی بیوی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ موسیقی سے دل بہلا رہی ہوگی۔

اچانک عادل کے ذہن میں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے آج گوپال داس ڈیرے پر نہ گیا ہو اور گھر میں وہی جاگ رہا ہو۔ شاستری بابا نے بتایا تھا کہ گوپال داس بھی پُراسرار قوتوں کا مالک ہے اس لیے مکان میں داخل ہونے سے پہلے یہ تصدیق کرنا بہت ضروری تھا کہ گوپال داس گھر میں ہے یا ڈیرے پر۔ چنانچہ وہ دبے پاؤں درختوں کی آخر سے نکل کر اس کھڑکی کے قریب پہنچ گیا جہاں سے میوزک کی آواز ابھر رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے اندر جھانکنے کے لیے کھڑکی میں سوراخ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر اس نے احتیاط سے کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تو وہ بھی بند ثابت ہوئی۔ مایوس ہو کر وہ مکان کے عقبی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ بند تھا مگر جونہی عادل نے اس پر ہلکا سا دباؤ ڈالا، وہ کھلنے لگا۔ اس نے تھوڑی سی درز بنا کر اندر جھانکا۔ چھوٹی سی راہداری تھی۔ جس میں سے روشنی تھی اور اس سے آگے برآمدہ جس کے باہر تاریکی تھی۔ مطمئن ہو کر عادل اندر آیا اور دروازہ بند کر کے دبے پاؤں آگے بڑھا۔ نکڑ پر رک کر اس نے برآمدے میں جھانکا وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ برآمدے کے باہر چقیں لٹک رہی تھیں اس لیے صحن کا منظر اوجھل تھا۔ وہ برآمدے میں آ گیا۔ چاروں کمروں کے دروازے بند نظر آ رہے تھے۔ اس نے پہلے روشن کمروں کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا اور پہلے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس میں ایک جھری سے آنکھ لگا کر دیکھا تو اس میں ایک پلنگ پر ایک خوش شکل بڑھیا سو رہی تھی اور چھت کا پنکھا چل رہا تھا پھر وہ دوسرے کمرے کے دروازے پر آیا۔ وہ ایک انچ کے قریب کھلا تھا۔ اندر جھانکنے پر پلنگ پر لیٹی ایک نوجوان اور خوبصورت دوشیزہ دکھائی دی۔ وہ نیم دراز تھی۔ اس کے بدن پر باریک سا نائٹ گاؤن اس کے نشیب و فراز کو واضح کر رہا تھا۔ ہاتھ میں ایک کتاب پکڑے مطالعہ کے ساتھ ساتھ وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ڈیک سے ابھرنے والی موسیقی سن رہی تھی۔

عادل سمجھ گیا کہ وہی گوپال داس کی بیٹی رادھا ہے۔ شاید وہ ہفتہ وار تعطیل منانے آئی ہوئی تھی۔ وہ دبے پاؤں وہاں سے پیچھے ہٹا اور دوسری طرف کے کمروں کی طرف بڑھ گیا۔ ایک کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھول کر اس نے اندر جھانکا۔ برآمدے کی روشنی کمرے میں پڑنے لگی تھی۔ اس کمرے میں گھریلو سامان رکھا تھا۔ پھر اس نے دوسرے کمرے کا جائزہ لیا تو وہ ڈرائینگ روم ثابت ہوا۔

عادل کو مایوسی ہوئی اور وہ سوچنے لگا کہ اگر سمن یہاں نہیں ہے تو پھر کہاں ہوسکتی ہے۔ ڈیرے پر اس کی موجودگی کا امکان نہیں تھا کیونکہ وہاں سے یہ خبر گاؤں کے لوگوں تک پہنچ سکتی تھی کہ کوئی لڑکی گوپال داس کی قیدی میں ہے۔ یقیناً اس نے سمن کو کسی خفیہ جگہ رکھا ہوگا۔ یا تو اس مکان کے نیچے کوئی تہہ خانہ تھا یا پھر

ہنومان کے مندر میں سمن کو رکھا جاسکتا تھا کہ وہ مندر گوپال داس کے زیر انتظام تھا اور مندر کا پروہت اس کے تابع فرمان تھا۔ عادل نے پہلے مندر کو چیک کرنے کا فیصلہ کیا اور وہاں سے واپس جانے کے لئے مڑا مگر دوسرے ہی لمحے اچھل پڑا۔

چند قدم کے فاصلے پر حسین وجمیل رادھا اپنے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی اسے حیرت و غصے سے گھور رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا جس کا رخ عادل کی طرف ہی تھا۔

"خبردار...... بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔ "کیا چرایا ہے اندر سے؟"

"بے فکر رہو۔ میرے ہاتھ خالی ہیں۔" عادل نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ پھیلائے۔

"کون ہو تم اور گھر میں کیوں داخل ہوئے ہو؟" رادھا نے قدرے چونکتے ہوئے سوال کیا۔

"چور نہیں ہوں۔ اطمینان رکھو۔ میں کسی چیز کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ نہیں ملی تو واپس جا رہا تھا۔"

"بکومت۔ تمہارا چوروں کی طرح اندر آنا تمہیں چور ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔" وہ غرائی۔

"آہستہ بولو مس رادھا۔ کہیں تمہاری ماتا نہ جاگ پڑے۔" عادل مسکرا پڑا۔

"اوہ...... تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟" اس کے چہرے پر حیرت ناچنے لگی تھی۔

"اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔ کیا تم کہیں بیٹھ کر دو منٹ مجھ سے بات کر سکتی ہو؟"

"بکواس مت کرو۔ میں اس گاؤں کے مالک کی بیٹی ہو کر تم جیسے چور ڈاکو سے کیسے بات کر سکتی ہوں۔" وہ غصے سے بولی۔

عادل کو اس کا تکبر پسند نہ آیا۔ پھر بھی نرم لہجے میں بولا "اچھا۔ پھر تم آرام کرو۔ میں چلتا ہوں۔"

"خبردار...... اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت کی تو گولی مار دوں گی۔" وہ تیزی سے بولی۔

اور عادل نے اپنی نگاہیں اس کے پستول پر جما دیں۔ دوسرے ہی لمحے رادھا کے ہاتھ سے پستول نکلا اور ہوا میں تیرتا ہوا عادل کی طرف بڑھا۔ رادھا بوکھلا گئی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور پستول کو پکڑنا چاہا مگر پستول یکدم بلند ہو گیا اور پھر جونہی وہ عادل کے چہرے کے سامنے پہنچا، عادل نے اسے ہاتھ میں لے لیا۔ رادھا اپنی جگہ کھڑی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ لو۔" عادل نے مسکراتے ہوئے پستول اس کی طرف بڑھایا۔ "آئندہ اس کی دھمکی مت دینا۔"

وہ سحر زدہ سے انداز میں عادل کے چہرے کی طرف دیکھتی ہوئی آگے بڑھی اور پستول پکڑ کر یوں دیکھنے لگی جیسے اسے کھلونا سمجھ رہی ہو۔

"یہ اصلی ہے۔" عادل نے اسے متوجہ کیا۔ "مگر اب میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"تم...... تم کون ہو؟" وہ بوکھلا کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''تمہارے جیسا انسان ہی ہوں اور تم سے صرف ایک سوال کا جواب چاہتا ہوں۔ کیا یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے؟''

''نہیں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' وہ چونکی۔

ٹھیک اسی لمحے صحن کی طرف سے آواز آئی۔ ''کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔''

آواز ہلکی تھی اور شاید کسی نے دوسرے کو مخاطب کیا تھا۔ عادل نہیں چاہتا تھا کہ آنے والے اس کی شکل دیکھ سکیں۔

''زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی مس رادھا۔'' اس نے سرگوشی کی۔ ''البتہ میرے آنے کا کسی کو مت بتانا۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے عقبی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے پاس پہنچا تو عقب سے رادھا کی آواز سنائی دی۔

''بدبختو۔ تم ادھر کیا لینے آئے ہو؟'' شاید وہ اپنے نوکروں سے مخاطب تھی۔

''مالکن...... ہم نے کسی مرد کی آواز سنی تھی۔''

''تم نشے میں ہو۔ ادھر کوئی مرد کہاں سے آ گیا۔ صحن میں تم سو رہے تھے کیا؟'' رادھا غصے سے بولی۔

عادل مسکرایا اور عقبی دروازے سے باہر آ گیا۔ دروازہ آہستہ سے بند کر کے وہ تیزی سے واپس باغ کی طرف چل دیا۔ وہ مطمئن تھا کہ رادھا اس کی ہدایت پر عمل کر رہی تھی۔ یقیناً وہ اس سے متاثر ہو گئی تھی یا پھر پستول کے واقعہ نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا اور اسی خوف کے سبب اس نے عادل کے بارے میں دریافت کرنے والوں کو سختی سے ڈانٹ دیا تھا۔ عادل باغ کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر رادھا سے دوسری ملاقات ہوئی تو وہ اس کے تعاون کا شکریہ ضرور ادا کرے گا۔

وہ آبادی کے آخری مکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اچانک مکان کی چھت پر سے کسی نے غراتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس ناگہانی آفت سے عادل بوکھلا گیا اور لڑکھڑا کر منہ کے بل گرتا چلا گیا۔

☆☆☆

کروٹ بدلتے ہوئے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے عادل کی چارپائی کی طرف دیکھتے ہوئے غنودہ آواز میں کہا۔ ''تم بھی اب سو جاؤ چھوکرا......''

مگر فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ چارپائی خالی ہے۔ اس نے پوری طرح آنکھیں کھول کر دیکھا اور عادل کو وہاں نہ پا کر چونک پڑا۔

''ارے...... یہ چھوکرا بھی بے وقوف ہی ہے۔ لالٹین کے بغیر ہی چکر لگانے چلا گیا۔'' وہ بڑبڑایا۔

پھر آنکھیں دوبارہ بند کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک ایک آواز سن کر چونک پڑا۔ کسی نے کہا تھا۔ ''ملنگ یہاں پر موجود نہیں ہے۔''

وہ آواز عادل کی چارپائی کی دوسری جانب واقع درختوں کی طرف سے آئی تھی۔ بخشو نے حیران ہوتے ہوئے اس طرف دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔

''بخشو سے پوچھنا پڑے گا۔ وہ یقیناً جانتا ہوگا۔'' دوسری آواز ابھری۔

''ارے کون ہے بابا؟'' بخشو نے اٹھتے ہوئے بلند آواز میں پوچھا۔

اس سوال کا جواب نہ دیا گیا تو بخشو نے فوراً ہی تکیے کے نیچے رکھا ہوا پستول اٹھا لیا پھر غرایا۔ ''کون ہے۔ بولتا کیوں نہیں؟''

اس بار بھی کوئی جواب نہ ملا اور بخشو جھلا گیا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے ٹارچ اٹھائی اور روشن کر کے چارپائی پر کھڑا ہو گیا۔

''یہ تو مرنے مارنے پر تل گیا ہے۔'' درختوں کی طرف سے ہنستی ہوئی ہلکی سی آواز آئی۔

''ہاں...... فوراً سامنے آ جاؤ۔ ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔'' بخشو نے دھمکی دی۔

جواب میں بخشو کے عقب سے کسی کے ہنسنے کی آواز بلند ہوئی۔ وہ چونکتا ہوا تیزی سے پلٹا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گیا۔

اس کی چارپائی سے چند فٹ کے فاصلے پر دو انسانی لاشیں کھڑی تھیں۔ ان کے جسموں پر گردن تک سفید کفن تھے جبکہ گردن کے اوپر ان کی گوشت پوست سے محروم استخوانی کھوپڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان کھوپڑوں میں ان کی سرخ سرخ آنکھیں بلور کی مانند چمک رہی تھیں۔ ان کے استخوانی بازو کفن سے باہر تھے اور منہ کے دہانوں میں لمبے سفید دانت دکھائی دے رہے تھے۔

انہیں دیکھ کر خوف کی شدت سے بخشو کی گھگی بندھ گئی اور ہاتھوں میں موجود ٹارچ اور پستول لرزنے لگے۔

''کانپ کیوں رہے ہو بخشو...... ہم تمہارے سامنے آ گئے ہیں۔'' دراز قد لاش نے ہنس کر کہا۔

''تت...... تت...... تم...... تم مردہ ہو؟'' وہ خوف سے ہکلایا۔

''ہاں...... مگر زندہ ہیں۔ زندہ مردے۔'' دوسرے مردے نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

اس کی ہنسی اتنی سرد اور خوفناک تھی کہ بخشو کا دہشت کے مارے حلق خشک ہو گیا۔ اس کی خوف سے پھٹی پھٹی آنکھیں ان زندہ مردوں پر مرکوز تھیں۔ ہاتھوں سے ٹارچ اور پستول گر گئے تھے اور ٹارچ بجھ گئی تھی مگر لالٹین کی مدھم روشنی میں وہ مردے اور بھی خوفناک نظر آ رہے تھے۔ خوف کی شدت سے بخشو کی رگوں میں

خون خشک ہوا جا رہا تھا۔

"ملنگ کہاں ہے بخشو؟" پہلے مردے نے کڑکدار آواز میں پوچھا۔

"مم......مم......مل......لنگ......؟" اس کے منہ سے پھنسی پھنسی آواز بمشکل نکل سکی۔

"ہاں......وہ چھوکرا عادل......" دراز قد مردے نے اثبات میں کھوپڑی ہلائی۔

"پپ......پتا نہیں......" بخشو لرزتا ہوا اپنی جگہ ڈھیر ہو گیا۔

"مکاری کر رہا ہے نابکار؟" دراز قد مردے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

اس کے ساتھ ہی وہ بخشو کی طرف بڑھا۔ بخشو نے اس کی طرف دیکھا اور ایکدم چیختا ہوا اٹھ کر بھاگا مگر عقب میں پڑی عادل کی چارپائی سے ٹکرا گیا۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ خارج ہوئی اور وہ ایک بار پھر زمین پر آ رہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ذہن ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

اس پر چھلانگ لگانے والا اسے گراتا ہوا اس کے عقب میں جا پڑا تھا۔ عادل نے پھرتی سے اٹھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک کافی لحیم شحیم اور سیاہ رنگ کا شکاری کتا تھا جو اب اس سے پانچ چھ قدم کے فاصلے پر کھڑا خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عادل کو خطرہ ہوا کہ کتے کی غراہٹ سن کر بستی کے مکین باہر نہ آ جائیں۔ اس نے تیزی سے ایک سحر پڑھ کر کتے کی طرف پھونکا۔ دوسرے ہی لمحے وہ شکاری کتا زمین پر گر کر ساکت ہوتا چلا گیا۔

عادل نے کپڑے جھاڑے اور دوبارہ باغ کی طرف چل دیا۔ مگر چند قدم چلنے کے بعد اچانک ہی اسے خیال آیا کہ کیوں نہ لگے ہاتھوں گوپال داس کا ڈیرہ بھی دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ وہ رخ بدل کر گوپال داس کے ڈیرے کی سمت چل دیا۔ کھیتوں کے درمیان ایک پگڈنڈی پر چلتے ہوئے ابھی اس نے تقریباً نصف فرلانگ کا فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک ہی بائیں جانب سے آواز سنائی دی۔ "ٹھہرو ملنگ۔"

عادل نے بے اختیار رکتے ہوئے اس جانب دیکھا اور چونک پڑا۔ اس طرف زمین سے تقریباً دس فٹ کی بلندی پر ایک انسانی کھوپڑی معلق تھی۔ اسے دیکھ کر عادل کو فوراً خیال آیا کہ شاید اسے روکنے کے لئے شنکر لال نے نیا حربہ اختیار کیا ہے۔ اس نے تیزی سے خود پر منتر پھونکا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ملنگ۔" کھوپڑی سے آواز آئی۔ "میں تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آیا۔"

"اوہ......پھر کون ہو تم اور تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

"میں شاستری مہاراج کا غلام بھگول ہوں اور اسی نے مجھے تمہارے پاس پیغام دے کر بھیجا ہے۔"

"شاستری مہاراج......؟" عادل چونکا۔ "وہ کہاں ہے۔ کیا کہا ہے اس نے؟"

"اس نے کہا ہے کہ سمن کا سراغ مل گیا ہے۔ وہ ہنومان کے مندر میں قید ہے۔ اسے شنکر کے چیلے شیام کمار نے اغوا کیا تھا۔"

"اوہ......!" عادل کے حلق سے اطمینان آمیز سانس خارج ہوا۔ گویا اس کا یہ شبہ درست تھا کہ سمن گوپال داس کے ڈیرے پر نہیں ہو سکتی اور اسے قید کرنے کے لیے ہنومان کا مندر زیادہ بہتر جگہ تھی۔ چنانچہ اب اسے گوپال داس کے ڈیرے کی بجائے ہنومان کے مندر جانا چاہیے تھا۔ شاید شاستری کو یہاں کی صورتِ حال کا علم ہو گیا تھا اور اسی لیے اس نے پیغام بھیجا تھا کہ وہ ڈیرے پر جا کر وقت ضائع کرنے کی بجائے مندر کا رخ کرے اور وہاں سے سمن کو آزاد کرائے۔

"مگر شاستری بابا خود کیوں نہیں آیا؟" ایک دو لمحوں بعد اس نے سوال کیا۔

بھگول کی کھوپڑی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب عادل نے نگاہیں بلند کر کے اوپر دیکھا اور طویل سانس لے کر رہ گیا۔ کھوپڑی غائب ہو چکی تھی۔ شاید وہ صرف اتنا ہی بتانے کے لئے بھیجی گئی تھی، عادل سوچتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ جلد ہی وہ گوپال داس کے ڈیرے کے قریب پہنچ گیا جو مندر کے راستے میں واقع تھا۔ ڈیرے کی عمارت دو تین بڑے بڑے کمروں پر مشتمل تھی۔ اس کے باہر چند درخت تھے۔ عمارت کے اندر روشنی تھی مگر باہر نیم تاریکی کا سماں تھا۔ عادل عمارت کے گرد گھوم کر اس کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ عمارت کے اندر سے مدہوش آوازیں اور قہقہے ابھر رہے تھے۔ عادل سمجھ گیا کہ عمارت کے اندر محفل گرم تھی۔ وہ رکے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ اب کافی فاصلے پر مندر کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔

عادل شاستری کے بارے میں سوچتا ہوا فاصلہ طے کر رہا تھا کہ آخر وہ خود کیا کر رہا تھا اور خود آنے کی بجائے محض پیغام بھیجنے پر کیوں اکتفا کیا تھا۔ چند منٹ بعد مندر کا ماحول نسبتاً واضح نظر آنے لگا۔ مندر تین اطراف سے درختوں میں گھرا ہوا تھا جبکہ سامنے کے رخ کوئی درخت نہ تھا۔ اس راستے سے دونوں طرف گھنے اور بلند درخت تھے جو مندر کے درمیان تک جاتا تھا۔ راستے کی دائیں جانب شمشان گھاٹ کا بلند چبوترہ دکھائی دے رہا تھا جس پر ہندو چتا جلاتے تھے اور شاید حال ہی میں وہاں کسی مردے کو جلایا گیا تھا کیونکہ چبوترے سے دھواں اٹھ رہا تھا اور گوشت کی سڑاند ہوا کے دوش پر عادل تک پہنچ رہی تھی۔ اس طرف جا بجا چھوٹے بڑے راکھ کے ڈھیر پڑے تھے اور ستاروں کی مدھم روشنی میں وہ ڈھیر ٹیلوں کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں سے مندر تقریباً پچاس ساٹھ قدم کے فاصلے پر تھا جبکہ شمشان گھاٹ عادل کے دائیں جانب پچیس تیس گز دور تھا۔ گھاٹ کے چبوترے سے اٹھنے والے دھوئیں کے مرغولے فضا میں گردش کر رہے تھے۔

اچانک داہنی جانب سے ایک قہقہہ بلند ہوا اور عادل کے قدم بے اختیار رکتے چلے گئے۔ اس نے

تیزی سے گھاٹ کی سمت دیکھا اور چونک پڑا۔ اس طرف راکھ کے ایک ڈھیر کے پاس کوئی شخص کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ نجانے وہ کون تھا۔ اس کے قریب کوئی زمین پر بیٹھا تھا۔

''رحم کرو مہاراج...... رحم کرو......'' اس کی التجا آمیز آواز سنائی دی۔

اس آواز کو پہچان کر عادل کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ بخشو کی آواز تھی۔ نجانے وہ کب اور کیوں اس طرف آیا تھا۔

''بکومت نابکار......'' کھڑے ہوئے شخص کی غراہٹ ابھری۔ ''جب تک تم میرے سوال کا جواب نہ دو گے، یونہی تڑپتے رہو گے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا مہاراج...... اس چھوکرے کو وڈیرا سائیں لایا تھا باغ کی دیکھ بھال کے لیے۔''

بخشو کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی۔

عادل سمجھ گیا کہ اسی کے بارے میں بخشو سے باز پرس کی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس کی مدد کرنا ضروری تھی۔ وہ راستے سے ہٹ کر اس طرف بڑھنے لگا۔ مگر قریب پہنچنے پر وہ چونکے بغیر نہ رہا۔ بخشو زمین پر بیٹھا تھا جبکہ اس کے پاس کھڑے شخص کا چہرہ کسی سیاہ ریچھ سے مشابہ تھا۔ اس کی گردن سیاہ بالوں میں چھپی ہوئی تھی۔

''ملنگ خود ہی آ گیا ہے مہاراج۔'' دفعتاً عادل کے عقب سے آواز ابھری۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک لمحہ کے لیے خوف کی تیز لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی۔ عقب میں دو کفن پوش مردے کھڑے تھے جن کی کھوپڑیوں میں صرف آنکھیں سلامت تھیں۔ ان کے کفن سے باہر نکلے ہوئے بازو اور پنجے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ ڈھانچے ہیں۔

''اوہ...... پکڑ لو اس بدکار کو۔'' ریچھ نما آدمی غرایا۔

اس کا حکم ملتے ہی دونوں کفن پوش مردے عادل پر جھپٹ پڑے لیکن عادل غافل نہ تھا۔ اس نے تیزی سے غوطہ لگایا اور ان کی زد سے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ دونوں آپس میں ٹکرا کر گرے اور عادل نے تیزی سے ان پر پھونک ماری۔ دوسرے ہی لمحے ان مردوں کے کفن میں آگ لگ گئی اور وہ اٹھ کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔

دونوں مردوں کے جلتے کفن وہاں کا ماحول روشن کر رہے تھے۔ اس روشنی میں ریچھ کے چہرے والے شخص کو عادل واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے عادل کو گھور رہا تھا۔ چند لمحوں بعد دونوں مردے ایکدم غائب ہو گئے۔ بخشو زمین پر بے سدھ پڑا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

''او نابکار...... تو کتنی شکتی کا مالک ہے جو تجھے اس طرف آنے کی جرأت ہوئی۔ کیا تیرے گرو نے

تجھے نہیں بتایا تھا کہ یہ شیام کمار کی دھونی ہے اور میرے منڈل گھاٹ میں آنے والے کو واپس جانا نصیب نہیں ہوتا؟''

''اوہ...... تو تم ہو شیام کمار......!'' عادل چونکتا ہوا بولا۔

''اس کا مطلب ہے تجھے میرے نام کا پتا تھا۔ اس کے باوجود تو نے اس طرف قدم بڑھاتے ہوئے خوف نہیں کھایا۔'' شیام کمار غضبناک لہجے میں بولا۔

''مجھے تمہارے صرف نام کا پتہ تھا۔ باقی تم بتا دو۔'' عادل نے اطمینان سے کہا۔

''ضرور بتاؤں گا۔ تاکہ تمہارے دل میں یہ حسرت نہ رہ جائے کہ میں نے تمہیں فنا کرنے سے پہلے تمہاری یہ آخری خواہش پوری نہیں کی تھی۔'' اس کی چمکتی آنکھیں عادل پر مرکوز تھیں۔ ''سن مورکھ...... میں اس مندر کا مہا پجاری اور ہنومان جی کا خاص سیوک ہوں جن کی کرپا سے مجھے اتنی زیادہ شکتی حاصل ہے کہ میں تمہیں ایک اشارے سے بھسم کر سکتا ہوں۔''

''مجھے پروا نہیں کہ تم کتنے طاقتور ہو مردود۔'' عادل نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں تو سمن کو لینے آیا ہوں جسے تم نے مندر میں قید کر رکھا ہے۔''

''ہاہاہا......'' شیام کمار کے حلق سے خوفناک قہقہہ ابل پڑا۔ ''تمہیں کس گدھے نے بتایا ہے کہ تم سمن کو یہاں سے لے جانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ وہ میرے پاس گرو مہاراج شنکر لال کی امانت ہے اور گوپال داس کا حکم ہے کہ میں کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دوں۔''

''بکواس مت کرو شیام کمار۔'' عادل غرایا۔ ''وہ میرے گرو مہاراج شاستری بابا کی عزت اور میری محبت ہے۔ اسے لے جانے کے لیے مجھے تم جیسے بیس پاپیوں کو بھی فنا کرنا پڑا تو دریغ نہیں کروں گا۔''

''تو۔ تو۔ تو فنا کرے گا مجھے......!'' شیام کمار ہنسنے لگا۔ ''حالانکہ میرے ڈر سے تمہارا گرو خود نہیں آیا اور اس نے تمہیں بھینٹ کا بکرا بنا کر میرے مقابلے پر بھیج دیا۔ مجھے تمہاری جوانی پر رحم آ رہا ہے مورکھ، لیکن شنکر لال سے ہدایت ملی ہے کہ تمہیں یہاں سے زندہ واپس نہ جانے دوں۔''

''تم کوشش کر کے دیکھ لو مردود...... اگر مجھے مارنا اتنا ہی آسان ہوتا تو شنکر لال مجھے ملتان میں ہی ختم کر چکا ہوتا۔''

''یقیناً تیری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ مگر پہلے تو اپنی شکتی آزما۔'' شیام کمار کی تھوتھنی سے غصے کے مارے رال بہہ رہی تھی اور اس کی گول آنکھیں مدھم اجالے میں چمک رہی تھیں۔

عادل نے زیرلب سحر پڑھتے ہوئے جھک کر زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور شیام کمار پر نگاہیں گاڑتے ہوئے بولا۔ ''شیام کمار...... تجھ پر کالی کی مار نابکار۔ لے سنبھل جا۔''

دوسرے ہی لمحے اس نے خاک شیام کمار کی طرف اچھال دی۔ اس کی مٹھی سے آزاد ہوتے ہی خاک کے ذرات دہکتے انگاروں میں بدل کر شیام کمار کی طرف لپکے لیکن فوراً ہی شیام کمار نے دہکتے انگاروں کی طرف ہاتھ دراز کر دیا۔ اس کے ہاتھ سے پانی کی تیز پھوار خارج ہو کر انگاروں پر پڑی اور وہ بجھتے ہوئے زمین پر آ رہے۔

''بس...... کوئی اور منتر ہے تیرے پاس نابکار......'' شیام کمار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اور اسی لمحے عادل نے اس کی طرف پھونک ماری۔ اگلے ہی لمحے آگ کا بھڑکتا ہوا شعلہ نمودار ہو کر شیام کمار سے جا ٹکرایا اور شیام کمار کے لباس میں آگ لگ گئی۔ وہ بوکھلا گیا اور جلدی سے آگ پر پھونک ماری۔ فوراً ہی آگ بجھ گئی۔

''لے۔ اب تو بھی سنبھل جا پاپی۔ میری باری آئی ہے۔'' شیام کمار نے غضبناک لہجے میں کہا۔

اور اس نے عادل کی طرف پھونک مار دی۔ دوسرے ہی لمحے عادل گھٹنوں تک زمین میں دھنسا ہوا نظر آنے لگا۔ اس نے خود کو زمین سے نکالنے کے لیے ایک منتر پڑھا لیکن ناکام رہا۔ پھر اس نے دوسرا منتر پڑھ کر خود پر پھونکا مگر اس بار بھی کچھ نہ ہوا۔

''ہاہاہا......!'' شیام کمار قہقہہ لگاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ ''اب میں تیرا سر کاٹوں گا۔''

عادل نے اس کی طرف دیکھا اور پہلی بار اسے شیام کمار سے خوف محسوس ہونے لگا۔ شیام کمار کے ہاتھ میں نہ جانے کہاں سے ایک خنجر آ گیا تھا اور وہ خنجر تانے عادل کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

☆☆☆

گوپال داس کے ڈیرے میں محفل حسن و شباب عروج پر تھی۔ اس کمرے میں گیس لیمپ کی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں ان دونوں دوشیزاؤں کے بدن بھی دودھیا ہو رہے تھے جو قدرتی لباس میں اپنے ''فن'' کا جادو جگا رہی تھیں۔ گوپال اور اس کے پڑوسی گاؤں سے آئے ہوئے دو مہمان ہندو زمینداروں کے علاوہ کمرے میں صرف گوپال کے تین ملازم موجود تھے جو ایک کونے میں کھڑے ہوس آمیز نگاہوں سے دونوں طوائفوں کے مچلتے جسموں کو دیکھتے ہوئے اپنے جذبات کی مضطرب لہروں کو کناروں تک محدود رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے اور اس کربناک کوشش کا عکس ان کے چہروں کے بگڑے ہوئے نقوش اور آنکھوں سے جھلک رہا تھا جو خون کی گرمی و خیزش سے سرخ ہو چکی تھیں۔ اگرچہ یہ ان کے لئے نئی بات نہ تھی اور وہ ایسے ماحول کے عادی ہو چکے تھے لیکن ان دونوں رقاصاؤں کے انداز ہی کچھ اتنے ہوشربا تھے کہ وہ مدہوش ہوئے جا رہے تھے۔

ان کے مقابلے میں گوپال داس اور اس کے دونوں مہمان پُرسکون دکھائی دے رہے تھے۔ وہ

تینوں ادھیڑ عمر تھے۔ رقاص لڑکیوں کو مہمان ہی وہاں لائے تھے۔ شراب کی بوتلیں ان کے آگے رکھی تھیں اور جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے۔ اس جذباتی ماحول میں اچانک ہی باہر نگرانی پر مامور ملازم داخل ہوا اور سیدھا گوپال داس کی طرف بڑھا۔ گوپال نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''مہاراج...... حویلی سے لکھو رام آیا ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔'' ملازم نے گوپال داس کے کان کے قریب منہ کر کے ادب سے کہا۔

''اوہ...... خیریت...... اسے اندر لے آتے۔'' گوپال نے چونکتے ہوئے کہا۔

''مہاراج...... وہ باہر ہی ملنا چاہتا ہے تاکہ مہمانوں کو پتہ نہ چلے۔'' ملازم نے آہستہ سے کہا۔

گوپال داس سمجھ گیا کہ کوئی اہم بات ہے۔ وہ مہمانوں سے معذرت کر کے اٹھا اور کمرے سے باہر آیا۔ باہر اس کی حویلی کا ملازم لکھو رام کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر گوپال داس کو سلام کیا۔

''خیر تو ہے لکھو...... کیسے آنا ہوا؟'' گوپال داس نے پوچھا۔ ''تمہیں پتا ہے اس وقت میں مصروف ہوتا ہوں۔''

''مہاراج...... مجبوری ہے۔ بات ہی کچھ ایسی ہے کہ مجھے آنا پڑا۔'' لکھو رام سہم کر بولا۔

''اوہو...... کیا ہوا...... جلدی بکو۔'' اس نے چونکتے ہوئے تیزی سے کہا۔

لکھو رام نے حویلی میں پیش آنے والا واقعہ بیان کیا۔ گوپال داس کو حیرت ہوئی۔ ''کیا تم نے اسے دیکھا تھا؟''

''نہیں مہاراج...... ہم نے صرف آواز سنی تھی۔'' لکھو رام نے کہا۔

''رادھا نے ٹھیک کہا ہے۔ یقیناً تمہیں وہم ہوا ہوگا۔'' گوپال داس نے منہ بنایا۔

''مہاراج میں تنہا ہوتا تو شاید اسے اپنا وہم ہی سمجھتا لیکن دیال چند میرے ساتھ تھا۔ اسی نے میری توجہ برآمدے کی جانب مبذول کرائی تھی کہ کوئی برآمدے میں باتیں کر رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ برآمدے کے پاس پہنچا تو مجھے بھی وہ مردانہ آواز سنائی دی۔ میں نے پوچھا کہ وہاں کون ہے لیکن جواب نہ ملا۔ البتہ اس نامعلوم شخص کی آواز ہلکی پڑ گئی۔ ہم دونوں جلدی سے برآمدے میں داخل ہوئے مگر وہاں رادھا بی بی تنہا ہاتھ میں پستول لئے کھڑی تھی۔ اس نے ہمیں ڈانٹ دیا۔''

''اوہ!'' گوپال داس حیرت سے بولا۔ ''رادھا پستول لے کر برآمدے میں کیا کر رہی تھی؟''

''پتا نہیں سرکار۔ اس نے تو ہمیں بولنے کا موقع ہی نہیں دیا لیکن میں اور دیال چند بھگوان کی سوگند کھا کر آپ کو یقین......!''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔'' وہ تیزی سے لکھو رام کی بات کاٹتا ہوا بولا۔ ''میں دیکھ لوں گا کیا قصہ ہے تم

جاؤ اور ہوشیاری سے پہرہ دو۔ اور ہاں۔ اس واقعہ کا دیال چند اور تمہارے سوا کسی کو علم نہ ہونے پائے ورنہ سخت سزا دوں گا۔"

"بہت بہتر مہاراج...... ہماری زبان بند رہے گی۔" وہ گھبرا گیا۔

پھر وہ سلام کر کے وہاں سے واپس چل دیا۔ لیکن گوپال داس وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ اس کی آنکھیں تشویش آمیز انداز میں سامنے والے درختوں پر مرکوز تھیں اور ذہن کو خیالات کے ناگ ڈس رہے تھے کہ کیا واقعی کوئی شخص رادھا سے ملنے وہاں گیا تھا؟ کیا اس کے کسی آدمی سے مراسم تھے جو پوشیدہ طور پر اس سے ملنے وہاں گیا تھا؟ مگر پھر اس کے ذہن میں سوال ابھرا کہ اگر وہ اجنبی رادھا سے ملنے آیا تھا تو رادھا کے ہاتھ میں پستول کیوں تھا...... اور اگر وہاں آنے والا چور ڈاکو تھا تو رادھا نے اس پر فائر کیوں نہیں کیا تھا؟ وہ سوچتا رہا اور الجھتا رہا۔

پھر اسے خیال آیا کہ اس سلسلے میں رادھا سے پوچھا جائے۔ چنانچہ وہ فوراً ہی حویلی کی طرف چل دیا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ اچانک ہی ایک سیاہ رنگ کا کتا اس کے راستے میں آ گیا۔ اسے دیکھ کر گوپال داس چونک پڑا۔ وہ اس کے دوست شنکر لال کا ہرکارہ تھا۔ یقیناً شنکر لال نے کوئی پیغام بھیجا تھا۔

"مہاراج......!" اس کتے نے پچھلی ٹانگوں پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "گرو مہاراج نے کہا ہے کہ ان کا حریف شاستری اپنا جاپ پورا کر کے آپ کے علاقے میں پہنچ چکا ہے۔ وہ کسی طرح بھی اپنی بیٹی سمن تک نہ پہنچنے پائے۔"

یہ کہہ کر کتے نے دائیں جانب جست لگائی اور غائب ہو گیا۔ مگر شنکر لال کے پیغام نے گوپال داس کو اضطراب میں مبتلا کر دیا۔

"کہیں حویلی میں داخل ہونے والا اجنبی شاستری تو نہیں تھا؟" اس کے ذہن میں سوال ابھرا۔

دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے حویلی کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ عقبی دروازے سے حویلی میں داخل ہوا تو رادھا اپنے کمرے میں بستر پر سو رہی تھی۔ مگر اس کے اندر آتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ گویا وہ مکمل طور پر نہیں سوئی تھی۔ گوپال داس کو دیکھ کر وہ حیران ہوتی ہوئی جلدی سے اٹھی اور قریب پڑی چادر اٹھا کر اپنے سینے پر ڈال لی۔

"بیٹی۔ کون آیا تھا گھر میں؟" گوپال داس نے نرمی سے سوال کیا۔

"اوہ...... گویا ان نمک حراموں نے آپ کو بھی پریشان کر ڈالا......" وہ چونکتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔ لکھو رام نے مجھے اطلاع دی تھی کہ تم کسی نامعلوم شخص سے باتیں کرتی رہی ہو۔"

"نہیں ڈیڈی۔ لکھو رام بکواس کرتا ہے۔ حالانکہ میں نے اس کی غلط فہمی دور کر دی تھی مگر اس خبیث

نے آپ کو خواہ مخواہ زحمت دی۔"

"وہ قسم کھانے کو تیار ہے۔" گوپال نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر برآمدے میں کوئی نہ تھا تو تم نے ہاتھ میں پستول کیوں لے رکھا تھا؟"

رادھا جانتی تھی کہ وہ کس طرح اپنے باپ کو رام کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

"میں میوزک سن رہی تھی کہ باہر سے لکھو کی آواز آئی۔ کون ہے؟ میں ڈر گئی کہ شاید کوئی چور ڈاکو آ گیا ہے۔ چنانچہ میں اپنا پستول لے کر کمرے سے نکلی مگر برآمدے میں کوئی نہ تھا۔ اسی لمحے لکھو اور دیال چند برآمدے میں گھس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ انہوں نے کسی اجنبی کی آواز سنی ہے۔ بس اتنی سی بات تھی۔"

اس کے ساتھ ہی وہ رونے لگی۔ اس کے آنسو دیکھ کر گوپال داس بوکھلا گیا۔ "ارے۔ ارے۔ چپ ہو جاؤ۔ میں تو یونہی پوچھنے......!"

"مگر ڈیڈی۔ میرے لیے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ میرا کردار آپ کی نظر میں مشکوک ہو۔" وہ اس کی بات قطع کرتی ہوئی چلائی۔

"رام رام......" گوپال اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "ارے تم تو سیتا ہو۔ گنگا جل ہو میرے لیے۔ میں بھلا تم پر کیسے شک کر سکتا ہوں؟"

اس نے رادھا کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ "چپ ہو جاؤ۔ میں صبح ان نمک حراموں سے بات کروں گا۔ چلو سو جاؤ۔"

رادھا دل ہی دل میں مسکرا دی۔ گوپال داس کمرے سے نکلا اور واپس ڈیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ بستی سے کچھ ہی فاصلے پر پہنچا تھا کہ اچانک فضاء میں ایک انسانی کھوپڑی نمودار ہوئی اور اسے دیکھ کر گوپال داس کے قدم رکتے چلے گئے۔

☆☆☆

ریچھ کے چہرے والے شیام کمار کی خوفناک آنکھیں عادل پر مرکوز تھیں اور وہ تھوتھنی سے رال ٹپکاتا عادل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عادل سانس روکے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ خوف کی شدت سے اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ اس نے خود کو زمین سے نکالنے کے لیے سحر پڑھا تھا لیکن شاید خوف کے سبب اس میں کوئی غلطی کر گیا تھا یا پھر شیام کمار کا منتر ہی کچھ ایسا ناقابل شکست تھا کہ عادل کی کوشش بیکار گئی تھی اور اب اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ وہ کوئی اور کوشش کرتا۔ شیام کمار اپنے خنجر اور خوفناک چہرے کے ساتھ اس کے

قریب پہنچ چکا تھا۔ موت اور زندگی کے درمیان محض ایک لمحے کا وقفہ رہ گیا تھا اور یہ لمحہ صرف شیام کمار کے پاس تھا۔

شیام کمار اس کے سامنے رکتا ہوا غرایا۔ ''موت کا مزہ چکھنے کے لیے تیار ہو جا۔''

اس کے ساتھ ہی اس کا خنجر والا ہاتھ ایکدم نیچے آیا اور عادل کا منہ آنے والی اذیت کے احساس سے بے ساختہ کھل گیا۔ دوسرے ہی لمحے مرگھٹ کے بیکراں سناٹے ایک انتہائی کربناک چیخ سے گونج اٹھے۔ مگر وہ چیخ عادل کی بجائے شیام کمار کے حلق سے خارج ہوئی تھی اور وہ خنجر سمیت اچھل کر کئی فٹ پیچھے جا گرا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عادل کے زمین میں گڑے ہوئے پاؤں یوں جھٹکے سے باہر آئے جیسے زمین نے اسے اچھال دیا ہو۔ ایک لمحہ کے لیے عادل کا خوفزدہ ذہن چکرا کر رہ گیا۔ شیام کمار زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ گیا تھا اور وہ دونوں ہاتھ اپنی گردن پر اسی انداز میں مار رہا تھا جیسے کسی نادیدہ گرفت سے گردن آزاد کرانے کی جدوجہد میں مصروف ہو۔ اس کی تھوتھنی سے گھٹی گھٹی سی غراہٹیں خارج ہو رہی تھیں۔

عادل نے سنبھل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر وہ بائیں جانب زمین پر نظر آنے والے خنجر کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے شاید شیام کمار اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے راکھ کے قریبی ڈھیر کی طرف چھلانگ لگائی اور عادل کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ عادل نے خنجر اٹھایا اور اس کے پیچھے لپکا لیکن جونہی وہ راکھ کے بلند ڈھیر کے پیچھے پہنچا۔ اس کی سماعت سے ایک اجنبی آواز ٹکرائی۔

''رک جاؤ ملنگ۔ فضول ہے۔''

اس نے ایکدم آواز کی سمت دیکھا اور اس کے قدم رک گئے۔ داہنی جانب چند فٹ کے فاصلے پر سیاہ رنگ کا چھوٹا سا ناگ حرکت کر رہا تھا اور اس کی گول گول ننھی سی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''تم کون ہو؟'' عادل نے چونکتے ہوئے ناگ کو مخاطب کیا۔

''شاستری مہاراج کا غلام بھورن لال......!'' ناگ کی طرف سے وہی آواز آئی۔ ''شکر کرو کہ میں عین موقع پر پہنچ گیا۔ ورنہ وہ نابکار تمہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔''

''اچھا......تو یہ تم تھے مجھے بچانے والے۔'' عادل نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں......اور شاستری مہاراج بھی پہنچنے والے ہیں۔ ان کا انتظار کرو۔''

اس کے ساتھ ہی وہ ناگ رینگتا ہوا راکھ کے ڈھیر میں گھس کر غائب ہو گیا۔ عادل مندر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر شاستری بابا کا چیلا بھورن لال عین وقت پر نہ پہنچ جاتا تو اس وقت یہاں اس کی لاش پڑی ہوتی۔ پھر اسے ایکدم خیال آیا اور وہ سمن کے لیے پریشان ہو گیا۔ شیام کمار کا فرار ہوتے

وقت مندر کی طرف ہی رخ تھا اور وہ اپنی شکست کا بدلہ سمن سے لے سکتا تھا۔ عادل نے مندر کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھایا مگر فوراً ہی رک گیا۔ بھورن لال نے اسے شاستری بابا کا انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی جو وہاں پہنچنے والا تھا۔ پھر اسے سجاول خان کے ملازم بخشو کا خیال آیا۔ اس نے بخشو کی طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش پڑا تھا۔

عادل اس کے قریب آیا اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن بخشو نے کوئی حرکت نہ کی۔ عادل نے دوسرا حربہ اختیار کرتے ہوئے بخشو پر سحر پھونکا۔ دوسرے ہی لمحے بخشو کو ہوش آ گیا۔ اس نے عادل کو قریب بیٹھے پایا تو ڈرتے ڈرتے اٹھ بیٹھا۔

''وہ......وہ......وہ ریچھ سائیں کدھر گیا عادل بابا؟'' بخشو نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''بھاگ گیا۔ مگر تم ادھر کیوں آئے تھے بخشو خان؟'' عادل نے سوال کیا۔

''م......میں خود تو نہیں آیا عادل بابا۔'' وہ کسی خیال سے ایکدم بوکھلا گیا۔

''تو کیا تمہیں شیام کمار لایا تھا یہاں؟'' عادل چونکا۔

''نہیں بابا۔ میں تو بے ہوش ہو گیا تھا۔ یہاں آ کر آنکھ کھلی تو وہ مردود قریب کھڑا تھا۔''

''اوہ......مگر تم تو باغ میں سو رہے تھے۔ بے ہوش کیسے ہوئے تھے؟''

جواب میں بخشو نے اپنا واقعہ بیان کر دیا پھر عادل کو خوفزدہ نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا۔ ''مگر تم کون ہو عادل بابا۔ وہ زندہ مردے تمہیں کیوں پکڑنے آئے تھے۔ تم کہاں چلے گئے تھے اس وقت؟''

عادل جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک ان کے سروں پر روشنی سی پھیلتی چلی گئی۔

☆☆☆

چند منٹ بعد دروازہ پھر کھلا۔ سمن نے اس طرف دیکھا تو خوف سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ دروازے سے ایک اجنبی عورت اندر آ رہی تھی۔ مگر اس کی شکل اتنی بھیانک تھی کہ دہشت کے مارے سمن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کی رنگت بالکل سیاہ تھی اور سر سے لے کر ٹھوڑی تک چہرہ دو حصوں میں کٹا ہوا تھا۔ آنکھیں کسی بھینس کی آنکھوں جتنی بڑی اور بے حد سرخ تھیں۔ منہ کے دہانے سے ہونٹ غائب تھے اور لمبے لمبے دانت دکھائی دے رہے تھے۔ چہرے پر بے شمار جھریاں اسے کوئی بوڑھی چڑیل ظاہر کر رہی تھیں جبکہ اس کا سیاہ بدن کسی قسم کے لباس سے عاری اور سینہ پچکا ہوا تھا۔ سر کے بال سفید اور ایڑیوں تک لمبے تھے اور ہاتھوں کے ناخن بھی کافی بڑھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

''ہی ہی ہی......'' وہ سمن کو دیکھ کر بھیانک انداز میں ہنسی۔ ''ڈر گئی ہو شاستری کی بیٹی۔''

''تم..... تم..... کون ہو؟'' سمن خوف سے ہکلا کر رہ گئی۔

''شیام کمار کی داسی اور خون کی پیاسی سون کلی ہوں۔'' وہ بولی۔ ''سو سال سے ہنومان جی کے چرنوں میں جیون بتا رہی ہوں۔''

اس کی بات سن کر سمن اور بھی گھبرا گئی کہ سون کلی ایک آدم خور چڑیل تھی۔

''مجھے یہاں سے باہر نکال دو سون کلی۔'' چند لمحوں بعد اس نے ہمت کر کے کہا۔ ''تمہاری بڑی کرپا ہو گی۔''

اس پر سون کلی کی بھیانک ہنسی ابھری۔ ''میں تمہیں اس کمرے سے نکالنے کے لیے ہی آئی ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔''

اس کے جواب پر سمن کو مسرت ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ ''باہر شیام کمار تو نہیں ہے؟''

''اس کی چنتا مت کرو۔ میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔'' وہ دروازہ کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

سمن اس کے پیچھے کمرے سے باہر آ گئی۔ باہر تاریکی تھی۔ وہ رک کر بولی۔ ''مجھے نظر نہیں آ رہا۔''

''چلو..... میں تمہارا ہاتھ پکڑ لیتی ہوں۔'' سون کلی کی آواز سنائی دی۔

پھر تاریکی میں اس نے سمن کی کلائی پکڑ لی مگر اس کے ہاتھ کے لمس نے سمن کے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس کا ہاتھ برف کی مانند ٹھنڈا اور زندگی کی حرارت سے محروم تھا۔ وہ دہشت زدہ سی لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ کافی دیر گزر گئی اور سفر ختم ہوا نہ تاریکی۔ سمن کے اندازے کے مطابق وہ تقریباً دو سو فٹ کا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ اس دوران نہ کوئی راستے میں رکاوٹ پیدا ہوئی اور نہ ہی اسے کسی طرف مڑنا پڑا۔ شاید وہ بالکل سیدھا راستہ تھا۔

''تم..... تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو سون کلی؟'' وہ قدم روکتی ہوئی خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''بس..... خاموشی سے چلی آؤ۔'' تاریکی میں سون کلی کی سرد سی آواز بلند ہوئی۔ ''تھوڑا فاصلہ اور چلنا پڑے گا۔''

سمن دوبارہ آگے بڑھنے لگی۔ اس کی کلائی سون کلی کی گرفت میں تھی جس کی پُراسرار ٹھنڈک اس کی ہڈیوں میں گھسی جا رہی تھی اور قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ مزید پانچ چھ منٹ بعد سون کلی نے رکتے ہوئے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ سمن رک کر اس کے آئندہ اقدام کا انتظار کرنے لگی لیکن کئی لمحے گزر گئے اور بھیانک سناٹا اس کی روح کو گھائل کرنے لگا۔

''سون کلی..... سون کلی.....!'' اس نے گھبرا کر اسے پکارا۔

جواب میں کوئی آواز نہ ابھری۔ شاید سون کلی وہاں موجود نہ تھی۔

''س..... سون..... کلی!'' اس نے دہشت زدہ ہو کر دوبارہ اس چڑیل کو آواز دی۔

ٹھیک اسی لمحے اس کے اردگرد روشنی پھیل گئی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور خوف کی شدت سے اس کا حلق خشک ہونے لگا۔ یہ ایک کشادہ کمرہ تھا۔ کمرے کی دیواروں کی حالت سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ جگہ خاصی قدیم تھی۔ چاروں دیواروں میں طاقچے تھے جن میں تیل کے چراغ جل رہے تھے۔ کمرے کا دروازہ بند نظر آ رہا تھا۔ دیواروں پر دیوی دیوتاؤں کے فریم شدہ بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں اور ان میں سب سے بڑی تصویر ایک مکڑی کی تھی۔ داہنے کونے میں ایک انسانی ڈھانچا ساکت کھڑا تھا۔ سمن خود کو اس خوفناک کمرے میں تنہا دیکھ کر خوف سے لرزنے لگی۔ وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی مگر اسے کھولنے میں ناکام رہی۔ پھر وہ دوبارہ دیواروں پر آویزاں تصویریں دیکھنے لگی۔ جونہی اس کی چکراتی ہوئی نگاہیں مکڑی کی تصویر پر پہنچیں وہ ایکدم بوکھلا گئی۔ سرخ رنگ کی مکڑی کی تصویر زندہ ہو گئی تھی اور مکڑی حرکت کر رہی تھی۔

☆☆☆

کھوپڑی کو دیکھ کر گوپال داس بے ساختہ چونک پڑا۔ اس کھوپڑی کی پیشانی کی ہڈی پر سفید رنگ کی روشن لکیر تھی۔ اس روشنی کے سبب وہ تاریکی میں بھی واضح دکھائی دے رہی تھی۔ کھوپڑی سے آواز ابھری۔

''مہاراج..... آپ سون گھاٹ پہنچیں۔ وہاں آپ کا دشمن پہنچ چکا ہے اور شیام کمار اس کا خاتمہ کرنے میں ناکام رہا ہے۔''

''اوہ..... کون سا دشمن؟'' گوپال داس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ملنگ..... وہ سمن کو گرو شیام کی گرفت سے نکالنے کے لیے آیا ہے۔''

''اوہ..... ملنگ.....'' گوپال داس چونکا۔ ''اس کا سمن سے کیا تعلق اور وہ ہے کون؟''

''مہاراج۔ وہ شنکر لال کے حریف شاستری کا شاگرد ہے اور شاستری نے ہی اسے یہاں بھیجا ہے۔'' کھوپڑی نے جواباً کہا۔

پھر وہ ایکدم پلٹی اور مندر کی طرف تیزی سے ہوا میں تیرتی چلی گئی۔ مگر گوپال داس نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ وہ پریشان ہو گیا تھا۔ چند لمحوں تک وہ وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ پھر تیزی سے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شیام کمار کے پیغام سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ شاستری کے چیلے ملنگ کے مقابلے میں کمزور تھا اس لیے اسے ختم کرنے میں ناکام ہونے کے بعد شیام کمار نے اسے فوراً سون گھاٹ پہنچنے کے لیے کہا تھا۔ ملنگ یقیناً سون گھاٹ پر موجود تھا۔ مگر گوپال داس کو حیرت یہ تھی کہ ملنگ وہاں تک پہنچ گیا تھا اور اسے پتہ نہ چلا تھا۔ چلتے چلتے اسے شنکر لال کا پیغام یاد آ گیا جس نے کہا تھا کہ شاستری اس علاقے میں داخل ہو

چکا ہے اور وہ ہوشیار رہے۔ اس کا مطلب تھا کہ ملنگ اور شاستری دونوں ہی اس علاقے میں موجود تھے۔

چند منٹ بعد مندر کے راستے سے اتر کر گھاٹ کی طرف ہو لیا۔ اس کی آنکھیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں مگر وہاں کوئی آدمی نظر نہ آ رہا تھا۔ پھر جونہی وہ مرگھٹ کے پاس پہنچا اچانک ہی راکھ کے ایک ڈھیر میں حرکت ہوئی اور اس میں سے ریچھ کے چہرے والا شیام کمار نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔

''کیا ہوا شیام...... وہ دونوں کہاں ہیں؟'' گوپال داس نے رکتے ہوئے پوچھا۔

''مہاراج...... میں آپ کے انتظار میں تھا۔'' شیام کمار نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ ''شاستری کا بالک ملنگ......!''

''میں تمہارا پیغام سن چکا ہوں شیام۔'' گوپال داس نے تیزی سے اس کی بات قطع کر دی۔ ''یہ بتاؤ کہ وہ یہاں آیا کیسے اور تم نے کیا کیا؟''

شیام کمار نے مؤدبانہ انداز میں عادل کے بارے میں اپنی ساری کارروائی بیان کر دی۔

''اب وہ کہاں ہے؟ مجھے شنکر لال کا پیغام ملا ہے کہ شاستری خود بھی یہاں پہنچ چکا ہے۔'' گوپال داس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''شاید۔ بہر حال میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔'' شیام کمار بولا۔ ''البتہ شبہ مجھے بھی ہے کہ شاستری نے ہی ملنگ کو میرے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا ہے۔ وہ ناگ جس نے مجھ پر اچانک حملہ کر کے میری گردن کو جکڑ لیا تھا، اسی کا گرگا معلوم ہوتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ملنگ یہاں سے مندر کی طرف گیا ہو گا سمن کو آزاد کروانے۔''

''اوہ......'' گوپال نے چونک کر اسے گھورا۔ ''اور تم اس کے خوف سے یہاں چھپے ہوئے ہو تا کہ وہ شنکر لال کی امانت مندر سے نکال کر لے جائے۔''

''نہیں مہاراج، میں پہلے مندر میں گیا تھا۔ سمن کا بندوبست کر کے واپس آیا تو ملنگ غائب تھا۔''

''مگر پھر بھی اس کا زندہ بچ کر نکل جانا ہمارے منہ پر کالک ہو گی شیام کمار۔'' گوپال نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم فوراً اس کا اپائے کرو۔ میں شاستری کا پتا کرتا ہوں۔ ابھی تک اس نے خود کو ظاہر کیوں نہیں کیا۔''

''آپ کے خوف سے وہ سامنے نہیں آنا چاہتا ہو گا۔'' شیام کمار نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ پلٹا اور مندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ گوپال داس نے اس کے جاتے ہی اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور پھر راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی ایک بڑی سی ہڈی اٹھا لی جو جل کر سیاہ ہو چکی تھی۔ اس نے زیر لب کوئی سحر پڑھا اور ہڈی کو فضا میں اچھال دیا۔ بلندی پر پہنچتے ہی جلی ہوئی ہڈی سفید رنگ کے سانپ میں بدل گئی۔

پھر وہ سانپ زمین پر اس کے سامنے آ گرا۔ گوپال داس کی نگاہیں اس پر مرتکز ہو گئیں۔

''میں آپ کا غلام نرائن مکرجی ہوں مہاراج۔'' سانپ اپنی جگہ پر کلبلا رہا تھا۔

''شاستری اور اس کا بالک ملنگ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟'' گوپال داس نے تحکمانہ انداز میں سوال کیا۔

جواب میں سانپ نے جو کچھ بتایا، اسے سن کر غصے سے گوپال داس کا خون کھولنے لگا۔

☆☆☆

روشنی دیکھ کر عادل نے تیزی سے آسمان کی طرف دیکھا اور چونک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک انسانی کھوپڑی ان کے سروں سے پانچ چھ گز کی بلندی پر پہنچ چکی تھی اور اس کی آنکھوں سے روشنی کی شعاعیں خارج ہو رہی تھیں۔ عادل اسے پہچان گیا۔ وہ شاستری کی طرف سے بھیجی گئی تھی۔ بخشو کھوپڑی دیکھ کر سہم گیا تھا اور ایک بار پھر اس پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔

''ملنگ...... تمہیں مہاراج شاستری نے طلب کیا ہے۔'' کھوپڑی سے آواز خارج ہوئی۔

''اوہ......'' عادل چونکا۔ ''شاستری بابا کہاں ہے؟''

''میرے پیچھے آؤ۔ میں مہاراج تک تمہاری رہنمائی کروں گی۔''

عادل نے بخشو کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''تم باغ میں پہنچو۔ میں فارغ ہو کر وہاں آؤں گا لیکن اس واقعہ کا ذکر کسی سے مت کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔''

روشن کھوپڑی ایک جانب فضا میں تیرنے لگی۔ عادل اس کے پیچھے چل پڑا۔ مرگھٹ سے باہر آ کر کھوپڑی کی آنکھیں بجھ گئیں اور وہ بستی کی طرف سفر کرنے لگی۔ عادل ستاروں کی روشنی میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔ چند منٹ بعد کھوپڑی بستی کے قریب پہنچی اور اس کی سمت دیکھ کر عادل کو حیرت ہوئی۔ کھوپڑی گوپال داس کی حویلی کی طرف پرواز کر رہی تھی۔ پھر وہ حویلی کے عقب میں واقع درختوں میں داخل ہو کر فضا میں معلق ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے دوبارہ شعاعیں خارج ہونے لگیں۔

عادل نے اس روشنی میں وہاں بیٹھے شاستری کو دیکھ کر فوراً پہچان لیا۔ اس نے سلام کیا اور بولا۔ ''بابا۔ آپ یہاں؟''

''ہاں ملنگ۔ اس نابکار شیام کمار نے سمن کو مندر سے غائب کر دیا اور خود بھی کہیں چھپ گیا ہے۔'' شاستری نے غضبناک لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ اتنی جلدی......؟'' عادل نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔ شمشان گھاٹ سے فرار ہونے کے بعد اس نے یہی کیا ہے اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ

گوپال داس کی بیٹی کو اغوا کر کے گوپال داس کو سمن کی رہائی پر مجبور کیا جائے۔''

''مگر اس سے زیادہ بہتر یہ نہیں کہ ہم گوپال داس کو پکڑیں؟'' عادل نے کہا۔

''نہیں۔ اگر وہ ہمارے ہاتھوں مارا گیا تو سمن کی تلاش میں ہمیں بہت پاپڑ بیلنے پڑ جائیں گے ملنگ بالک۔'' شاستری نے سمجھایا۔ ''جبکہ اپنی بیٹی کو واپس لینے کے لیے وہ ہماری ہر بات ماننے پر مجبور ہوگا۔ تم اندر جاؤ اور رادھا کو لے آؤ۔ میں یہاں پہرہ دیتا ہوں۔''

''کیا وہ آسانی سے میرے ساتھ آ جائے گی؟'' عادل نے پوچھا۔

''ہاں۔ اسی لیے تو خود جانے کی بجائے تمہیں یہ کام سونپ رہا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔ ''تمہارے آنے سے پہلے ہی میں معلوم کر چکا ہوں کہ تم اس سے مل چکے ہو اور وہ نہ صرف تم پر اعتماد کر چکی ہے بلکہ تمہیں پسند بھی کرتی ہے۔ اسی لیے اس نے تمہاری آمد کو نوکروں اور اپنے باپ سے مخفی رکھا ہے۔''

اس کی بات سن کر عادل کو شرم محسوس ہوئی لیکن یہ انکشاف اس کے لیے حیرت انگیز تھا کہ رادھا اسے پسند کرنے لگی تھی۔ وہ جواب میں کچھ کہے بغیر آگے بڑھا اور درختوں سے نکل کر مکان کے عقبی دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ برآمدے میں کوئی نہ تھا۔ وہ رادھا کے کمرے کے سامنے پہنچا۔ دروازہ نیم وا تھا۔ اس نے اندر جھانکا تو رادھا بستر پر چت لیٹی کھلی آنکھوں سے چھت کی طرف دیکھتی ہوئی کسی سوچ میں گم تھی۔ عادل نے اندر داخل ہونے سے پہلے پاؤں سے ہلکی سی چاپ پیدا کی تاکہ رادھا دروازے کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اچانک اندر جانے پر ممکن تھا کہ وہ یکدم اچھل پڑتی اور اس کے منہ سے کوئی آواز خارج ہو جاتی۔ اس صورت میں مکان کے احاطے میں موجود نوکر کمرے کی طرف متوجہ ہو کر اس کے لیے پریشانی کا باعث بن جاتے۔

آہٹ سن کر رادھا نے بے اختیار دروازے کی طرف دیکھا۔ تب عادل نے اپنا چہرہ آگے کیا اور اسے دیکھ کر وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔ عادل مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ رادھا حیرت و بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عادل اس کے قریب جا پہنچا۔

''اوہ...... تم......!'' اس کے منہ سے نکلا۔ ''ابھی دس منٹ پہلے ڈیڈی آئے تھے تمہارا پوچھنے۔''

''کیا وہ مجھے جانتے ہیں؟'' عادل نے آہستہ سے پوچھا۔ پھر فوراً ہی کہا۔ ''ذرا آہستہ بولو۔ کہیں نوکر نہ سن لیں۔''

''نہیں۔ وہ برآمدے سے باہر بلکہ حویلی کے باہر دروازے پر ہوں گے۔'' رادھا نے بتایا۔ ''انہی میں سے ایک نے ڈیرے پر جا کر ڈیڈی کو بتایا تھا کہ کوئی اجنبی شخص مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اس پر ڈیڈی نے

یہاں آ کر مجھ سے پوچھ گچھ کی اور میں صاف مکر گئی۔ بلکہ انہیں یقین دلانے کے لیے رونے لگی تھی۔ میرے جھوٹ پر وہ مطمئن ہو گئے اور میرے آنسو دیکھ کر گھبراہٹ میں مزید کوئی بات کیے بغیر واپس چلے گئے۔ مجھے تمہاری خاطر جھوٹ بولنا پڑا۔''

اس کے لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور نگاہوں میں عجیب سی چمک تھی۔ عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''نہیں رادھا رانی۔ تم نے جھوٹ نہیں سچ بولا تھا۔ کیونکہ اس وقت میں واقعی تم سے ملنے نہیں آیا تھا۔ لیکن اب صرف تمہارے لیے مجھے آنا پڑا ہے اور اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے۔''

''اوہ...... کیا واقعی!'' رادھا حیرت و مسرت کے ملے جلے تاثر سے بولی۔

''ہاں۔'' عادل مسکرایا۔ ''میرا خیال ہے مزید باتیں باہر چل کر کریں۔ کہیں تمہارا باپ یا نوکر نہ آ جائیں۔ کیا خیال ہے؟''

''شاید۔ کیونکہ نوکروں نے ڈیڈی کو شک میں ڈال دیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ پھر کوئی گڑبڑ کر دیں خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

عادل کو دل میں افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس معصوم کے اعتبار کو دھوکا دے رہا ہے مگر مجبوری تھی۔ ایک تو شاستری کی خواہش تھی اور دوسرا سمن کی زندگی کا معاملہ تھا جو اس کی محبت تھی اور جس کے لیے وہ اپنے دین و مذہب کے برخلاف کالے علوم سے تعلق قائم کیے ہوئے تھا۔ وہ دونوں دبے پاؤں کمرے سے باہر آئے اور عمارت کے عقبی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ باہر آ کر رادھا کے قدم رک گئے۔

''ادھر......!'' عادل نے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔

رادھا اس کے پیچھے چلتی ہوئی درختوں کے درمیان پہنچی تو وہاں اندھیرا تھا۔ عادل نے شاستری کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا لیکن تاریکی میں کچھ نظر نہ آیا۔ اسی لمحے عقب سے رادھا کی تیز کراہ بلند ہوئی۔

''اوہ...... کیا ہوا؟'' عادل نے تیزی سے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

مگر رادھا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اندھیرے کے سبب وہ نظر نہ آ رہی تھی۔ عادل نے آہستہ سے پکارا۔ اسی لمحے وہاں روشنی پھیل گئی۔ چند فٹ کی بلندی پر معلق کھوپڑی کی آنکھیں روشن ہو گئی تھیں۔ روشنی ہونے پر عادل بے اختیار اچھل پڑا۔ دو قدم کے فاصلے پر شاستری کھڑا مسکرا رہا تھا اور رادھا غائب تھی۔

☆☆☆

دہشت سے سمن پر لرزہ طاری تھا اور وہ تصویر والی مکڑی کو حرکت کرتے دیکھ رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ مکڑی اپنی گول گول نیلی آنکھوں سے اس کی طرف گھور رہی تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی اور دیوار سے جا لگی۔ مکڑی بلاشبہ حرکت کر رہی تھی۔ اس کی پتلی پتلی بال دار ٹانگیں حرکت میں تھیں۔ چند لمحوں

بعد مکڑی ساکت ہوگئی۔ سمن نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھاما اور فرش پر بیٹھ گئی۔ ''شاید میں پاگل ہوگئی ہوں۔ فریم کے اندر نصب کوئی بے جان تصویر کیسے حرکت کرسکتی ہے؟'' اس نے سوچا۔

پھر دوبارہ مکڑی کی تصویر کی طرف دیکھا اور کھڑی ہوگئی۔ مکڑی کی تصویر میں کوئی حرکت نہ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور تصویر کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے فریم کو چھوا۔ وہ واقعی ایک بے جان مکڑی کی تصویر ہی تھی۔ اسی لمحے عقب میں آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا تو دروازہ کھل چکا تھا اور آدم خور چڑیل سون کلی اندر آرہی تھی۔

''کہو...... یہ جگہ پسند آئی؟'' سون کلی بھیانک انداز میں مسکرائی۔

''تم...... تم مجھے یہاں کیوں لے آئی ہو؟ میں اس عمارت سے باہر جانا چاہتی ہوں۔'' سمن نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''تم ہنومان کے مندر میں نہیں ہو۔ وہاں سے میں تمہیں نکال لائی ہوں۔''

''میں آزادی چاہتی ہوں تا کہ اپنے گھر......''

''گھر......'' سون کلی بھیانک آواز میں ہنسی۔ ''فی الحال یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ شیام کمار آئے گا تو اس سے بات کرنا۔ مجھے صرف تمہاری خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔ میں ابھی تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔''

وہ پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ بند ہوگیا اور سمن فرش پر بیٹھ گئی۔ ایک منٹ بعد دروازہ پھر کھلا اور سون کلی اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ اس نے ٹرے سمن کے سامنے فرش پر رکھی اور پلٹ کر باہر چلی گئی۔ دروازہ بند ہونے پر سمن نے ٹرے پر نظر ڈالی۔ اس میں کھانا رکھا تھا۔ کھانا دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی مگر سالن کے برتن میں جھانکتے ہی وہ بوکھلا گئی۔ اس میں سرخ سرخ شوربا تھا جس میں ناخن سمیت کٹی ہوئی دو انسانی انگلیاں نظر آرہی تھیں۔ یقیناً وہ شوربا بھی خون ہی تھا۔

سمن کو سون کلی پر بے تحاشہ غصہ آیا اور اس نے سالن کا برتن اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ دوسرے ہی لمحے وہاں ایکدم اندھیرا پھیل گیا۔ سمن خوفزدہ ہوگئی۔ پھر تاریکی میں سون کلی کی بھیانک آواز ابھری۔

''بے وقوف لڑکی۔ تم میری مہمان ہو اور تمہیں زندہ رہنا ہے تو وہی کچھ کھانا پڑے گا جو میں کھاتی ہوں۔ اب بھوک سے تڑپتی رہو۔''

سمن کچھ نہ بولی۔ اندھیرے میں اسے وحشت ہورہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ اٹھ کر ٹٹولتی ہوئی دروازے تک آگئی۔ اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ نہ کھلا۔

''دروازہ کھولو، روشنی کرو۔'' وہ دروازہ پیٹتی ہوئی چلائی۔ ''او چڑیل بڑھیا، تم کہاں ہو؟ روشنی کرو۔''

چند لمحوں بعد کمرے میں پھر روشنی پھیل گئی۔ طاقچوں میں رکھے تیل کے چراغ خود بخود جل اٹھے تھے۔ وہ خوفزدہ ہوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ بائیں جانب دیوار پر ایک گول آئینہ نصب تھا۔ وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ مگر آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوگئی۔

''کک...... کیا...... کیا یہ میرا چہرہ ہے؟'' وہ بڑبڑائی۔

''تھوڑے ہی عرصے میں اس کی شکل میں عجیب سا تغیر ہوگیا تھا۔ اس کا چہرہ خوف کی شدت سے زرد ہوگیا تھا اور رخسار پچکے ہوئے تھے جبکہ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ وہ آئینے کے سامنے سے ہٹی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے دہشت زدہ سی چیخ نکل گئی۔ بائیں دیوار کے اوپر بھورے رنگ کی ایک مکڑی آہستہ آہستہ حرکت کررہی تھی۔ بالکل زندہ اور مجسم مکڑی۔ اس کی گول گول نیلی آنکھیں سمن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ سمن نے خوفزدہ ہوکر اس سے نگاہیں ہٹائیں اور دروازے کی طرف دیکھا تو ویسی ہی ایک اور مکڑی دروازے کے نیچے سے اندر آتی دکھائی دی۔ اس کے بعد دوسری اور پھر تو لائن ہی لگ گئی۔

سمن دہشت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیوار اور فرش پر رینگتی مکڑیوں کو دیکھ رہی تھی اور خوف کی شدت سے اس کا ذہن ماؤف ہوتا جارہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹی اور دوسری دیوار سے لگ کر آنکھیں بند کرلیں۔ ایک دو لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو منظر تبدیل ہوچکا تھا۔ اب فرش پر مکڑیوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے بے شمار سانپ رینگتے پھر رہے تھے۔ وہ دہشت سے چلائی اور پھر چکرا کر فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کے گرتے ہی تمام سانپ ایک دم غائب ہوگئے۔ اس نے ڈوبتے ذہن کے ساتھ یہ منظر دیکھا تو خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ چند منٹ بعد وہ اٹھ بیٹھی۔

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک بار پھر چراغ بجھ گئے اور کمرے میں گھور اندھیرا پھیل گیا۔ وہ گھبرا کر فرش سے اٹھ گئی۔ پھر دروازے کی طرف اندازے سے قدم بڑھائے لیکن دروازے کی بجائے دیوار سے جا ٹکرائی۔ ٹھیک اسی لمحے دائیں جانب سے ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ کررر۔ کرر۔ کرر۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شے دیوار پر رینگ رہی ہو۔ اس نے کان لگا کر وہ آواز سنی اور خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ پُراسرار آواز آہستہ آہستہ اس کے قریب آتی جارہی تھی۔ اس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہ آیا۔ چند لمحوں کے لئے وہ خوفناک آواز رکی اور پھر دوبارہ سنائی دینے لگی۔ خوف سے اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ آواز قریب آگئی۔ ''کرر...... کرر...... کرر......''

سمن نے اپنے تمام حواس مجتمع کر کے اپنی گردن اس آواز کی سمت موڑی تو اندھیرے میں دو ننھی ننھی اور چمکدار آنکھیں دکھائی دیں۔ پھر ان آنکھوں کے گرد آہستہ آہستہ ایک بھیانک مکڑی کا جیتا جاگتا ہیولا سا بن گیا۔ وہ مکڑی جس کی بڑی بڑی آٹھ ٹانگیں تھیں اور انڈے کے برابر بڑا جسم، وہ نیلی گول گول آنکھوں سے سمن کو گھور رہی تھی۔ سمن فرش پر بیٹھی تھی اور اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے اچھل کر سینے سے باہر آ جائے گا۔ خوفناک مکڑی اس کے سرہانے سے تقریباً دو فٹ کے فاصلے پر تھی۔ وہ خوف سے ساکت پتھر کے بت کی طرح اس کی طرف دیکھتی ہوئی مکڑی کی آواز سن رہی تھی۔ مکڑی نے اپنی بال دار لمبی لمبی ٹانگیں چلائیں اور مزید قریب آ گئی۔ سمن کی دہشت کے مارے آنکھیں حلقوں سے باہر کو ابلنے لگیں۔ حلق سوکھ کر کانٹا بن گیا اور گلے کی رگیں پھول گئیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ خوف کی شدت سے چلانے لگی۔

☆☆☆

گوپال داس غضبناک درندے کی طرح چنگھاڑا اور دوسرے ہی لمحے پلٹ کر اپنی حویلی کی طرف دوڑ پڑا۔ سانپ نے اسے بتایا تھا کہ شاستری اور اس کا بالک ملنگ اس کے گھر کے عقبی درختوں میں موجود ہیں۔ اس خبر سے اس کے ذہن میں فوراً ہی اس اندیشے نے جنم لیا کہ شاستری اپنی بیٹی سمن کے بدلے میں اس کی بیٹی رادھا کو اغوا کرنے کے لیے وہاں گیا ہے۔ وہ غصے سے بل کھاتا اور ایک خطرناک منتر کا جاپ کرتا ہوا اپنے مکان کے عقبی درختوں کے پاس پہنچا۔ وہاں تاریکی تھی۔ اس نے ایک خشک لکڑی اٹھا کر اس کے سرے پر پھونک ماری اور لکڑی کا سرا مشعل کی طرح جلنے لگا۔ وہ درختوں میں گھس گیا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ تب وہ مکان کے عقبی دروازے کی طرف لپکا۔ وہ مکان میں داخل ہوا اور سیدھا رادھا کے کمرے میں پہنچا۔ مگر اندر داخل ہوتے ہی اس کے ذہن کو جھٹکا لگا اور اس کے قدم رکتے چلے گئے۔ رادھا کمرے سے غائب تھی۔ اس کا بستر خالی پڑا تھا۔ اس کے جوتے بھی غائب تھے۔ گویا شاستری اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ گوپال کا ذہن اس صدمے سے ایک دو لمحوں کے لئے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ مگر پھر کسی موہوم سی امید پر اس نے کمرے سے باہر آ کر رادھا کو بلند آواز سے پکارا مگر کوئی جواب نہ آیا۔ صحن میں دونوں ملازم کھڑے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"او بدبختو...... رادھا کہاں ہے؟" گوپال داس چلایا۔

"مم...... مم...... معلوم نہیں مہاراج۔" لکھو رام اس کے غصے سے بوکھلا گیا۔ "ادھر تو نہیں آئی۔"

گوپال داس دوبارہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسے خیال آیا ملازموں پر غصہ کرنا فضول ہے۔ شاستری کوئی معمولی رشی نہ تھا کہ اپنی آمد و رفت کسی پر ظاہر کرتا۔ رادھا کے جوتے غائب ہونے کا مطلب تھا کہ وہ

خود کمرے سے باہر نکلی تھی اور اسے دھوکا دے کر اغوا کیا گیا ہوگا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا مکان سے باہر آیا اور زمین سے چٹکی بھر مٹی اٹھا کر ہوا میں اچھال دی۔ دوسرے ہی لمحے فضا میں گہرے سفید دھوئیں کا ایک مرغولہ نمودار ہوا اور اس کے سر پر چکرانے لگا۔ جلد ہی اس دھوئیں نے ایک کھوپڑی کی شکل اختیار کر لی۔

"رادھا کہاں ہے؟" گوپال داس نے کھوپڑی سے سوال کیا۔

"مہاراج...... وہ میری نگاہوں کی دسترس سے باہر ہے۔" کھوپڑی سے آواز آئی۔

"شاستری اور اس کا چیلا ملنگ کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"وہ دونوں ہنومان جی کے مندر میں داخل ہو چکے ہیں۔"

"اوہ...... کیا شیام کمار نے انہیں روکا نہیں؟" گوپال داس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں مہاراج۔ وہ مندر میں موجود نہیں ہے۔" کھوپڑی نے ہوا میں گھومتے ہوئے جواب دیا۔ "شیام کمار سیتلا دیوی کے مندر میں پہنچ چکا ہے جو دہلی کے نواحی قصبے میں ہے۔"

"کیوں...... وہ کیوں چلا گیا مجھے بتائے بغیر؟" وہ غصے سے بولا۔

"اپنی جان بچانے کے لیے۔ کیونکہ شاستری کا مقابلہ کرنے کی اس میں شکتی نہیں تھی۔"

گوپال داس نے ایک دو لمحوں تک سوچا پھر تحکمانہ لہجے میں بولا "مہاراج شنکر لال کو اطلاع کر دو کہ شاستری نے میری بیٹی رادھا کو اغوا کر لیا ہے۔ وہ اس کا کھوج لگائے اور مجھے اطلاع دے۔ میں خود بھی شاستری کی سرکوبی کے لئے مندر جا رہا ہوں۔"

اس کا پیغام سن کر کھوپڑی کے کان اور ناک کے سوراخوں سے دھواں خارج ہونے لگا اور وہ اس گہرے دھوئیں میں چھپ گئی۔ پھر وہ دھواں بھی ہوا میں منتشر ہوتا چلا گیا۔ لیکن گوپال داس اس پر توجہ دیے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ مندر کی طرف تھا جہاں کھوپڑی کے بیان کے مطابق اس کے دشمن موجود تھے۔ غم و غصے سے اس کا برا حال تھا اور وہ دل میں عہد کر چکا تھا کہ شاستری اور اس کے چیلے کو زندہ نہیں چھوڑے گا جنہوں نے اس کی اکلوتی بیٹی کو اغوا کر لیا تھا۔ جلد ہی وہ ہنومان مندر کے قریب جا پہنچا۔ مندر کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے ایک جاپ پڑھ کر مندر کی جانب پھونکا تا کہ اندر سے کوئی باہر نہ نکل سکے۔ پھر وہ ایک خطرناک سحر پڑھتا ہوا مندر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے دبے پاؤں آگے بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

شاستری اور عادل نے چند منٹ میں ہنومان مندر کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن سمن کا کوئی سراغ نہ ملا۔ مندر میں چند پجاریوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ شیام کمار بھی غائب تھا۔ پجاریوں سے کچھ معلوم کرنا بیکار ہی تھا

کہ ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور وہ بے خبر سو رہے تھے۔ پھر شاستری ہنومان کے مجسمے کے سامنے بیٹھ کر کوئی نامعلوم عمل پڑھنے لگا اور عادل ایک طرف کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ چند لمحوں بعد شاستری نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور غصے سے سیاہ چہرہ مزید سیاہ ہو چکا تھا۔ یقیناً کوئی خاص بات تھی۔ عادل نے اندازہ لگایا مگر خاموش رہا۔

''آ ؤ ملنگ...... سمن یہاں سے بہت دور پہنچ چکی ہے۔'' وہ اٹھتا ہوا عادل سے مخاطب ہوا۔

''تمہارا گیان درست ہے نابکار!'' دفعتاً دروازے کی طرف سے ایک غضب ناک آواز بلند ہوئی۔

عادل نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا خونخوار نگاہوں سے شاستری کو گھور رہا تھا۔

''اچھا ہوا تم خود آ گئے گوپال داس......!'' شاستری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''ورنہ اب میں تمہاری ہی طرف جانے والا تھا۔''

''میری بیٹی کہاں ہے راکھشس؟'' گوپال داس نے کٹکھنے لہجے میں پوچھا۔

''تمہیں مجھ سے اس سوال کے جواب کی توقع کیوں ہوئی گوپال داس؟'' شاستری نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنا ڈالوں گا شاستری۔'' گوپال داس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ''تم نے میری عزت پر ہاتھ ڈال کر اپنی زندگی کی آخری غلطی کی ہے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''زبان کو لگام دو مورکھ۔'' جواب میں شاستری غرایا۔ ''تم نے میری بیٹی کو اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے۔ وہ میری عزت نہیں تھی؟''

''میں نے نہیں، تمہارے دشمن شنکر لال نے یہ سب کچھ کیا۔ میرے پاس تو وہ اس کی امانت تھی۔''

''تو اب یوں سمجھ کہ تمہاری بیٹی میرے پاس امانت ہے اور جو سلوک سمن کے ساتھ کیا جائے گا وہی رادھا کے ساتھ ہوگا۔''

عادل ایک طرف خاموش کھڑا ان دونوں کی طرف دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ شاستری نے اسے نہیں بتایا تھا کہ اس نے رادھا کو کہاں غائب کر دیا ہے اور اسے اپنے گرگوں کے ذریعے کس جگہ پہنچایا ہے۔ اس نے خود بھی شاستری سے اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کیا تھا نہ ہی اسے موقع ملا تھا کیونکہ رادھا کے غائب ہونے کے بعد فوراً ہی شاستری اسے ساتھ لے کر مندر کی طرف آ گیا تھا۔

''او ملیچھ...... تو میری بیٹی کو اپنی بیٹی کا ہم مرتبہ سمجھتا ہے۔'' گوپال داس غرایا۔ ''میری بیٹی سیتا ہے۔ تو اُسے ویشیا کے ساتھ ملا رہا ہے۔ کیا میں تیری اصلیت نہیں جانتا شودر کے بچے!''

اس کی بات سن کر شاستری کا چہرہ غیض و غضب سے بگڑ گیا اور غصے کی شدت سے آنکھیں خون برسانے لگیں۔ وہ دانت پیستا ہوا بولا۔

''زبان کو لگام دے اپرادھی۔ ورنہ ابھی تحت الثریٰ پہنچ جائے گا۔'' شاستری کی آواز میں قہر کی بجلیاں کوندر ہی تھیں۔ ''میری بیٹی ویشیا نہیں، سورگ کی اپسرا اور کرشن جی دیوتا کی گوپی ہے۔ ویشیا تو تیری رادھا ہے جو چند لمحوں کی ملاقات میں ہی میرے بالک کو دل دے بیٹھی۔ اپنے دین و مذہب کو بھول کر ایک مسلمان پر عاشق ہو گئی۔''

''کیا......؟'' گوپال داس نے حیرت و غصے سے چیختے ہوئے بے اختیار عادل کی طرف دیکھا۔

''ہاں...... مگر تو حیران کیوں ہے۔ یہ کیوں بھول رہا ہے کہ اپرادھیوں کی اولاد بھی اپرادھی اور پاپی ہوتی ہے!'' شاستری ہنسا۔

''نہیں......!'' وہ چیخا۔ ''یہ غلط ہے۔ تیری بیٹی ملنگ سے عشق کرتی ہے۔ اس کا پاپ چھپانے کے لئے تو ایسا کہہ رہا ہے نابکار۔''

''ہاں...... وہ اسے پسند کرتی ہے اور میں بھی اس کی شادی ملنگ سے کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں لیکن تیری بیٹی نے تیری برہمن قوم کے منہ پر کالک مل دی ہے۔ اگر یہ غلط ہوتا تو وہ ملنگ کے ساتھ گھر سے باہر آنے کی بجائے شور شرابا کرتی۔''

''بس...... اب ایک لفظ بھی آگے مت کہنا۔'' گوپال داس غصے سے مٹھیاں بھینچتا ہوا غرایا۔ ''جلدی بتا۔ رادھا کہاں ہے؟''

''تو بتا۔ سمن کہاں ہے۔ اگر تو اسے واپس کر دے تو رادھا تمہیں مل جائیگی۔ ورنہ اسے بھول جا۔'' شاستری نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''میں نہیں جانتا کہ شیام کمار اسے کہاں لے گیا۔ میرا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔''

''حالانکہ میں جان چکا ہوں کہ وہ اپرادھی اسے دہلی لے گیا ہے...... اور یاد رکھ جب تک میری بیٹی مجھے نہیں ملے گی تم رادھا کی شکل بھی نہ دیکھ سکو گے۔''

''میں تمہارا خون پی جاؤں گا نابکار۔'' وہ جبڑے بھینچتا ہوا دو قدم آگے بڑھ آیا۔

''ہاہاہا......'' شاستری نے قہقہہ لگایا۔ ''شودر کا خون پیو گے برہمن کے بیٹے!''

گوپال داس نے جواب دینے کی بجائے شاستری پر پھونک ماری۔ اس کے منہ سے بھڑکتا ہوا شعلہ نکل کر شاستری کی طرف لپکا لیکن راستے میں ہی بجھ گیا۔

''تیرا کوئی منتر مجھ پر اثر نہیں کرے گا پاپی۔'' شاستری ہنسا۔ ''میں نے کالی دیوی کے چرنوں میں

چالیس دن ضائع نہیں کیے۔"

"میں تمہیں نشٹ کردوں گا۔" گوپال غرایا۔

اور فوراً ہی کچھ پڑھ کر شاستری کی طرف ہاتھ پھیلا دیا۔ اس کے ہاتھ سے کڑکتی ہوئی بجلیاں خارج ہوئیں اور ایک ثانیہ کے لیے مندر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی سے چمک اٹھا۔ مگر اس کا کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا اور گوپال داس کے چہرے پر گھبراہٹ پھیل گئی۔

"سن گوپال...... تیری میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔" شاستری نے سخت لہجے میں کہا۔ "اسی لیے تو میری بیٹی کو دہلی سے واپس منگوا کر میرے حوالے کر دے تجھے تیری بیٹی مل جائے گی۔ میں جا رہا ہوں۔ سودا منظور ہو تو سمن کو میرے پاس پہنچا دینا۔"

"تم یہاں سے باہر نہیں جا سکتے۔ تمہارے فرار کے راستے بند ہیں۔" گوپال اسے گھورتا ہوا بولا۔

"پروا نہیں۔ میں راستہ کھول لوں گا۔ مگر اب تیرا زندہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔" شاستری نے اس کی طرف ہاتھ پھیلایا۔

عادل دیکھ رہا تھا۔ شاستری کے ہاتھ سے نیلے رنگ کی ایک شعاع خارج ہو کر گوپال کے بدن سے ٹکرائی اور وہ چیختا ہوا فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی اس کا جسم ساکت ہوتا چلا گیا۔

☆☆☆

اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور چھت کی طرف خالی خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ آہستہ آہستہ اس کے حواس لوٹ رہے تھے۔ پھر اس نے حرکت کی اور دائیں جانب گردن موڑی تو اس کی نظر سپاٹ دیوار پر پڑی۔ اس دیوار میں بلندی پر ایک روشندان تھا جس سے سورج کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ روشندان دیکھ کر وہ بے ساختہ چونکی اور اس کی یادداشت کا منقطع سلسلہ بحال ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کروٹ بدل کر اٹھنے لگی مگر کروٹ لیتے ہی دھم سے نیچے فرش پر آ پڑی۔ پشت کے بل گرنے سے چوٹ تو نہ آئی لیکن اندازہ ہو گیا کہ وہ پلنگ سے گری تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ اسے یاد آیا کہ وہ خوفناک مکڑی کو دیکھ کر چیخنے لگی تھی اور پھر شاید بے ہوش ہو گئی تھی۔ مکڑی کا خیال آتے ہی وہ ایک بار پھر خوفزدہ ہو گئی مگر کمرے کی حالت دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ یہ وہ کمرہ نہ تھا جہاں چڑیل سون کلی نے اسے قید کیا تھا۔

یہ کوئی نئی جگہ تھی۔ کمرہ اچھا خاصا بڑا اور کسی نئی عمارت کا لگ رہا تھا۔ پلنگ کے علاوہ وہاں ایک میز بھی سرہانے رکھی تھی جس پر پانی کا جگ اور گلاس رکھا تھا۔ ساتھ ہی بسکٹوں سے بھری پلیٹ نظر آ رہی تھی۔

کمرے کا واحد دروازہ بند تھا اور اس پر پینٹ کیا ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ اسے وہاں کون اور کیوں لایا تھا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بسکٹ دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی تھی۔ چنانچہ وہ اٹھ بیٹھی اور بسکٹ اٹھا کر کھانے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ اس وقت کہاں پر ہے۔

گزشتہ چوبیس یا شاید چھتیس گھنٹوں سے اس نے کچھ نہ کھایا تھا اس لیے شدت کی بھوک کے سبب وہ پلیٹ میں رکھے تمام بسکٹ کھا گئی۔ پھر پانی کے دو گلاس بھی حلق میں انڈیلے اور کچھ جان میں جان آئی۔ پھر وہ بستر سے اتر کر دروازے پر آئی۔ دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو ناکام رہی۔ وہ باہر سے بند تھا۔ تب اس نے زور سے دو چار ہاتھ مارے اور پیچھے ہٹ گئی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور آنے والے کو دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ وہ ابھی تک قیدی ہے۔ وہ شیام کمار ہی تھا مگر اس وقت ریچھ کے چہرے کی بجائے اصل شکل میں تھا۔ اسی شکل میں وہ اسے اغوا کرنے بھلوال میں اس کے گھر آیا تھا۔

"کیا بات ہے چھوکری؟" اس نے سمن کو گھورتے ہوئے درشت لہجے میں پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے اور تم نے مجھے یہاں کیوں بند کر رکھا ہے؟"

"یہ وہ جگہ ہے جہاں تمہارا باپ کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اب تم ہندوستان کی سرزمین پر ہو۔"

"ہندوستان!" وہ حیرت سے اچھل پڑی۔ "مگر تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"اس لیے کہ تم میرے پاس مہاراج شنکر لال کی امانت ہو اور تمہارا باپ تمہیں مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، لیکن جب تک شنکر لال نہ چاہے میں تمہیں اپنی گرفت سے نہیں نکلنے دوں گا۔ شنکر لال یہاں آئے گا اور تمہاری قسمت کا فیصلہ کرے گا۔ اس وقت تم آرام سے رہو ورنہ میں تمہیں پھر آدم خور مکڑیوں کے حوالے کر دوں گا۔"

"نن...... نہیں۔" وہ مکڑیوں کے تصور سے چیخ پڑی۔ اسی اثناء میں ایک ادھیڑ عمر سادھو آ موجود ہوا۔

"لو مہاراج...... اسے ہوش آ گیا۔" شیام کمار نے سادھو کو دیکھتے ہی کہا۔ "اب آپ جانیں اور یہ جانے۔ مجھے آگیا دیجئے۔"

"نہیں شیام...... مجھے ابھی تمہاری ضرورت ہے۔" سادھو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے میری امانت کی حفاظت کی ہے اور میں محسن کش نہیں ہوں۔ میں تمہیں اس سیوا کے بدلے ایک ایسا انتر دینا چاہتا ہوں جس کے حصول کے لئے مجھے بیس سال تک سومناتھ دیوتا کے چرنوں میں پراتھنا کرنا پڑی تھی۔ تم باہر ٹھہرو۔ میں اس لڑکی سے بات کر کے تم سے ملتا ہوں۔"

شیام کمار کمرے سے باہر چلا گیا۔ ان کی گفتگو سے سمن سمجھ گئی کہ وہ سادھو شنکر لال ہے جس کے حکم پر شیام کمار نے اسے اغوا کیا تھا۔ وہ شیام کمار کے جانے کے بعد سمن کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی نگاہوں

میں ہوس کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔

''سمن......!'' دفعتاً اس نے نرم لہجے میں مخاطب کیا۔ ''میں شنکر لال ہوں۔''

''جانتی ہوں۔'' سمن نے غصے سے کہا۔ ''مگر تم نے مجھے کیوں اغوا کرایا ہے؟''

''تمہارے باپ شاستری کو سبق سکھانے کے لئے۔'' اس کے لبوں پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''وہ میرا جانی دشمن ہے اور میں اپنے دشمنوں کو اذیت پہنچا کر بے حد خوشی محسوس کرتا ہوں۔ تم بے حد خوبصورت اور نوجوان ناری ہو جبکہ میرا دل بھی ابھی تک جوان ہے۔ میں اپنی آتما کی تسکین کے لئے تمہارے اس ہوشربا اور نوخیز شریر سے کھیلنا چاہتا ہوں۔

''بکواس بند کر پاپی......!'' سمن چلا اُٹھی۔ ''میں...... میں...... خودکشی کر لوں گی......'' غصے کی زیادتی کی وجہ سے اسے الفاظ نہ سوجھ رہے تھے۔

شنکر لال اس کی بات قطع کرتا ہوا بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ اگر تم اپنی عزت بچانا چاہتی ہو تو تمہیں میرے احکامات کی تعمیل کرنا ہو گی۔ شنکر لال کا لہجہ سخت ہو گیا۔'' میں پاکستان چھوڑ آیا ہوں۔ یہاں اجنبی ہوں۔ تم میری دست راست بن جاؤ۔ یاد رکھو تمہارا باپ اور تمہارا عاشق تمہیں میری گرفت سے کبھی آزاد نہیں کرا سکتے۔ اس لیے ان کی طرف سے تو تم مایوس ہو جاؤ۔''

''نہیں...... میرا باپ مجھے آزاد کرانے ضرور آئے گا۔'' سمن نے بڑے وثوق سے کہا۔

''اچھا۔ جب تک وہ نہیں آتا، اس وقت تک میرے اشاروں پر چلو گی۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''میں یہاں اپنا آشرم بناؤں گا اور تم اپنی ہم عمر اور خوبصورت لڑکیوں کو میرے پاس لایا کرو گی۔''

''ہرگز نہیں...... میں تمہارے پاپ میں کبھی شریک نہیں ہوں گی۔''

''سوچ لو...... چند منٹ بعد میں دوبارہ آؤں گا تمہارا فیصلہ سننے کے لیے۔'' شنکر لال مسکرایا۔ ''اور اگر تم نے انکار کیا تو پھر مجھے تم سے ہی اپنے من کی پیاس بجھانا پڑے گی۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

شاستری اور عادل سون گھاٹ کے مندر سے باہر آئے اور وہاں سے سجاول خان کے باغ میں پہنچ گئے۔ بخشو وہاں موجود تھا لیکن بے حد خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ اور بھی گھبرا گیا۔ عادل نے اُسے تسلی دی۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں بخشو۔ آرام سے سو جاؤ۔'' پھر اس نے شاستری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے گرو ہیں۔'' وہ دونوں چارپائی پر بیٹھ گئے۔ بخشو متوحش نگاہوں سے شاستری کی

طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ نے سمن کے بارے میں معلوم کیا؟'' عادل نے شاستری سے پوچھا۔

''شیام کمار اُسے بھارت لے گیا ہے۔ لیکن میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔''

''اوہ...... اس کا مطلب ہے ہمیں اس کے پیچھے بھارت جانا پڑے گا۔''

''ظاہر ہے۔'' شاستری نے کندھے اُچکائے۔ ''اگر وہ نابکار گوپال داس مجھے غضبناک کر کے اپنی موت کو آواز نہ دیتا تو میں اسے مجبور کر دیتا کہ وہ شیام کمار اور سمن کو واپس طلب کرے۔''

''تو کیا وہ مر گیا؟'' عادل نے حیرت سے پوچھا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ محض بے ہوش ہوا ہے۔''

''نہیں ملنگ، اس اپرادھی کا مر جانا ہی بہتر تھا۔'' شاستری آہستہ سے غرایا۔ ''اگر وہ بچ جاتا تو ہاتھ سے نکل جاتا۔ اس طرح ہمیں ایک ہی وقت میں تین تین دشمنوں سے نپٹنا پڑتا اور کام لمبا ہو جاتا۔''

پھر شاستری نے بخشو کو مخاطب کیا۔ ''شہر جانے والی پہلی لاری سڑک سے کس وقت گزرتی ہے؟''

''پ...... پانچ بجے۔'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔

اس کے خوف پر عادل مسکرا دیا۔ پھر بولا۔ ''بخشو خان گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے گاؤں کا جاگیردار گوپال داس مر چکا ہے۔ مندر میں اس کی لاش پڑی ہے۔ اسے بدروحوں نے اس کے گناہوں کی سزا دی ہے اور ہم نے بڑی مشکل سے تمہاری جان بچائی ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ ان واقعات کے بارے میں تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلنا چاہیے ورنہ بدروحیں تمہیں بھی مار ڈالیں گی۔ اگر تم نے کسی بھی دور میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ گوپال داس کی موت کا تمہیں علم تھا تو پولیس تمہیں پکڑ کر پھانسی پر چڑھا دے گی۔ کہنے کا مطلب ہے کہ جو کچھ تم نے سنا ہے بھول جاؤ۔ جو کچھ دیکھا ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ۔''

''ٹھیک ہے...... جیسا تم کہو، کروں گا۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''سجاول خان کو میرے بارے میں بتانا کہ میرا چچا آیا تھا اور مجھے واپس لے گیا، سمجھے؟''

بخشو نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ پھر عادل کی ہدایت پر وہ ایک چارپائی لے آیا۔ عادل اس پر لیٹ گیا۔ شاستری بھی دراز ہو گیا مگر وہ کسی سوچ میں ڈوبا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عادل سمجھ چکا تھا کہ اس نے بخشو سے لاری کے بارے میں کیوں پوچھا تھا۔ چنانچہ وہ کچھ دیر آرام کر لینا چاہتا تھا۔ جلد ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

صبح چار بجے کے قریب شاستری نے عادل کو جگایا۔ بخشو سو رہا تھا۔ شاستری بولا۔ ''آؤ چلتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ لاری نکل جائے۔''

وہ دونوں باغ سے نکلے اور مین روڈ کی طرف چل دیے۔ مین روڈ پر پہنچے تو بس اسٹاپ پر ویرانی تھی۔

وہ سڑک کے کنارے بیٹھ گئے۔

''سنو ملنگ!'' چند لمحوں بعد شاستری نے عادل کو مخاطب کیا۔ ''تم یہاں سے کراچی چلے جاؤ۔''

''کراچی......!'' عادل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں...... وہاں سے تم ہوائی جہاز کے ذریعے دہلی چلے جانا۔''

''اوہ...... مگر پاسپورٹ اور ویزا کے بغیر میں کیسے جہاز میں سوار ہو سکوں گا؟''

''سب انتظام ہو جائے گا۔'' شاستری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم کراچی پہنچ کر رخسانہ کے گھر ٹھہرنا۔''

''کیا......!'' عادل نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

''میں سب جانتا ہوں ملنگ...... میں تمہاری طرف سے غافل نہیں رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں کوئٹہ کے پہاڑوں میں کیسے پہنچے' ور رخسانہ تمہیں کتنا چاہتی ہے۔ تم نے خود بھی تو اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا اس کے گھر آنے کا۔'' وہ مسکراتا رہا۔ ''بہر حال تمہیں وہاں پہنچنے کے چند دن بعد سفری کاغذات مل جائیں گے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اچانک عادل کو رادھا کا خیال آ گیا کہ رخسانہ کی طرح وہ بھی تو اُسے چاہتی تھی۔

''آپ نے رادھا کا کیا کیا، وہ کہاں ہے؟'' اس نے شاستری سے پوچھا۔

''وہ محفوظ جگہ پر ہے۔ مگر تمہارا جانا بیکار ہے۔ میں اسے واپس اس کے گھر بھجوا دوں گا۔ گوپال داس کے مرنے کے بعد اس کی اہمیت ختم ہو گئی ہے۔ اب وہ ہمارے لئے بیکار ہے۔''

لاری آنے تک شاستری اسے مختلف ہدایات دیتا رہا۔ عادل نے پوچھا۔ ''تو کیا آپ دہلی نہیں جائیں گے؟''

''نہیں۔ میں شنکر لال کی سرکوبی کروں گا۔ پھر دہلی جاؤں گا۔'' شاستری بولا۔ ''کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے، شیام کمار آسانی سے ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ شیام کمار کی مدد کرتا رہے گا۔''

''تو پھر میرا شیام کمار کے پیچھے جانا بیکار ہے اگر وہ اتنا ہی طاقتور ہے۔''

''تمہارا جانا ضروری ہے ملنگ۔ مگر یہ بات ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ وہاں پہنچ کر ہی تم جان سکو گے مجھ سے پہلے تمہارا وہاں پہنچنا کیوں ضروری ہے۔ ہاں جب بھی تم کسی مشکل میں پڑو، مجھے یاد کر لینا میں تمہیں مشکل سے نکال لوں گا۔ ایک بات کا خیال رکھنا وہاں پہنچ کر خود کو مکمل مقامی بنا لینا۔''

عادل کی سمجھ میں اس کی بات نہ آ سکی۔ اسی لمحے لاری وہاں آ کر رکی اور وہ اس میں سوار ہو گیا۔

☆☆☆

رخسانہ نے دروازہ کھولا اور باہر کھڑے عادل کو دیکھ کر حیرت سے اُچھل پڑی۔ ''ارے...... تم؟''

عادل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''کیا تمہیں یقین نہیں آیا؟''

''واقعی۔ خواب سا لگتا ہے ڈیئر!'' وہ دروازے سے پیچھے ہٹتی ہوئے بولی۔ ''کم اِن پلیز!''

''جب سے واپس آئی ہوں تمہارے ہی خواب دیکھ رہی ہوں۔'' چند لمحوں بعد وہ اسے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میری چاہت سچی ہے۔''

''پروفیسر صاحب کہاں ہیں؟'' عادل نے نفاست سے سجے ہوئے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ڈیڈی کے کالج میں فنکشن ہے، اس لئے شام سے پہلے نہیں آئیں گے۔ تم غسل کر لو۔ سفر کی تھکان دور ہو جائے گی۔ میں چائے بناتی ہوں۔''

ہاں اب بتاؤ...... تمہارے اس کام کا کیا رہا جس کے لئے تم تھرپار کر گئے تھے۔'' رخسانہ نے چائے کا کپ عادل کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔ جواب میں عادل نے مختصراً بتایا۔ رخسانہ چونکتی ہوئی بولی۔ ''گویا تم اب بھارت جاؤ گے؟''

''ظاہر ہے۔ ایک انسانی جان کا معاملہ ہے۔ پھر مجھے اپنے دشمنوں سے انتقام بھی لینا ہے۔''

''مگر انڈیا جانا آسان تو نہیں ہے ڈیئر'' وہ مسکرائی۔ ''پاسپورٹ تو خیر ارجنٹ فیس پر ایک دن میں ہی بن سکتا ہے مگر ویزا کے لیے تمہیں کئی دن انتظار کرنا پڑے گا۔''

''کوئی مسئلہ نہیں۔ میں انتظام کر لوں گا۔ بس میں تمہارا چند گھنٹوں کا مہمان ہوں۔''

میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

''کیا تمہارے ڈیڈی تمہیں اجازت دے دیں گے؟''

''ہاں...... وہ میری ہر خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ میرے پاس انٹرنیشنل پاسپورٹ بھی ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرائی اور عادل کسی گہری سوچ میں کھو گیا۔

''کس سوچ میں پڑ گئے ہو ڈیئر!'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''پاسپورٹ دکھاؤں تمہیں۔''

''لاؤ...... میں کوشش کروں گا مگر ویزے کا انتظام نہ ہو سکا تو پھر صبر کر لینا۔''

رخسانہ کچھ نہ بولی اور دوسرے کمرے سے اپنا پاسپورٹ لینے چلی گئی۔ عادل نے محض اس کا دل رکھنے کے لیے حامی بھر لی تھی ورنہ جانتا تھا کہ وہ رخسانہ کے ویزے کا انتظام نہیں کر سکتا۔ البتہ شاستری یہاں موجود ہوتا تو پھر وہ اس کے کہنے پر شاید رخسانہ کے ویزے کا بھی بندوبست کر دیتا۔

چند لمحوں بعد رخسانہ پاسپورٹ لے آئی۔ عادل نے پاسپورٹ دیکھا اور جیب میں رکھ لیا۔

☆☆☆

شنکر لال نے دروازے کی طرف دیکھا تو شیام کمار اندر آ رہا تھا۔ قریب آ کر وہ مؤدبانہ انداز میں بولا۔ ''مہاراج...... لڑکی آپ سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوگئی ہے۔ اب کیا کرنا ہے؟''

''اسے یہاں لے آؤ۔'' شنکر لال نے خوش ہو کر کہا۔

شیام کمار نے سر ہلایا اور پلٹ کر باہر نکل گیا۔ شنکر لال نے میز پر رکھی کھوپڑی پر پھونک ماری اور کھوپڑی کے گرداگرد دھواں پھیل گیا۔ اس دھوئیں میں کھوپڑی چھپ گئی۔ چند لمحوں بعد دھواں صاف ہو گیا اور کھوپڑی کی جگہ مکمل انسانی سر دکھائی دینے لگا جو گردن سے کٹا ہوا تھا۔ وہ کسی سیاہ فام بوڑھے کا سر تھا اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ چہرے پر بے شمار جھریاں اور سر کے بال سفید تھے۔

''پنڈت رام دیال۔'' شنکر نے اس کے چہرے کو مخاطب کیا۔ ''شیو جی دیوتا سے مہان شکتی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟''

''اس کے لیے آگرہ کے جنگلوں میں جاپ کرنا پڑتا ہے جہاں مہا دیو شیو جی کی مہاتما بھدرا تین راتوں کے لیے قیام کرتی ہے۔'' پنڈت رام دیال نے جواب دیا۔ ''اس کے لیے ضروری ہے کوئی ایسی ناری تمہارے ساتھ ہو جس کی شکل بھدرا دیوی سے ملتی جلتی ہو۔''

''سمن کی شکل بھدرا دیوی سے کافی مماثلت رکھتی ہے۔ تم کیا کہتے ہو؟''

''ہاں...... وہ بھدرا دیوی کی ہم شکل ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ وہاں وہ آزاد اور خود مختار ہو۔ اس پر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو۔ ورنہ شیو جی تمہیں درشن نہیں دیں گے۔ لڑکی بھدرا راتوں سے پہلے دو دن......''

پنڈت رام دیال کی باتیں شنکر لال توجہ سے سن رہا تھا۔ جب پنڈت رام دیال خاموش ہوا تو شنکر لال سارا طریقہ کار ذہن نشین کر چکا تھا۔ اس نے پھونک ماری اور پنڈت رام دیال کا زندہ چہرہ دوبارہ کھوپڑی میں تبدیل ہو گیا۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور شیام کمار اندر آیا۔ اس کے پیچھے سمن تھی۔ اس کا خوبصورت چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔ وہ کافی دیر روتی رہی تھی اور آخرکار اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنی آبرو بچانے کے لیے شنکر لال سے تعاون کرے۔ اس دوران موقع ملنے پر وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر سکتی تھی۔

''آؤ بیٹھو لڑکی۔'' شنکر لال نے خلافِ معمول نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

سمن آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کے سامنے پڑی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ شنکر لال نے مسکراتے

ہوئے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنے حق میں بہتر فیصلہ کیا۔'' پھر وہ شیام کمار سے مخاطب ہوا۔ ''شیام۔ چائے لاؤ اور سمن کی ضرورت کی تمام اشیاء مہیا کر دو۔''

''بہت بہتر مہاراج۔ سب کچھ اس کے کمرے میں پہنچا دیا جائے گا۔'' شیام کمار نے کہا۔

پھر وہ کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد سمن نے شنکر لال کی طرف نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ ''تم کس قسم کا تعاون چاہتے ہو مجھ سے؟''

''وہی جو تمہیں بتا چکا ہوں لڑکیوں کو یہاں لانے کا۔'' شنکر لال مسکرایا۔ ''مگر اس سے پہلے تمہیں ایک اور کام کرنا ہوگا۔''

سمن نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ''کون سا کام؟''

''تمہیں آگرہ جانا ہے۔ شیام کمار تمہیں وہاں لے جائے گا۔ دو دن بعد میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ پھر چاند کی دوسری، ساتویں اور گیارہویں رات میں وہاں ایک جاپ کروں گا۔ ان منحوس راتوں میں شیو دیوتا کی روح وہاں قیام کرتی ہے اور منش کو اپنی شکتی عطا کر کے مہابلی بنا دیتی ہے۔''

''مگر مجھے وہاں کیا کرنا ہوگا؟'' سمن نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''وہاں ایک سادھی ہے جہاں پرانے زمانے کے جوگیوں کی ہڈیاں دفن ہیں۔ تمہیں اس سادھی پر تین راتیں امرت سار کے چراغ جلانے ہوں گے اور بس۔ اس دوران میں وہاں پاٹھ کروں گا اور شیو جی کے درشن لوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ ایک لمحہ سوچ کر بولی۔ ''کب جانا ہے وہاں؟''

''آج شام...... کل نیا چاند طلوع ہوگا۔'' وہ اسے ہدایات دینے لگا۔

سمن سنتی رہی۔ اسے امید تھی کہ اس کا باپ شاستری اس کی تلاش میں ضرور آئے گا۔ اس کے آنے تک اسے شنکر لال کے اشاروں پر چلنا تھا۔ شیام کمار چائے لے آیا۔ چائے پی کر وہ شیام کمار کے ساتھ اپنے کمرے میں پہنچی تو وہاں کی حالت تبدیل دکھائی دی۔ صوفہ سیٹ اور میز کے علاوہ فرش پر قالین بھی بچھا ہوا تھا۔ میز پر کپڑوں کے کئی جوڑے جوتے اور دوسرا ضروری سامان رکھا تھا۔

''سمن۔'' شیام کمار نے نرم لہجے میں کہا۔ ''یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے اور اس عمارت کی حد میں تم آزاد ہو لیکن بہتر یہی ہوگا کہ تم خود کو محدود رکھو۔ راہداری میں غسلخانہ ہے۔ نہا دھو کر نئے کپڑے پہن لو۔''

''یہ عمارت کس شہر میں ہے؟''

''یہ جاننا تمہارے لیے غیر ضروری ہے۔'' یہ کہہ کر شیام کمرے سے نکل گیا۔ مگر اس بار اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ سمن صوفے پر بیٹھ کر میز پر رکھے لباسوں کو دیکھنے لگی۔ اس نے ایک ساڑھی کا

انتخاب کیا۔ پھر غسل کے لیے کمرے سے باہر آئی۔ غسل خانے کی طرف جاتے ہوئے اسے شنکر لال کے کمرے سے ابھرتی آوازیں سنائی دیں تو کسی خیال کے تحت وہ ٹھٹکی اور پھر دبے پاؤں اس کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ دروازہ بند تھا۔ وہ قریب آئی اور دروازے سے کان لگا کر سننے لگی۔

''شیام، مجھے اندیشہ ہے کہ شاستری نے گوپال داس پر قابو پالیا ہے کیونکہ گزشتہ رات کے بعد اب تک گوپال کی طرف سے مجھے کوئی خبر موصول نہیں ہوئی۔'' شنکر لال کی آواز سنائی دی۔ ''اس نے پچھلی رات اپنی ایک غلام روح کے ذریعے مجھے پیغام بھیجا تھا کہ شاستری نے اس کی بیٹی رادھا کو اغوا کرلیا ہے اور وہ شاستری کی سرکوبی کے لئے مندر جارہا ہے۔ اس کے بعد سے اب تک کوئی اطلاع نہیں دی۔''

''مہاراج...... اگر شاستری نے اس پر قابو پالیا تو وہ یقیناً شاستری کو میرا اور سمن کا پتا بتادے گا۔'' شیام کمار کی آواز اندر سے سنائی دی۔ ''اور ہوسکتا ہے کہ شاستری یہاں آنے کی تیاری کررہا ہو۔''

''ہاں، اسی لیے میرا خیال ہے کہ تم سمن کو لے کر فوراً ہی آگرہ چلے جاؤ۔'' شنکر کے لہجے میں تفکر تھا۔

''اسی لمحے سمن کو اپنے پاؤں پر کوئی چیز رینگتی محسوس ہوئی۔ اس نے سرسری انداز میں نیچے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے خوف کی شدت سے اس کا سانس حلق میں اٹکنے لگا۔ بھورے رنگ کی نیلی آنکھوں والی خون آشام مکڑی اس کے پاؤں پر رینگتی ہوئی پنڈلی پر چڑھتی جارہی تھی۔ سمن کو گزشتہ رات کا واقعہ یاد آیا کہ مندر کے کمرے میں اس نے اسی مکڑی کی تصویر کو زندہ ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے بے اختیار پاؤں کو اٹھا کر جھٹکا اور مکڑی اس کی پنڈلی سے جدا ہوکر دروازے کے ساتھ جا ٹکرائی۔ دوسرے ہی لمحے دروازہ ایک دھماکے سے کھلتا چلا گیا۔

☆☆☆

''میرے پاسپورٹ کا کیا کیا ڈیئر؟'' رخسانہ نے عادل سے پوچھا۔ ''دیکھا ہے تم نے؟''

''ہاں...... میرے پاس ہے۔'' عادل نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

''مگر پھر چونک پڑا۔ پاسپورٹ جیب میں نہیں تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر پھر نیچے دیکھا کہ شاید جیب سے گر گیا ہو لیکن پاسپورٹ کہیں نظر نہ آیا اور وہ پریشان ہوگیا۔ رخسانہ بھی بوکھلا گئی۔

''تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ جیب میں ہی رکھا تھا؟'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مل جائے گا۔'' عادل نے اسے تسلی دی۔

''مگر وہ گیا کہاں ڈیئر...... جب کہ تم کمرے سے باہر بھی نہیں گئے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''میں خود حیران ہوں۔'' عادل مسکرایا۔ ''لیکن تم بے فکر رہو جب تک تمہارا پاسپورٹ نہیں ملے گا، میں یہیں رہوں گا۔''

''خیر!'' اس کی بات پر وہ مطمئن نظر آنے لگی۔ ''تم چاہو تو سفر کی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے کچھ دیر آرام کرلو۔ پھر ڈیڈی کے آنے پر تمہیں جگادوں گی۔ کیا خیال ہے؟''

''ٹھیک ہے!'' عادل نے اثبات میں سر ہلایا اور رخسانہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

عادل آنکھیں بند کرکے سوچنے لگا۔ دفعتاً اُسے شنکر لال کا خیال آیا اور وہ بے اختیار چونک پڑا۔ ''اوہ! کہیں پاسپورٹ کی گمشدگی میں شنکر لال کا ہاتھ تو نہیں؟'' اس کے ذہن میں سوال ابھرا۔

پھر اسے یاد آیا کہ ملتان میں بھی شنکر لال نے اس کا پاسپورٹ ہتھیا لیا تھا۔ اب بھی شاید اسی نے رخسانہ کا پاسپورٹ غائب کیا تھا۔ لیکن یہ کوئی یقینی بات نہیں تھی اور وہ اس کی تصدیق بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ حرکت شنکر لال نے ہی کی ہوگی۔ سوچتے سوچتے اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں اور پھر وہ بے خبر ہوگیا۔

آنکھ کھلی تو رخسانہ اس کے قریب کھڑی اُسے آواز دے رہی تھی۔

''عادل۔ ڈیڈی آگئے ہیں۔ ان سے مل لو۔ پھر انہوں نے جانا ہے۔''

''اوہ...... کہاں جانا ہے؟'' عادل نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''آٹھ بجے ان کے ایک دوست کے بیٹے کی دعوتِ ولیمہ ہے۔'' اس نے بتایا۔

عادل نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ شام کے سات بج رہے تھے۔ وہ رخسانہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آیا تو پروفیسر صدیقی اس کے ساتھ بڑے تپاک سے ملا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے آنے کی مجھے بہت خوشی ہے بیٹے۔ لیکن حیران ہوں کہ تم اتنی جلدی تھرپارکر سے واپس آگئے؟''

عادل اس کے سامنے بیٹھتا ہوا مسکرایا۔ ''قسمت کی بات ہے جناب ورنہ میرا پروگرام نہیں تھا آنے کا۔''

رخسانہ عادل کو بتا چکی تھی کہ ڈیڈی کو ٹرین کے واقعہ کا کچھ پتا نہ تھا۔ کراچی پہنچنے پر اس کی آنکھ کھلی تھی اور رخسانہ کو غائب پاکر اسے شک ہوا کہ اس کی غفلت کے دوران عادل رخسانہ کو اغوا کرکے روہڑی یا کسی دوسرے اسٹیشن پر اتر گیا تھا۔ مگر بدنامی کے خوف سے اس نے پولیس میں رپورٹ درج کرانے کی بجائے صبر کرلیا تھا۔ دوسرے روز رخسانہ گھر پہنچی تو اس نے پروفیسر کا شک دور کرنے کے لیے اسے یہی بتایا کہ عادل روہڑی اسٹیشن پر اُتر گیا تھا اور حیدرآباد کے قریب سوتے میں نامعلوم نقاب پوش اسے اغوا کرکے نواب شاہ لے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے عادل کے بارے میں اس سے پوچھ گچھ کی اور دوسرے دن اسے ریلوے اسٹیشن چھوڑ گئے جہاں سے وہ کراچی آگئی تھی۔ نقاب پوش عادل کے دشمن تھے اور عادل کو تلاش کرکے قتل کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ تھرپارکر نہ جاسکے جہاں کے کسی جاگیردار کی قید میں عادل کے استاد کی بیٹی تھی۔

''مجھے رخسانہ نے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ تم کسی لڑکی کی تلاش میں تھرپارکر گئے ہو، کیا وہ ملی؟''

پروفیسر نے پوچھا۔

"نہیں......" عادل نے پہلے سے تیار جواب دیا۔ "وہ جاگیردار کی قید سے نکل کر واپس گھر جا چکی تھی۔ میں نے فون پر بھلوال میں اپنے استاد سے پوچھا تو پتا چلا کہ وہ گھر پہنچ چکی ہے۔ تب میں آپ لوگوں سے ملنے چلا آیا۔ صبح واپس چلا جاؤں گا دوپہر کی گاڑی سے۔"

پروفیسر صاحب اس کے جواب سے مطمئن ہو گئے۔ رخسانہ چائے لے آئی۔ چائے کے دوران باتیں ہوتی رہیں۔ آٹھ بجے پروفیسر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"عادل بیٹے مجھے ایک دعوت میں جانا ہے۔ دس بارہ بجے تک واپسی ہو گی۔ اور ہاں۔ اسے اپنا گھر سمجھو۔ کسی تکلف سے کام نہ لینا۔ صبح ناشتے پر ملاقات ہو گی۔" پروفیسر صاحب کمرے سے نکل گئے۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کال بیل بجی۔ رخسانہ باہر چلی گئی۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا لفافہ تھا۔ "کوئی آدمی یہ تمہارے لیے دے گیا ہے۔" وہ لفافہ عادل کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔ "کیا ہے اس میں اور اس آدمی کو یہاں کا پتا کس نے دیا؟" جواب میں عادل نے خاموشی سے لفافہ چاک کیا تو اس میں دو پاسپورٹ دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی۔ اس نے پاسپورٹ کھول کر دیکھے اور چکرا کر رہ گیا۔ ایک پاسپورٹ اسی کا تھا مگر دوسرا رخسانہ کا تھا اور دونوں پر بھارت کے ویزے لگے ہوئے تھے۔ رخسانہ بھی اپنا پاسپورٹ دیکھ کر حیرت سے اچھل پڑی۔

"ارے......!" وہ چلائی۔ "یہ تو میرا ہے۔ مگر اس پر ویزا؟ اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے چکر دیا تھا کہ پاسپورٹ گم ہو گیا ہے۔"

عادل دم بخود بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر اس کا ذہن کہیں اور مصروف تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ شاستری رخسانہ کو اس کے ساتھ سفر پر کیوں بھیجنا چاہتا ہے، اس میں کیا فائدہ تھا؟ رخسانہ خوش نظر آ رہی تھی اور پاسپورٹ پر لگے ویزا کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم نے میرا پاسپورٹ ویزا کے لیے بھیج دیا ہے اور محض میرا ردِعمل دیکھنے کے لیے گمشدگی کا بہانہ گھڑا ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھی ہو۔" وہ گہرا سانس لے کر مسکرایا۔ "تمہاری خواہش کو رد کرنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔"

پھر اس نے لفافے سے دوسرے کاغذات نکالے۔ ان میں سنگاپور ایئرلائن کے دو ٹکٹ بھی تھے۔ دونوں کے نام تھے۔

"اوہ۔ ٹکٹ بھی آ گئے۔ کب کی فلائٹ ہے؟" رخسانہ خوش ہو کر بولی۔ پھر خود ہی ٹکٹ لے کر دیکھنے لگی۔ "اوہ...... یہ تو ساڑھے نو بجے کی فلائٹ کے ہیں۔"

عادل نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ سوا آٹھ بج چکے تھے۔ وہ تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "جلدی کرو۔ جو کچھ اٹھانا ہے لے لو مگر بہتر ہے کہ صرف اپنا پرس لو۔ کپڑے وغیرہ ہم دہلی سے خرید لیں گے مگر تمہارے ڈیڈی......!"

"وہ پتا نہیں کب آئیں۔ پیغام چھوڑ دیتی ہوں۔" رخسانہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے ایک کاغذ پر جلدی جلدی چند سطریں لکھ کر کاغذ ٹیلیفون کے ریسیور میں پھنسا دیا۔ اس نے اپنے باپ کو لکھا تھا کہ عادل کے دشمن اچانک فلیٹ پہنچ گئے ہیں۔ ان دونوں کی جان خطرے میں ہے اس لیے وہ ان لوگوں کو دھوکا دے کر عادل کے ساتھ جا رہی ہے۔ عادل کی خالہ کے گھر وہ چند دن تک روپوش رہیں گے اور خطرہ ٹل گیا تو واپس آ جائیں گے۔ مگر یہ سطور لکھتے وقت اس کے ذہن کے کسی گوشے میں معمولی سا تصور نہ تھا کہ آنے والا وقت اس کے لیے کتنا خطرناک اور خوفناک ہو گا۔

☆☆☆

آگرہ پہنچ کر شیام کمار نے ٹیکسی لی اور ٹیکسی اس کی ہدایت پر شہر سے جنوب کی سمت نواحی علاقے کی طرف دوڑنے لگی۔ سمن عقبی نشست پر شیام کمار کے ساتھ بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ گزشتہ رات کا واقعہ اس کے ذہن میں چکرا رہا تھا۔ جب مکڑی کے ٹکرانے سے شنکر لال کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اسے وہاں دیکھ کر شنکر لال نے اسے سرزنش کرتے ہوئے سختی سے وارننگ دی تھی کہ اگر اس نے آئندہ اس کی ٹوہ لینے کی کوشش کی تو اس کی محافظ مکڑی اس کا خون چوس کر اسے ہلاک کر دے گی جو دروازہ کھلتے ہی غائب ہو گئی تھی۔ پھر جب وہ لباس تبدیل کر کے تیار ہو گئی تو شنکر لال کی ہدایت پر شیام کمار اسے لے کر فوراً ہی چل پڑا تھا۔ آگرہ تک انہوں نے ٹرین میں سفر کیا تھا اور اب وہ اس جنگل کی طرف جا رہے تھے جو جنوب کی سمت میں تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ [illegible] انہوں نے ٹیکسی میں سفر کیا۔ پھر گاؤں سے نکل کر وہ پیدل ہی جنگل کی طرف چل دیے۔ [illegible] رہے تھے اور جنگل کی طرف جانے والا یہ راستہ ناہموار اور خاردار جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں شیام کمار اس کے آگے آگے اس طرح تیزی سے قدم اٹھا رہا تھا جیسے وہ علاقہ اس کا دیکھا بھالا ہو۔ سمن دو اڑھائی کلومیٹر چلنے کے بعد تھک گئی۔ اس پر شیام کمار رک گیا۔ پانچ چھ منٹ آرام کرنے کے بعد وہ دوبارہ چل پڑے۔ تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے بعد وہ گھنے اور تاریک جنگل کے پاس پہنچ گئے۔ باہر کی نسبت جنگل میں زیادہ اندھیرا تھا۔ شیام کمار اس کا ہاتھ پکڑ کر جنگل میں گھس گیا۔

سمن تاریکی میں اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی چل رہی تھی۔ چند منٹ بعد سمن کی سماعت سے ہلکی ہلکی آوازیں ٹکرائیں اور اس پر خوف طاری ہونے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے بہت سے لوگ [illegible]

آہستہ آہستہ باتیں کرتے ان کے پیچھے چل رہے ہوں۔ پھر کسی کی ہنسی سنائی دی اور وہ ہنسی اتنی پُراسرار اور غیر انسانی تھی کہ خوف سے سمن کے قدم ڈگمگانے لگے۔ وہ ایک جگہ ٹھوکر کھا کر لڑکھڑائی اور گرنے ہی لگی تھی کہ شیام کمار نے اسے سنبھال لیا۔

"سنبھل کر چلو چھوکری۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"یہ...... یہ آوازیں......" وہ خوف سے ہکلائی۔ "کون ہیں یہ لوگ۔"

"یہ ان رشیوں اور جوگیوں کی روحیں ہیں جن کی ہڈیاں بھدرا دیوی کی سمادھی میں دفن ہیں اور جو ہماری منزل ہے۔"

اس کے جواب سے سمن اور بھی گھبرا گئی۔ روحیں مسلسل ان کے پیچھے بولتی اور ہنستی رہیں اور شیام کمار اس کا ہاتھ تھامے تاریکی میں آگے بڑھتا رہا۔ تقریباً نصف گھنٹہ چلنے کے بعد سامنے کی جانب کچھ فاصلے پر روشنی دکھائی دینے لگی جو کسی چراغ کی معلوم ہوتی تھی مگر درمیان میں درخت حائل ہونے کے سبب چراغ کی لو نظر نہ آ رہی تھی۔ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ ایک کھلی جگہ پہنچ گئے۔ وہ مٹی کا چھوٹا سا چوکور ٹیلا تھا اور ٹیلے کے ایک سوراخ میں رکھا چراغ جل رہا تھا۔ ٹیلے کی بقیہ تین اطراف میں تاریکی تھی۔ وہاں درخت ٹیلے سے تقریباً دس بارہ قدم دور تھے۔ ٹیلے کے آس پاس کوئی ذی روح نظر نہ آ رہا تھا۔ شیام کمار ٹیلے سے آٹھ دس قدم پیچھے ہی رک گیا۔ اس کے ساتھ ہی بدروحوں کی آوازیں بھی بند ہو گئیں اور وہاں گھمبیر خاموشی پھیل گئی۔ ہوا ساکن تھی اور درخت بھی ساکت تھے۔

"میرا کام ختم......" شیام کمار نے سمن کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اب تم اس سمادھی کی دوسری طرف جا کر آرام کرو۔" وہ پیچھے سے ہٹ گیا۔ سمن خوفزدہ نگاہوں سے ٹیلے کی طرف دیکھتی ہوئی آہستہ سے بولی۔ "دوسری طرف کیا ہے؟"

شیام کمار نے کوئی جواب نہ آیا۔ سمن نے پلٹ کر دیکھا اور بوکھلا گئی۔ شیام کمار غائب ہو چکا تھا۔ اس کے قدموں کی چاپ تک نہ سنائی دے رہی تھی۔ خود کو تنہا محسوس کر کے سمن پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور وہ متوحش انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"مم...... مہا...... مہاراج......" اس نے بلند آواز سے شیام کمار کو پکارا۔

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ شاید وہ اسے چھوڑ کر واپس جا چکا تھا۔ سمن ٹیلے کے چراغ کی طرف خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ خوف سے اس کا بدن لرز رہا تھا اور دل دھک دھک کر رہا تھا۔ شیام کمار نے اسے ٹیلے کے عقب میں جانے کی ہدایت کی تھی۔ شاید ادھر اس کے آرام کرنے کے لیے کوئی مناسب پناہ گاہ موجود تھی۔ مگر اس طرف پھیلی تاریکی سے ڈر کر وہ رک گئی۔

"آ جاؤ پجارن...... میرے پاس آ جاؤ۔" دفعتاً ایک کھرکھراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

اور سمن بے ساختہ اچھل پڑی۔ وہ مردانہ آواز کسی قسم کے تاثر سے عاری تھی اور ٹیلے کے عقب سے بلند ہوئی تھی۔ سمن کا خوف سے حلق خشک ہونے لگا۔ اسی لمحے بائیں جانب کسی درخت پر بیٹھا کوئی پرندہ پھڑپھڑایا اور سمن دہشت زدہ انداز میں اس طرف دیکھنے لگی مگر دیکھتے ہی خوف سے اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گئی۔ درخت کی شاخوں میں سے دو خوفناک آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ گول گول اور چمکدار آنکھیں سمن پر مرکوز تھیں۔ خوف کی شدت سے اس کی رگوں میں خون جمنے لگا تھا۔

اچانک پیروں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی۔ سمن نے ٹیلے کے پہلو کی طرف دیکھا خوف کی تیز لہر اس کے بدن پر پھیل گئی۔ اس جانب نیم تاریکی میں کوئی شخص کھڑا تھا۔ ایک دو لمحوں بعد وہ آدمی آگے بڑھا اور روشنی میں آ گیا۔ وہ سفید بالوں والا ایک بوڑھا تھا جس کی کمر دوہری ہو رہی تھی اور پشت پر کبڑ دکھائی دے رہا تھا مگر اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"آؤ پجارن!" اس کبڑے نے آنکھیں کھولے بغیر اندھوں کی طرح اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تت...... تت...... تم کون ہو؟" وہ خوف سے ہکلائی۔

"میں ساون رام ہوں۔ اس سمادھی کا سب سے پرانا سیوک۔" کبڑے نے بے تاثر آواز میں کہا۔ "سینکڑوں برس سے بھدرا دیوی کے چرنوں میں موجود ہوں۔ یہاں آنے والے پجاریوں کی سیوا کرتا ہوں۔"

یقیناً وہ کوئی بدروح تھی جو سینکڑوں برسوں سے وہاں پر رہ رہی تھی۔ سمن دہشت سے گنگ تھی۔ سمن کو خاموش پا کر اس خوفناک کبڑے نے اس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے ایک دم آنکھیں کھولیں اور اس کی آنکھیں دیکھ کر دہشت کے مارے سمن ہذیانی انداز میں چیختی چلی گئی۔

☆☆☆

جونہی طیارہ زمین سے بلند ہو کر فضا میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہوا۔ مسافر اپنی حفاظتی پیٹیاں کھولنے لگے۔ رخسانہ اور عادل ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ایئر ہوسٹس مسافروں کی مشروبات سے تواضع کرنے لگی۔ عادل نے اپنے لیے چائے اور رخسانہ کے لیے کوک منگوا لی۔ کچھ دیر بعد رخسانہ نے عادل کو اونگھتے دیکھا تو حیرت سے بولی۔ "کیا بات ہے ڈیئر۔ چائے سے لوگ چست ہو جاتے ہیں مگر تمہاری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔"

"ہاں، کچھ سستی سی محسوس ہو رہی ہے۔ نیند آ رہی ہے۔" عادل نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تو سو جاؤ..... منزل پر پہنچ کر تمہیں جگا دوں گی۔"

عادل پھر اونگھنے لگا۔ چند لمحوں بعد رخسانہ نے مسافروں کا سرسری جائزہ لیا۔ اکثر مسافر اونگھ رہے تھے۔ کچھ باتیں کر رہے تھے اور چند ایک اخبار اور رسائل دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی اور سوچ کا محور اس کے پہلو میں بیٹھا ہوا عادل تھا جو اس کے لیے بے حد پُراسرار ثابت ہوا تھا۔ وہ اب تک حیران تھی کہ عادل نے گھر بلکہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے کس طرح اس کے پاسپورٹ پر ویزے کا انتظام کر لیا تھا۔ گھر سے باہر گئے بغیر اس نے پاسپورٹ باہر بھیجا تھا جو چند گھنٹوں بعد ایک اجنبی واپس پہنچا گیا تھا۔ یہ سب کارروائی کیسے انجام پائی تھی کہ اسے بالکل پتا نہ چلا تھا۔

دفعتاً اس کے آگے کی نشست پر بیٹھے مسافر نے چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ رخسانہ کی اس کے چہرے پر نظر پڑی اور وہ لرز کر رہ گئی۔ اس شخص کی آنکھیں گول اور سیاہ بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔ ناک بھدی اور ہونٹ موٹے تھے۔ پیشانی پر تلک نظر آ رہا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر شخص اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رخسانہ نے گھبرا کر اس کی طرف سے نگاہیں ہٹانا چاہیں مگر ناکام رہی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس آدمی کی آنکھوں سے کوئی مقناطیسی لہریں خارج ہو کر اس کے دماغ میں داخل ہو رہی تھیں اور اس کا ذہن ان لہروں میں جکڑتا چلا جا رہا تھا۔ چند لمحوں میں ہی اس کا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔ پھر اس بھدی ناک والے کے ہونٹوں نے حرکت کی اور وہ غیر ارادی طور پر اپنی نشست سے اُٹھ گئی۔ عادل کھڑکی کی سمت بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ مگر رخسانہ کو اس کا کوئی احساس نہ تھا۔ وہ کسی معمول کی مانند مڑی اور جہاز کے عقبی حصے کی طرف چل دی۔ اس طرف باتھ روم تھے۔

وہ خوابیدہ انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی باتھ روم میں داخل ہوئی اور پلٹ کر دروازہ بند کیا ہی تھا کہ ایک دم اس کے حواس بیدار ہو گئے۔ ذہن ان دیکھی لہروں کی گرفت سے آزاد ہو گیا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں لوٹ آئیں۔ تب اس نے خود کو باتھ روم میں محسوس کیا اور چونک پڑی۔

"اوہ..... میں تو اپنی سیٹ پر تھی، یہاں کیسے آ گئی؟" وہ بڑبڑائی۔

"تمہیں میں لایا ہوں خوبصورت لڑکی۔" دفعتاً باتھ روم میں ایک پُراسراری آواز گونجی۔

رخسانہ نے گھبرا کر آواز کی سمت دیکھا تو خوف کی تیز لہر اس کے پورے وجود کو تھرا گئی۔ بلی آنکھوں اور بھدی ناک والا شخص سامنے کی دیوار کے پاس کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کک..... کیوں؟" وہ خوف سے ہکلائی۔ اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔

"تمہیں تمہاری منزل پر پہنچانے کے لیے۔" اس آدمی نے دونوں ہاتھ پشت کی طرف چھپائے ہوئے تھے۔ "تمہیں ملنگ کے ساتھ بھارت جانے کا بہت شوق ہے نا۔ میں تمہیں جہاز سے پہلے وہاں

پہنچا دوں گا۔"

"تت۔ تت۔ تم کون ہو؟"

"راج کپور سوامی۔" اس نے رخسانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کرشن دیوتا کا ادنیٰ سیوک۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی پشت پر موڑے ہوئے دونوں ہاتھ سامنے کیے اور اس کے ہاتھ دیکھ کر دہشت کے مارے رخسانہ کی چیخ نکل گئی۔ آستینوں سے باہر کلائی تک نظر آنے والے اس کے ہاتھ استخوانی پنجے نظر آ رہے تھے۔ بالکل کسی ڈھانچے کے پنجوں کی طرح گوشت پوست سے محروم۔ رخسانہ کا خوف کی شدت سے دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا اور وجود پر لرزہ طاری تھا۔ وہ دہشت زدہ نگاہوں سے راج کپور کے مردہ ہاتھوں کے پنجوں کو دیکھتی ہوئی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔

"رک جاؤ لڑکی۔" سوامی راج کپور ایک دم غرایا۔ "اب تم واپس نہیں جا سکتیں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔"

رخسانہ پیچھے ہٹتی ہوئی دروازے کے پاس پہنچی اور ایک دم پلٹ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ دروازہ مقفل تھا۔ اس نے خوف سے چیختے ہوئے دروازے پر زور سے ہاتھ مارنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے ہی اسے اپنی گردن پر سخت انگلیوں کا دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے چہرہ موڑ کر پیچھے دیکھا تو عقب میں سوامی راج کپور دونوں پنجوں میں اس کی گردن دبوچے کھڑا بھیانک انداز میں مسکرا رہا تھا۔ دہشت کی شدت سے رخسانہ کی آنکھیں پتھرا گئیں اور وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی۔

پھر حواس لوٹنے پر خود کو ایک خوبصورت اور روشن کمرے میں پا کر اُسے حیرت ہوئی۔ وہ ایک پلنگ پر دراز تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اُٹھ بیٹھی۔ کمرے میں تیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں پر پردے لہرا رہے تھے اور دروازہ بند نظر آ رہا تھا۔ اُسے گزشتہ واقعات یاد آ گئے۔

جونہی اس نے فرش کی طرف دیکھا، خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔ فرش پر بے شمار سانپ رینگتے پھر رہے تھے۔ وہ رنگ برنگے سانپ دو تین فٹ لمبے، نصف انچ موٹے تھے۔ ان کی باریک باریک زبانیں بار بار منہ سے نکل رہی تھیں مگر ان کے پھنکارنے اور سرسرانے کی آوازیں نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ سب ایک ہی سمت میں رینگ رہے تھے۔ رخسانہ نے اس سمت نظر کی اور خوف سے اس کی گھگی بندھ گئی۔ اس طرف دیوار کے پاس ایک انسانی ڈھانچا دیوار سے پشت لگائے بیٹھا تھا اور اس کی ہڈیوں پر کہیں کہیں گوشت کے چیتھڑے موجود تھے۔ کئی سانپ اس سے لپٹے ہوئے اس کی ہڈیوں پر بار بار ڈس رہے تھے اور کئی ڈھانچے کے اندر سے گزر کر واپس آ رہے تھے۔ ایک سانپ اس کی گردن سے لپٹا ہوا تھا اور اس کا پھن ڈھانچے کی کھوپڑی کے منہ میں گھسا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سوراخوں سے سبز رنگ کا رقیق مادہ

بہہ کراس کے آس پاس جمع ہو رہا تھا اور سانپ پتلی پتلی زبانوں سے یہ مادہ چاٹ رہے تھے۔

یہ خوفناک منظر دیکھ کر رخسانہ کا خوف کی شدت سے دماغ ماؤف ہونے لگا اور وہ نڈھال سی ہو کر بستر پر گر گئی۔ مگر بستر پر دراز ہو کر اس کی نگاہیں چھت کی طرف اُٹھ گئیں دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے بھیانک چیخ خارج ہوئی اور وہ اچھل کر اُٹھ بیٹھی۔ چھت سے دو فٹ نیچے ایک انسانی کھوپڑی معلق تھی اور اس میں دو خوفناک آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ گول گول اور سیاہی بلی جیسی چمکدار بلوری آنکھیں جو ہوائی جہاز میں سوامی راج کپور کے چہرے پر اس نے دیکھی تھیں مگر اب وہ ایک مردہ کھوپڑی میں نظر آ رہی تھیں۔

☆☆☆

کبڑے ساون رام کی آنکھوں میں ڈھیلوں کی بجائے سوراخ دکھائی دے رہے تھے مگر وہ اس طرح پلکیں جھپکاتا ہوا سیدھا سمن کی طرف بڑھ رہا تھا جیسے وہ سمن کو دیکھ رہا ہو۔ سمن کی چیخ سن کر وہ رکا۔

''اوہ...... کیا بات ہے ناری...... کیا مجھ سے ڈر رہی ہو؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

سمن کا خوف سے حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ اسے خاموش پا کر وہ خوفناک کبڑا دوبارہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر سمن بے اختیار پیچھے ہٹنے لگی۔ ابھی وہ لرزتے اور ڈگمگاتے قدموں سے دو تین گز ہی پیچھے ہٹی تھی کہ عقب سے ایک سرگوشی اُبھری۔ ''خبردار۔ جانے نہ پائے۔ پکڑ لو۔''

وہ آواز سن کر وہ ایک دم رکی اور گھبرا کر پیچھے دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ اسی لمحے ایک دوسری سرگوشی سنائی دی۔ ''نہیں۔ وہ رک گئی ہے۔'' یقیناً وہ نادیدہ روحیں تھیں جو اس کے قریب ہی موجود تھیں۔ سمن کے دہشت سے مارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے سامنے دیکھا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔ بے نور آنکھوں والا کبڑا ساون رام اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

''بھاگنا فضول کوشش ہے۔ بھدرا دیوی کو بھینٹ دیے بغیر آج تک کوئی یہاں سے واپس نہیں جا سکا۔'' کبڑے نے سخت لہجے میں کہا۔

''بھھ...... بھینٹ......!'' اس کے حلق سے مری مری سی آواز نکلی۔

''ہاں۔ اس سادھی میں دفن ہڈیوں کو تازہ خون کی ضرورت ہے اور تیری جوان شریانوں میں گرم گرم خون دوڑ رہا ہے۔ مگر گھبراؤ مت۔ شیو دیوتا کے آنے کے بعد ہی تیرے خون سے پرانے رشیوں اور جوگیوں کو سیراب کیا جائے گا۔'' وہ بولا۔ ''فی الحال تم یہاں مہمان ہو۔ آؤ......''

ساون رام کی بات سن کر نوری نے جھرجھری لی اور دوسرے ہی لمحے لڑکھڑاتی ہوئی زمین پر ڈھیر ہو

ئی۔ اس کے حواس معطل ہو گئے اور ذہن ہر احساس سے عاری ہوتا چلا گیا۔ پھر اپنے بدن کو متحرک محسوس ر کے اس نے آنکھیں کھولیں تو تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ شاید سادھی پر جلنے والا چراغ بجھ گیا تھا۔ اریکی کے باوجود اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کا جسم اٹھائے ہوئے چل رہا ہے۔ اس کے ذہن پر دوبارہ وف کی چادر پھیل گئی۔ شاید کبڑے ساون رام نے اُسے پشت پر لاد رکھا تھا مگر تاریکی میں وہ نظر نہ آ رہا ھا۔

چند لمحوں بعد اُسے اٹھانے والے کے قدم رک گئے اور اس نے سمن کو پشت سے اتار کر اپنے سامنے ال دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہاں روشنی پھیل گئی۔ سمن نے اٹھتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ کوئی غار یا سرنگ ھی اور اس کی دیواروں سے ہلکی ہلکی سفید دودھیا سی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اس غار کی چوڑائی پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہ تھی اور کافی طویل معلوم ہو رہا تھا۔ سمن نے گردن موڑ کر دہانے کی طرف دیکھا تو اس طرف تاریکی تھی۔ اس لیے وہ اندازہ نہ کر سکی کہ غار کا دہانہ کتنی دور ہے۔ پھر اس نے قریب کھڑے شخص کی طرف یکھا۔ اسے وہاں لانے والا کبڑا ساون رام نہیں بلکہ ایک انسانی ڈھانچا تھا جس کی گردن سے کھوپڑی غائب تھی۔ سمن دہشت زدہ ہو کر غار کے فرش پر ڈھانچے کی مخالف سمت میں سرکنے لگی۔ مگر اسی لمحے غار کی دیواروں سے پھوٹنے والی پُراسرار روشنی غائب ہو گئی اور غار میں تاریکی پھیل گئی۔ اندھیرا ہونے پر سمن گھبرا کر اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ مگر تاریکی کا یہ وقفہ زیادہ طویل نہ ہوا اور چند لمحوں بعد ہی وہاں دوبارہ روشنی پھیل گئی۔ غار کی دیواروں میں پھوٹنے والی روشنی میں سمن نے خوفزدہ نگاہوں سے ڈھانچے کی طرف دیکھا تو وہ غائب تھا۔ وہ فرش پر بیٹھ گئی۔ اُسے شنکر لال کی ہدایات یاد آ رہی تھیں جن پر اُسے صبح سے عملدرآمد کرنا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی۔ نہ جانے کتنی دیر وہ سوتی رہی۔ آنکھ کھلی تو حیران رہ گئی۔ غار کا دہانہ وہاں سے چند قدم پر نظر آ رہا تھا اور باہر دن کا اُجالا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اٹھی اور دہانے کی طرف چل دی۔ غار سے باہر نکلی تو چند قدم کے فاصلے پر سادھی کا ٹیلہ دکھائی دیا۔ اس طرف ٹیلے کا عقب تھا اور وہاں جنگلی پھولوں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ خشک پھولوں کے ڈھیر کے اوپر کچھ تازہ پھول بکھرے ہوئے تھے مگر آس پاس کوئی ذی روح نظر نہ آ رہا تھا۔ وہ پھولوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ شنکر کی ہدایت کے مطابق اسے بھی وہاں پھول ڈالنے تھے۔ مگر قریب میں پھولوں کا کوئی پودا موجود نہ تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ پھول کہاں سے حاصل کرے کہ اسی لمحے کسی کے ہانپنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ سمن نے آواز کی سمت دیکھا اور خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سیاہ رنگ کا ایک لحیم شحیم کتا چند گز کے فاصلے پر کھڑا ہانپتا ہوا خوفناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی پشت پر سفید رنگ کا پھنیئر ناگ کنڈلی مارے بیٹھا کلبلا رہا تھا۔ اس ناگ کی ننھی ننھی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اسی لمحے کتے نے حرکت کی اور آہستہ آہستہ

سمن کی طرف بڑھنے لگا۔ سمن پر دہشت طاری ہوگئی اور وہ ایک دم پلٹ کر اندھا دھند بھاگنے لگی۔

☆☆☆

ایئر ہوسٹس نے عادل کا کندھا پکڑ کر ہلایا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے خمار آلودہ نگاہوں سے ایئر ہوسٹس کی طرف دیکھا۔

''ہم دہلی ایئر پورٹ پر اترنے والے ہیں جناب۔ بیلٹ باندھ لیجئے۔'' ایئر ہوسٹس نے بتایا اور آگے بڑھ گئی۔

عادل نے سنبھلتے ہوئے اپنے پہلو میں نظر ڈالی تو رخسانہ کی نشست خالی دیکھ کر چونک پڑا۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں آیا کہ وہ باتھ روم میں گئی ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی بیلٹ کسنے لگا۔ پھر جہاز لینڈ کرنے لگا اور رخسانہ واپس نہ آئی تو وہ فکرمند ہوگیا کہ کہیں جھٹکا لگنے سے رخسانہ باتھ روم میں گر نہ جائے۔ اس نے جلدی سے بیلٹ کھولی اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف لپکا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے اندر جھانکا اور رخسانہ کو وہاں نہ پا کر وہ پریشان ہوگیا۔ اس نے واپس اپنی سیٹ کی طرف آتے ہوئے پورے جہاز کا جائزہ لیا لیکن رخسانہ کہیں نظر نہ آئی۔ وہ حیران و پریشان سا اپنی سیٹ پر بیٹھ کر بیلٹ باندھتا ہوا رخسانہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ نجانے وہ کہاں چلی گئی تھی۔ پھر جہاز نے لینڈنگ کی تو اس نے ایئر ہوسٹس کو اشارے سے قریب بلا کر پوچھا۔ ''میری ساتھی کہاں ہے؟''

''پتا نہیں...... شاید باتھ روم میں ہو۔'' ایئر ہوسٹس نے بے پروائی سے کہا۔

عادل بولا۔ ''کیا کراچی سے یہاں تک جہاز نے کہیں اسٹاپ کیا تھا؟ باتھ روم میں تو وہ نہیں ہے۔''

یہ سن کر ایئر ہوسٹس بھی پریشان ہوگئی۔ ''کہاں چلی گئی وہ...... راستے میں تو ہم کہیں نہیں رکے۔''

جہاز کا دروازہ کھل گیا اور مسافر ایک ایک کر کے باہر جانے لگے۔ عادل نے اپنی سیٹ سے اُٹھ کر دوبارہ باتھ روم کا رخ کیا۔ اندر آ کر اس نے غور سے وہاں کا جائزہ لیا اور چونک پڑا۔ فرش پر ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے چند ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے اور یہ چوڑیاں وہ رخسانہ کی کلائی میں دیکھ چکا تھا۔ گویا وہ باتھ روم میں آئی تھی اور گرنے سے اس کی چوڑیاں ٹوٹی تھیں۔ اس نے اندازہ لگایا اور پریشان ہو کر باتھ روم سے نکل آیا۔ نصف سے زیادہ مسافر اتر چکے تھے۔ وہ بھی جہاز سے اترا مگر اب رخسانہ کے غائب ہونے کے سلسلے میں اس کا ذہن انجانے خدشات کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ چلتے جہاز میں خود بخود کہیں نہ جا سکتی تھی۔ یقیناً کسی نے اسے اغوا کیا تھا اور فضا میں کسی کو اغوا کرنا عام آدمی کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ یقینی طور پر یہ ماورائی طاقت اس کے دشمن شنکر لال کی ہی ہو سکتی تھی۔

کسٹم اور امیگریشن کے مراحل سے گزر کر وہ ایئر پورٹ سے باہر ٹیکسی اسٹینڈ پر آیا اور ایک طرف رک کر

سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہیے۔ شاستری کی ہدایات کے مطابق اسے دہلی کے نواحی علاقے میں واقع ستیلا سندر مندر جانا تھا جہاں شیام کمار نے سمن کو قید کر رکھا تھا لیکن اب وہ پہلے رخسانہ کی گمشدگی کا معمہ حل کرنا چاہتا تھا۔ شاستری نے رخسانہ کا کسی خاص مقصد کے تحت اس کے ہمراہ جانے کا انتظام کیا تھا ورنہ وہ اس کے پاسپورٹ پر ویزے کا انتظام نہ کرتا۔ لہٰذا عادل بھی پہلے رخسانہ کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔

''بابو جی...... چلے گا!'' دفعتاً ایک ٹیکسی ڈرائیور نے قریب آ کر پوچھا۔

عادل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ تب ڈرائیور نے خوش ہو کر اپنی ٹیکسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''آئیے۔''

عادل ٹیکسی کے قریب آیا اور عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ نوجوان ڈرائیور ٹیکسی اسٹارٹ کر کے ایئر پورٹ کی حدود سے باہر آیا۔ ''بابو جی کہاں جائیں گے؟''

''رات گزارنے کے لئے جہاں اچھی جگہ مل جائے۔''

''اچھی جگہ تو گھر کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی بابو جی۔'' ڈرائیور ہنسا۔

''مگر میرا یہاں گھر نہیں ہے دوست اور نہ ہی یہاں کوئی عزیز ہے میرا۔''

''دوست کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے بابو جی اور آپ نے مجھے دوست کہا ہے تو پھر میرا غریب خانہ حاضر ہے۔''

عادل اس کی بات پر چونکا پھر مسکراتا ہوا بولا۔ ''مگر میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔''

''کیا آپ مسلمان ہیں؟'' ڈرائیور نے سوال کیا۔

اس کے سوال پر عادل کو فوراً ہی شاستری کی ہدایت یاد آ گئی جس نے کہا تھا کہ وہ بھارت میں خود کو ہندو اور مقامی ظاہر کرے لیکن فوراً ہی اس کے ضمیر نے کہا کہ اس مخلص ڈرائیور کو دھوکا دینا منافقت ہوگی جس نے محض دوست کہنے پر اسے اپنے گھر قیام کرنے کی پیشکش کر دی تھی۔

''ہاں۔ خدا کے فضل سے میں مسلمان ہوں۔''

''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''چنانچہ آپ کوئی تکلف نہ کریں۔ پاکستان میں میرے قریبی عزیز رہتے ہیں اور مجھے وہاں سے آنے والا ہر شخص اپنا عزیز محسوس ہوتا ہے۔''

''اگر تمہارا اصرار ہے تو میں انکار نہیں کروں گا۔ ہوٹل کا کرایہ میں تمہیں دے دوں گا۔''

''واہ بابو جی یہ بھی آپ نے خوب کہی۔ بلکہ میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔'' ڈرائیور نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''میرا گھر کوئی سرائے یا ہوٹل نہیں ہے اور نہ ہی میں کبھی کسی غیر کو اپنے گھر لے گیا ہوں۔ ٹھیک ہے

آپ ہوٹل میں ہی قیام کریں اور......"

"ارے۔ارے۔تم خفا ہو گئے ہو یار۔" عادل اس کی بات قطع کرتا ہوا تیزی سے بولا۔

"آپ نے بات ہی ایسی کی ہے بابو جی۔میرے خلوص کا مذاق اُڑایا ہے۔"

"اچھا یار۔چلو۔اپنے گھر ہی چلو۔میں اپنے الفاظ پر شرمندہ ہوں۔معاف کر دو۔" عادل نے مسکراتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپایا۔"نام تو بتاؤ اپنا۔"

"مجھے کاشف کہتے ہیں۔نئی آبادی میں چھوٹا سا گھر ہے جہاں تنہا رہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔

عادل نے اسے اپنا نام بتایا اور بولا۔"میں یہاں سیر و تفریح کے لئے آیا ہوں۔"

"ٹیکسی ڈرائیور کاشف نے شہر کی حدود میں داخل ہوتے ہی ایک نو آباد کالونی میں ٹیکسی موڑ دی۔چند لمحوں بعد اس نے ایک چھوٹے سے مکان کے باہر ٹیکسی روکی۔پھر عادل کے ساتھ مکان میں داخل ہو گیا۔دو کمروں کا مکان تھا۔چھوٹا سا صحن تھا۔اس گلی میں ایک ہی طرز کے کوارٹر بنے ہوئے تھے۔ایک کمرے میں فرش پر قالین نما کپڑا بچھا ہوا تھا۔دوسرے کمرے میں ایک میز، دو کرسیاں اور ٹرالی پر ٹیلیویژن رکھا تھا۔وہاں اچھی قسم کا قالین بچھا تھا۔غالباً یہ کاشف کا ڈرائنگ روم تھا۔اس نے عادل کو کرسی پیش کی اور وہ بیٹھ گیا۔

"مکان تو تمہارا بہت صاف ستھرا ہے۔کرایہ کا ہے؟" عادل نے پوچھا۔

"اپنا ہے۔والد مرحوم نے قسطوں پر یہ کوارٹر خریدا تھا۔گزشتہ سال ان کے مرنے کے بعد بقیہ قسطیں میں نے ادا کر کے اپنے نام رجسٹری کروا لیا۔"

"خوب......کچھ پڑھے لکھے بھی لگتے ہو؟"

"جی ہاں۔میں نے سات جماعتیں پڑھی ہیں۔پھر والدہ کے مرنے کے بعد پڑھائی چھوڑ دی اور رکشا چلانے لگا۔کیونکہ والدہ کی بیماری پر کافی روپیہ قرض لے کر خرچ کیا تھا اور والد صاحب معمولی کلرک ہونے کے سبب اکیلے قرض ادا نہ کر سکتے تھے۔اس لیے قرض اتارنے کے لیے مجھے بھی کمانا پڑا۔ہندو سیٹھ نے اصل رقم سے تین گنا زیادہ سود وصول کیا۔بہر حال خدا کا شکر ہے کہ قرض ادا ہو گیا۔یعنی دو ہزار کے عوض آٹھ ہزار روپے۔"

"تمہیں کافی جدوجہد کرنا پڑی ہوگی۔" عدل نے اسے تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"ظاہر ہے۔محنت نہ کرتا تو اب تک سود کی رقم پانچ گنا ہو چکی ہوتی۔" وہ مسکرایا۔"میرا خیال ہے آپ اس کمرے میں آرام کریں۔" وہ دوسرے کمرے سے چادر اور تکیہ لے آیا اور چادر قالین پر بچھا دی۔

عادل نے قالین پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔تم بھی آرام کرو۔صبح مجھے سات بجے جگا دینا۔"

"میں تو ابھی دھندا کروں گا۔دو گھنٹے بعد آؤں گا۔ویسے بھی مجھے ابھی نیند نہیں آئے گی۔دو بجے سونے کا عادی ہوں۔" کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا۔"کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔واپسی پر لیتا آؤں گا۔کھانا کھا لیا آپ نے؟"

"ہاں......اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔تم باہر سے دروازہ بند کرتے جانا۔"

اس کے جانے کے بعد عادل رخسانہ کے بارے میں سوچنے لگا۔چھت میں نصب پنکھے کو دیکھتے ہوئے اس کا ذہن تیزی سے جہاز میں گزرے ہوئے وقت کا پوسٹ مارٹم کرنے میں مصروف تھا کہ چائے پینے کے بعد اس پر غنودگی اور نیند کیوں طاری ہو گئی تھی؟ کیا کسی غیبی قوت نے اسے سُلا دیا تھا اور اس کی غفلت کے دوران رخسانہ کو جہاز سے غائب کر دیا گیا تھا۔اگر یہ بات تھی تو رخسانہ کو اغوا کرنے کی بجائے وہ قوت اسے اغوا کرتی۔شنکر لال کے معاملے میں رخسانہ کا کوئی کردار نہ تھا پھر اسے کیوں اغوا کیا گیا تھا؟

اس کا ذہن پنکھے کی رفتار سے ہی سوچنے میں مصروف تھا مگر پھر اچانک ہی اس کی چھٹی حس نے خطرے کا اعلان کیا اور پنکھے کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی۔دوسرے ہی لمحے پنکھا جس آہنی کڑے سے منسلک تھا۔وہ کڑا پر شور آواز کے ساتھ ٹوٹا اور پنکھا اس پر گرنے لگا۔مگر اس سے پہلے ہی عادل نے ایک دم یکے بعد دیگرے دو کروٹیں لیں اور پنکھا اس کی چھوڑی ہوئی جگہ پر دھماکے سے آن گرا۔اس کے گھومتے ہوئے پر عادل کے جسم سے چھ انچ پیچھے رہ گئے تھے ورنہ اس کا کوئی نہ کوئی عضو کٹ چکا ہوتا۔جان بچنے پر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔مگر ایک دو لمحوں بعد اچانک بتی چلی گئی اور کمرے میں گھور اندھیرا پھیل گیا۔

عادل اندھیرا چھانے پر پریشان ہو گیا۔پنکھے کا گرنا اور پھر بلب کا بجھ جانا غیر معمولی بات تھی۔وہ اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہوا سوچ رہا تھا کہ دونوں باتوں کا ایک ساتھ ہونا اتفاق نہیں ہو سکتا۔یقیناً اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔اگر خطرے کا احساس ہوتے ہی وہ اپنی جگہ نہ چھوڑ دیتا تو اس وقت وہاں اس کی لاش پڑی ہوتی۔

دفعتاً اس کی سماعت سے ایک انجانی سی سرسراہٹ کی آواز ٹکرانے لگی۔وہ چونک کر غور سے سننے لگا۔آواز فرش سے بلند ہو رہی تھی مگر اندھیرے میں کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔اس کے ذہن پر خوف طاری ہونے لگا اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔اگرچہ وہ اب ڈرپوک نہیں رہا تھا مگر سرسراہٹ کی وہ آواز کچھ اتنی زیادہ بھیانک تھی کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بدن پسینہ اگلنے لگا۔

☆☆☆

اچانک کتا بھیانک آواز میں غرایا اس کی خوفناک غراہٹ سے سمن کا دل لرز گیا۔ اس نے دوڑتے دوڑتے سر گھما کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی کہ کتا تعاقب میں تو نہیں آ رہا۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ ایک درخت کے تنے سے جا ٹکرائی۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ خارج ہوئی اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی زمین پر ڈھیر ہوگئی۔ داہنے شانے میں درد ہونے لگا۔ شکر یہ ہوا کہ وہ درخت کے تنے سے پہلو کے بل ٹکرائی تھی۔ اگر سیدھی طرف سے ٹکراتی تو اس کے چہرے کا بھرتا بن گیا ہوتا۔ خوفناک سیاہ کتے اور اس کی پشت پر بیٹھے سفید پھنئیر ناگ کی دہشت نے اسے فوراً سنبھلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ تیزی سے اُٹھی اور پلٹ کر دیکھا تو کتا غائب ہو چکا تھا۔ وہ ہانپتی ہوئی دہشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی مگر کتا کسی طرف نظر نہ آیا۔

کچھ اطمینان ہونے پر اس نے سادھی کی طرف دیکھا اور اس کی مخالف سمت میں بڑھنے لگی۔ شنکر لال نے کہا تھا کہ سادھی پر پھول چڑھانے سے اسے بھدرا دیوی کا تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ سمن اگرچہ شہری ماحول کی پروردہ اور تعلیم یافتہ ماڈرن لڑکی تھی اس کے باوجود وہ ہندو دھرم پر ایمان اور اپنے مذہب کے حوالے سے دیوی دیوتاؤں کے وجود پر پورا یقین رکھتی تھی۔ چنانچہ اپنے خوف پر قابو پانے کے لیے اس نے بہتر یہی سمجھا کہ سادھی پر پھول چڑھا کر بھدرا دیوی کی آشیرباد اور تحفظ حاصل کر لینا چاہیے۔ وہ پھولوں کی تلاش میں آگے بڑھ رہی تھی مگر ذہن پر سیاہ کتے کا خوف بدستور طاری تھا اور وہ اسی کے بارے میں سوچتی ہوئی گھنے درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان چل رہی تھی۔

چند منٹ بعد پتھریلی زمین شروع ہوگئی۔ مزید کچھ دور چلنے پر زمین کی سطح بلند ہونے لگی۔ کہیں کہیں بھاری پتھر اور چھوٹی چھوٹی چٹانیں بھی دکھائی دینے لگیں۔ پھر اس کی سماعت سے ہلکا ہلکا شور ٹکرانے لگا۔ اس نے رک کر غور سے سنا تو محسوس ہوا جیسے وہ شور پانی کا ہو جو شاید بلندی سے پتھریلی زمین پر گر رہا تھا۔ وہ اسی سمت میں مڑ کر چلنے لگی۔ شور آہستہ آہستہ قریب آتا گیا۔ پھر جونہی وہ درختوں کے ایک جھنڈ کی دوسری طرف پہنچی تو سامنے ایک آبشار دکھائی دی۔ ایک بلند چٹان سے پانی کی تین چار فٹ چوڑی چادر زمین پر گر رہی تھی اور وہ پانی ایک قدرتی راستے سے بائیں جانب جا رہا تھا۔ اُسی چٹان کے آس پاس گھنے درخت تھے اور ان میں پھولوں کے بے شمار پودے دکھائی دے رہے تھے۔ ان پر کھلے پھول دیکھ کر وہ مطمئن ہوگئی مگر پانی دیکھ کر اسے بے اختیار پیاس کا احساس ہونے لگا۔ وہ آبشار کے پاس آئی اور اس کشادہ گڑھے کے کنارے بیٹھ گئی جس میں آبشار گر رہا تھا۔

اس نے چلو میں لے کر پانی پیا۔ پیاس بجھا کر وہ اٹھی ہی تھی کہ اچانک ایک آواز سنائی دی۔
''جلدی سے پھول توڑ کر سادھی پر لے جاؤ۔'' اس نے چونکتے ہوئے آواز کی سمت دیکھا اور بے اختیار اچھل پڑی۔ اس طرف سے اندھی آنکھوں والا کبڑا ساون رام چلا آ رہا تھا۔ آنکھیں نہ ہونے کے باوجود

وہ سیدھا اس کی طرف آ رہا تھا جیسے سمن کو دیکھ رہا ہو۔ ساون رام قریب آتا جا رہا تھا اور خوف سے سمن کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر جونہی وہ اس سے دو تین قدم کے فاصلے پر پہنچا، سمن تیزی سے بائیں جانب کے درختوں کی طرف چل دی جہاں پھولوں کے پودے تھے۔ ساون رام فوراً اپنی جگہ رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

سمن پلٹ کر دیکھے بغیر پھول چننے لگی۔ چند لمحوں بعد وہ اپنے دامن میں پھول بھر کر واپس سادھی کی طرف چلی تو کبڑا ساون رام نظر نہ آیا۔ نجانے وہ کس سمت چلا گیا تھا۔ سمن پھول لے کر سادھی کے قریب آئی اور پھولوں والا جگہ پر پھول پھینکنے لگی۔ آخری پھول پھینکتے ہی اسے عقب سے کسی کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے گھبرا کر فوراً پیچھے دیکھا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ ہنسنے والا کون اور کہاں پر تھا۔ اسے وہ اپنا وہم بھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ پھر اچانک ہی اسے یاد آ گیا کہ وہ اس وقت بدروحوں کے جنگل میں ہے۔ ہنسنے والی بھی کوئی بدروح ہی ہو سکتی ہے۔

دفعتاً غار کے قریبی درختوں میں سے خوفناک آنکھوں والا سیاہ کتا نمودار ہوا اور اسے دیکھ کر سمن کی روح فنا ہونے لگی۔ اس کتے کی پشت پر سفید رنگ کا ناگ کنڈلی مارے بیٹھا نظر آ رہا تھا اور اس کی ننھی ننھی چمکدار آنکھیں سمن پر مرکوز تھیں۔ لیکن کتا غار کے دہانے کی طرف بڑھ گیا۔ سمن نے اسے غار میں داخل ہوتے دیکھا تو گہرا سانس لے کر سوچنے لگی کہ کتا غار میں کیوں گیا ہے اور اس کی پشت پر ناگ کیوں سوار رہتا ہے۔ ابھی اس نے اتنا ہی سوچا تھا کہ غار کی طرف سے ایک گونجدار آواز سنائی دی۔

''مقدس بھدرا دیوی کی داسی۔ غار میں آ جاؤ اور کھانا کھا لو۔''

وہ غار کی طرف بڑھی مگر دہانے کے پاس ہی رک گئی۔ اسے سیاہ کتے کا خیال آ گیا تھا جو غار میں گیا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر سوچنے لگی کہ کیا کرے۔ اسی لمحے اندر سے آواز آئی۔

''اندر آ جاؤ، ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں بھدرا دیوی کا تحفظ حاصل ہو چکا ہے۔''

سمن غار میں داخل ہوگئی۔ اندر چند قدم کے فاصلے پر تنکوں سے بنی ایک ٹوکری پڑی تھی، مگر غار میں کوئی نہ تھا۔ ساون رام اور سیاہ کتا دونوں نظر نہ آ رہے تھے۔ وہ ٹوکری کے پاس پہنچی تو اس میں رکھا کھانا دیکھ کر اسے بھوک محسوس ہونے لگی۔ اس نے فرش پر بیٹھ کر ٹوکری سے کھانا نکالا اور کھانے لگی مگر اس کی خوفزدہ نگاہیں غار کے تاریک حصے کی جانب مرکوز تھیں۔ کھانا کھانے سے اس کے بدن میں جان پڑ گئی۔

مگر جونہی وہ کھانے سے فارغ ہوئی غار کے تاریک حصے کی طرف سے خوفناک پھنکار سنائی دی۔

چند لمحوں بعد ہی سفید ناگ آتا دکھائی دیا جو کتے کی پشت پر اس نے دیکھا تھا۔ وہ پھن اٹھائے فرش پر رینگتا ہوا سمن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی ننھی ننھی آنکھیں سمن پر مرکوز تھیں۔ پھر چند لمحوں بعد ہی سفید

ناگ غائب ہو چکا تھا اور اس کی جگہ ایک بوڑھا سادھو بیٹھا تھا۔ اس کا سر گنجا اور بھوؤں کے بال سفید تھے۔ چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں مگر اس کی آنکھیں دیکھ کر سمن کا دہشت کے مارے سانس سینے میں اٹکنے لگا۔ بلاشبہ وہ خوفناک آنکھیں اسی سفید ناگ ہی کی تھیں۔

☆☆☆

کھوپڑی کی چمکدار خوفناک آنکھیں رخسانہ کو گھور رہی تھیں اور وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس نے کھوپڑی سے نگاہیں ہٹا کر فرش کی طرف دیکھا تو چکرا کر رہ گئی۔ فرش پر چند لمحے قبل رینگنے والے تمام سانپ غائب ہو چکے تھے۔ پھر اس نے ڈھانچے کی طرف دیکھا تو وہ بھی نظر نہ آیا۔

''اف میرے خدا!'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بڑبڑائی۔ ''کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟''

''نہیں...... تم جاگ رہی ہو رخسانہ۔'' دفعتاً چھت کی طرف سے ایک آواز آئی اور وہ اچھل پڑی۔ یہ آواز اس نے جہاز کے باتھ روم میں سوامی راج کپور کے منہ سے سنی تھی۔ اس نے دہشت زدہ نگاہوں سے اوپر دیکھا تو کھوپڑی کی گھورتی ہوئی آنکھیں متحرک تھیں اور اس میں سے آواز نکل رہی تھی۔

''اس وقت تم مہاراج شنکر لال کے آشرم میں ہو اور وہ تمہارے عاشق ملنگ کا جانی دشمن ہے۔ اسے شکست دینے اور اس سے گوپال داس کی موت کا بدلہ لینے کے لیے تمہیں یہاں لایا گیا ہے۔ مگر فی الحال وہ بے انتہا مصروف ہے۔ اس لیے اس کے فارغ ہونے تک تم اسی کمرے میں قید رہو گی۔ یہاں سے بھاگنے کا تصور بھی ذہن میں مت لانا۔ جونہی تم کمرے سے باہر قدم رکھو گی، زہریلے سانپ تمہیں ہڑپ کر جائیں گے۔ اگر زندہ رہنے کی تمنا ہے تو حالات سے سمجھوتہ کرلو۔''

رخسانہ خوف کی شدت سے گنگ کھوپڑی سے نکلنے والی سوامی راج کپور کی آواز سن رہی تھی۔ اس کے خاموش ہونے پر وہ کچھ نہ بولی۔ مگر شنکر لال کے ارادے جان کر وہ بدحواس ہو گئی۔ شنکر لال اس سے گوپال داس کی موت کا انتقام لینا چاہتا تھا جبکہ اس معاملے میں رخسانہ کا ذرا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ سر جھکائے راج کپور کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ کئی لمحے گزر گئے اور کھوپڑی سے دوبارہ آواز نہ آئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا کھوپڑی غائب ہو چکی تھی۔

اس نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے فرش پر نظر ڈالی۔ فرش اب سانپوں سے پاک تھا۔ وہ بستر سے اتری اور دروازے کی طرف بڑھ گئی مگر حسب توقع دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ واپس بستر پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ وہ کب تک قید رہے گی اور اس بھیانک ماحول میں کیسے وقت گزارے گی جہاں ہر لمحہ دہشت انگیز تھا۔ جہاز میں سوامی راج کپور نے اسے باتھ روم میں جانے پر مجبور کرنے کے لیے اپنی خوفناک آنکھوں کی طاقت استعمال کی تھی۔ پھر یہاں لا کر بھی اس کے لیے ماحول کو دہشتناک بنایا تھا تاکہ

وہ خوف میں مبتلا رہے اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔

تھوڑی دیر سوچ بچار کرنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اسے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگرچہ سوامی راج کپور نے اسے وارننگ دی تھی کہ باہر قدم رکھتے ہی زہریلے سانپ اسے ہلاک کر دیں گے لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر اسے ہلاک ہی کرنا تھا تو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ راج کپور جہاز کے باتھ روم میں بھی آسانی سے قتل کر سکتا تھا۔ یقیناً شنکر لال کی آمد تک اس کی جان محفوظ تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور سوامی راج کپور اندر آیا۔ اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی۔ اس نے ٹرے رخسانہ کے پاس بستر پر رکھی اور پیچھے ہٹ کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ ''کھانا کھالو۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتی ہوئی بولی۔

''تمہیں کھانا پڑے گا۔'' وہ غرایا۔ ''بھوکی رہو گی تو کمزوری سے تمہارا حسن ماند پڑ جائے گا جبکہ شنکر لال حسن کا شیدائی ہے۔'' سوامی راج کپور کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''کک...... کیا...... کیا مطلب؟'' وہ ایک دم بوکھلا گئی۔

''ہاں، خوبصورت اور کنواری لڑکیاں اسے بے حد پسند ہیں۔'' سوامی راج کپور مکروہ انداز میں ہنسا۔

''نہیں......!'' رخسانہ بے اختیار چیخی۔ ''میں۔ میں ایسا نہیں......!''

سوامی راج کپور شیطانی انداز میں ہنستا ہوا پلٹا اور کمرے سے نکل گیا۔ اس بار اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا جس کے باہر راہداری معلوم ہوتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد رخسانہ عمارت کا جائزہ لینے کے لئے کمرے سے نکل آئی۔ راہداری میں کل چار کمرے تھے۔ ان کے دروازے بند تھے۔ اختتام پر برآمدہ تھا جس کے باہر تاریکی پھیلی ہوئی تھی جبکہ راہداری کی دوسری جانب بالائی منزل پر جانے والے زینے تھے۔ وہ ایک لمحہ کے لئے رکی پھر دبے پاؤں برآمدے کی طرف بڑھنے لگی۔ راہداری کے اختتام پر رک کر اس نے برآمدے سے باہر دیکھنے کی کوشش کی اور خوفزدہ ہو کر فوراً ہی پیچھے ہٹ گئی۔

برآمدے اور عمارت کے گیٹ کے درمیان نیم تاریکی میں کفن میں لپٹے دو مردے ٹہل رہے تھے۔ کفن میں سے ان کی استخوانی کھوپڑیاں نکلی ہوئی تھیں اور آنکھوں کے سوراخ اس طرح روشن تھے جیسے ان میں انگارے دہک رہے ہوں۔ ان کی موجودگی میں گیٹ سے نکلنا تو درکنار برآمدے سے باہر قدم رکھنا بھی جان لیوا تھا۔ خوف سے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے اپنی کیفیت پر قابو پایا۔ پھر پلٹ کر واپس چل دی تھی اس کا رخ زینوں کی طرف تھا کہ شاید چھت کی طرف سے فرار کی کوئی صورت ممکن ہو۔ وہ دبے پاؤں زینے طے کر کے چھت پر پہنچی۔ چھت کھلی تھی مگر اس پر کوئی متنفس نظر نہ آ

رہا تھا۔اس عمارت کے آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی اور عمارت کے گرد دور تک گھنے درخت نظر آ رہے تھے۔اس نے چھت کے کنارے سے نیچے جھانکا تو اندازہ ہوا کہ زمین پندرہ سولہ فٹ نیچے تھی۔اس طرف عمارت کا عقب تھا۔درخت وہاں سے تین چار قدم کے فاصلے پر تھے۔ستاروں کی روشنی میں زمین پر لمبی گھاس اُگی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ رخسانہ نے اندازہ لگایا کہ نیچے کودنے میں اسے چوٹ نہیں آئے گی۔ چنانچہ اس نے وہاں سے کودنے کا فیصلہ کر لیا۔اچانک اسے خیال آیا کہ اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوگئی تو جائے گی کہاں۔عمارت کے چاروں طرف تا حد نگاہ کسی آبادی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔دور تک پھیلے درختوں کے سیاہ ہیولے دیکھ کر محسوس ہو رہا تھا کہ وہ عمارت کسی جنگل میں واقع تھی۔یہ اندازہ لگانا بھی دشوار بلکہ ناممکن تھا کہ یہ جنگل اپنے ہی وطن میں ہیں یا بھارت کی حدود میں؟ یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر عمارت کے احاطے میں موجود کفن پوش مردوں کو اس کے فرار کا پتا چل گیا تو وہ اسے پکڑنے کی کوشش کریں گے اور اگر وہ پکڑی گئی تو نہ جانے وہ اس کے کیا ساتھ کیا سلوک کریں۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔شنکر لال کے ہاتھوں بے آبرو ہونے سے یہ بہتر تھا کہ وہ فرار کی کوشش میں ماری جاتی۔اس نے چھت کے کنارے پر بیٹھ کر پاؤں نیچے لٹکائے اور پھر کودنا ہی چاہتی تھی کہ اچانک نیچے سے پُراسرار آوازیں بلند ہونے لگیں۔اس نے فوراً نیچے دیکھا اور بوکھلا کر پاؤں اوپر کر لئے۔نیچے زمین پر چند انسانی ہیولے دیوار کے پاس موجود تھے۔

چند لمحوں بعد اس نے دوبارہ نیچے جھانکا تو ہیولے غائب ہو چکے تھے۔آوازیں بھی بند ہو چکی تھیں۔ یقیناً وہ بدروحیں تھیں۔ پانچ چھ منٹ بعد اس نے جی کڑا کر کے پھر نیچے دیکھا مگر نیچے کچھ نہ تھا۔قدرے مطمئن ہو کر اس نے ایک دم نیچے چھلانگ لگا دی۔فوراً ہی پُراسرار آوازیں بلند ہوئیں اور وہ گھاس پر جا گری۔گھنی اور لمبی گھاس کے سبب اسے چوٹ نہیں آئی تھی مگر ان آوازوں سے وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔اس نے سنبھلتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔تب وہ اٹھی اور تیزی سے سامنے والے درختوں کی طرف بڑھ گئی۔ادھر تاریکی زیادہ گہری تھی۔وہ رکے بغیر چلتی رہی۔ابھی پندرہ بیس قدم ہی چلی تھی کہ اچانک تیز ہوا چلنے لگی۔جھاڑیوں میں سے سرسراہٹ کی اوازیں ابھرنے لگیں اور درختوں کی شاخیں شائیں شائیں کرنے لگیں۔

رخسانہ رک گئی۔ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی اور اس کے شور میں پُراسراری آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے بے شمار بدروحیں اس کے آس پاس باتیں کر رہی ہوں۔ایک لمحہ کے لئے اس کا دل کانپ کر رہ گیا۔مگر پھر وہ ان آوازوں کو واہمہ سمجھ کر آگے بڑھنے لگی وہ اس عمارت سے بہت دور نکل جانا چاہتی تھی۔جونہی اس نے قدم بڑھائے، پُراسرار آوازیں ایک دم تیز ہو گئیں پھر اسے ایک نئی آواز سنائی دی

جیسے کوئی گھوڑا سامنے کی جانب سے سرپٹ دوڑتا آ رہا ہو۔وہ ڈر کر رک گئی۔گھوڑے کی ٹاپوں جیسی آواز لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھیں۔اس نے آواز کی سمت دیکھنے کی کوشش کی مگر تاریکی کے سبب دو قدم سے آگے کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔پُراسرار آوازیں اور درختوں کی شائیں شائیں بڑھتی جا رہی تھی۔گھوڑے کی ٹاپیں قریب آ گئیں۔اُسے لگا جیسے گھوڑا اس کی سیدھ میں آ رہا ہو۔وہ اس کی زد میں آنے سے بچنے کے لیے بائیں جانب ہٹی اور ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی۔

دفعتاً گھوڑے کی ٹاپیں اس کے سامنے آ کر معدوم ہو گئیں۔اور پھر ایک دم ہوا بند ہو گئی۔اس کے ساتھ ہی پُراسرار آوازیں بھی بند ہو گئیں اور خوفناک سناٹا چھا گیا جیسے ہر شے ساکت و جامد ہو گئی ہو۔وہ خوفزدہ نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی مگر پھر اچانک ہی کسی نے اس کے سر کے بال پکڑ لئے۔اس نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا اور دہشت کے مارے اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

☆☆☆

سرسراہٹ کی بھیانک آواز لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور عادل کے ذہن پر ایک نامعلوم سا خوف مسلط ہوتا جا رہا تھا۔وہ تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فرش پر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔چند لمحوں بعد وہ خوفناک آواز اتنی قریب آ پہنچی کہ جیسے چند انچ کے فاصلے سے بلند ہو رہی ہو۔عادل گھبراہٹ کے عالم میں اپنی جگہ سے پیچھے سرکنے لگا اور ہٹتے ہٹتے وہ دیوار سے جا لگا۔ٹھیک اسی لمحے اس کی چھوڑی ہوئی جگہ پر دو جگنو ٹمٹمانے لگے۔ان کی جلتی بجھتی روشنیوں سے ثانیہ بھر کے اجالے میں ایک زرد رنگ کے خوفناک پھن کے خدوخال اجاگر ہوئے اور عادل خوف سے لرز اٹھا۔وہ موٹا اور چوڑا پھن کسی اژدہے کا تھا جس کی آنکھیں جگنو کی طرح ٹمٹما رہی تھیں اور اس کا دھڑ تاریکی میں پوشیدہ تھا۔وہ روشن آنکھیں عادل پر مرکوز تھیں اور آہستہ آہستہ روشنی تیز ہوتی جا رہی تھی۔وہ عادل سے صرف تین چار فٹ کے فاصلے پر تھا۔چند لمحوں بعد اژدہے نے اپنے جبڑے کھولے اور خوفناک انداز میں پھنکارا۔اس کی پھنکار اتنی بھیانک تھی کہ خوف سے عادل کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔جبڑے کھلنے پر اس کے منہ میں دونوں طرف باریک لمبے اور سفید دانتوں کی قطاریں دکھائی دیں اور عادل کو یوں محسوس ہوا جیسے اژدہے نے اس پر حملہ کرنے کے لئے منہ کھولا ہو۔خطرے کا اندازہ ہوتے ہی عادل اچھل کر کھڑا ہوا اور بائیں جانب جست لگا دی۔اندھیرے میں وہ ایک کرسی سے جا ٹکرایا اور فرش پر گر گیا۔

وہ سنبھل کر اٹھا ہی تھا کہ اژدہا بھیانک آواز میں پھنکارا اور اگلے ہی لمحے وہ اچھل کر عادل پر آ گرا۔ عادل کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔دوسرے ہی لمحے وہ اپنے جسم پر بیسیوں چھوٹے چھوٹے پنجوں کی گرفت محسوس کر رہا تھا۔اس نے تیزی سے ایک سحر پڑھ کر خود پر پھونکا۔دوسرے ہی لمحے اس کا جسم

پنجوں کی گرفت سے آزاد ہو گیا مگر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، اژدہے کا چار پانچ انچ موٹا لچکدار جسم عادل کی کمر کے گرد لپٹتا چلا گیا۔ عادل نے بوکھلا کر اس کے بلوں سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن بل اتنے سخت تھے کہ وہ انہیں اپنے بدن سے جدا نہ کر سکا۔ پھر اژدہے کی گرفت تنگ ہونے لگی اور عادل کو محسوس ہوا جیسے اس کی پسلیاں ٹوٹنے والی ہوں۔ اس نے ایک بار پھر سحر پڑھا اور اژدہے کے بلوں پر پھونکا۔ دوسرے ہی لمحے اژدہے کے بل کھل گئے اور عادل ان کی گرفت سے نکل کر دور ہٹ گیا۔ اژدہے کی آنکھیں غائب ہو چکی تھیں جس کے سبب وہاں پھر گہری تاریکی پھیل گئی۔ عادل نے ہانپتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا اور تیزی سے دراوزے کی طرف لپکا۔ وہ اندازے سے دروازے کے پاس پہنچا اور جونہی دروازہ کھولا باہر کھڑے ایک انسانی ڈھانچے نے دونوں ہاتھ بڑھا کر عادل کو کمر سے پکڑ لیا۔ عادل نے اس کی گرفت سے آزاد ہونے کیلئے ہاتھ پاؤں چلائے لیکن ڈھانچے کی ہڈیوں کی گرفت بہت سخت تھی۔ عادل نے منتر پڑھنے کی کوشش کی مگر اس لمحے ڈھانچے نے اسے اٹھا کر بائیں جانب اچھال دیا۔ اس کی گرفت سے نکلتے ہی عادل نے خود کو چوٹ سے بچانے کے لئے اپنے جسم کو ترچھا کر لیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بوکھلا گیا۔ اس کا جسم زمین پر گرنے کی بجائے تاریک فضا میں بلند ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے نیچے جھانکا تو نیچے تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ دہشت زدہ ہو گیا۔ کوئی نادیدہ قوت اسے سرعت سے آسمان کی طرف کھینچے جا رہی تھی۔

چند لمحوں بعد ہی اس کے بدن کو جھٹکا لگا اور پھر وہ بے جان پتھر کی مانند نیچے کی طرف گرنے لگا۔ اس کے حواس معطل ہو گئے۔ نیچے تاریکی کے سبب کچھ نظر نہ آ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ نیچے زمین پر گر کر وہ زندہ نہیں بچے گا۔ اس کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔ دو تین لمحوں کے بعد اس نے پھر نیچے دیکھا تو پہاڑیوں اور چٹانوں کے ہیولے دکھائی دیے۔ اس کا بدن سرعت سے نیچے گر رہا تھا اور موت کے خوف سے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی تھی، اس نے آخری کوشش کے طور پر ایک منتر پڑھ کر خود پر پھونکا۔ اگلے ہی لمحے اس کا بدن جھٹکے سے سیدھا ہوا اور پھر اس کے پاؤں پتھریلی زمین پر اس طرح جا ٹکے جیسے کسی نے اسے پکڑ کر وہاں کھڑا کر دیا ہو۔ اس نے سنبھل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں اس کے آس پاس چھوٹی بڑی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔

وہ حیران ہوتا ہوا ایک پتھر پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اسے ان پہاڑوں میں کیوں پھینکا گیا اور وہ دہلی سے کس سمت میں کتنی دوری پر موجود ہے۔ گزرے ہوئے واقعات اس کے لئے بے حد عجیب ثابت ہو رہے تھے اور ان کا ذمہ دار صرف شنکر لال ہی ہو سکتا تھا جو اسے اس کی منزل سے دور رکھنا چاہتا ہے اور اژدہے کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد اس نے اسے اس نامعلوم علاقے میں

پھنکوا دیا تھا۔ وہ چند منٹ سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر اٹھا اور ایک طرف چل دیا۔

جونہی وہ ایک چٹان کے پاس پہنچا، چٹان کی آڑ سے دو افراد نکل کر اس کے سامنے آ گئے۔ انہیں دیکھ کر عادل خوف زدہ ہو گیا ان کی گردنوں سے ان کے سر غائب تھے اور انہوں نے سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے اور عادل کے دائیں بائیں آ کر اس کے بازو گرفت میں لے لئے۔ ان کے ہاتھ برف کی مانند سرد تھے مگر گرفت سخت تھی۔ عادل بوکھلا گیا۔ وہ خود کو چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگا۔

''بھاگنے کی کوشش بیکار ہے ملنگ۔ اس وقت تم شیواجی کی نگری میں ہو۔'' ایک آدمی کی گردن سے آواز بلند ہوئی۔ ''یہاں تمہاری کوئی شکتی تمہارے کام نہیں آ سکتی...... چلو۔''

پھر وہ دونوں اسے کھینچتے ہوئے بائیں جانب لے چلے۔ عادل نے زیرِ لب سحر پڑھ کر ان پر پھونکا مگر سر کٹوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے دو تین اور کوششیں کیں لیکن ناکام رہا۔ اپنی بے بسی محسوس کر کے اس پر دہشت طاری ہو گئی۔ شیواجی کی نگری کے وہ سر کٹے ناقابلِ تسخیر ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے یخ بستہ ہاتھوں میں اس کے بازو جکڑ رکھے تھے۔ تیس چالیس قدم کا فاصلہ طے کر کے وہ لوگ ایک پہاڑی دیوار کے سامنے جا پہنچے۔ اس پہاڑی میں ایک غار کا روشن دہانہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس غار میں اتنی زیادہ روشنی تھی جیسے ہزاروں مشعلیں جل رہی ہوں۔ دہانے کے باہر بھی دو سر کٹے ٹہل رہے تھے۔

''ارے...... یہ کون ہے......؟'' ان میں سے ایک کی آواز بلند ہوئی۔

''مقدس دیوی کا گنہگار۔'' عادل کی بائیں جانب والے شخص نے جواب دیا۔ ''یہ آسمان سے ہماری نگری میں اترا تھا۔''

''پھر اسے فوراً دیوی کی خدمت میں پیش کر دو۔'' سوال کرنے والے کے لہجے سے مسرت عیاں تھی۔

اس کے ساتھ ہی وہ آگے بڑھا اور عادل کے جسم کو ہاتھوں سے یوں ٹٹولنے لگا جیسے قصاب بکرے کو چیک کرتا ہے۔ پہلے تو عادل کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ سر کٹا ایسا کیوں کر رہا ہے لیکن جب اس نے خوشی سے کلکاری ماری تو عادل کی ہڈیوں کے اندر تک خوف کی تیز لہر سرایت کر گئی۔ اسے گرفتار کرنے والے اسے کھینچتے ہوئے غار کے دہانے کی طرف بڑھے۔ نہ جانے اس غار کا کیا اسرار تھا اور اس میں داخل ہونے کے بعد اسے کن دہشت ناک مراحل سے گزرنا پڑتا۔ اس نے آخری کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پھر جونہی وہ غار کے دہانے پر پہنچے، عادل نے پوری قوت سے دونوں بازوؤں کو جھٹکا اور خود کو چھڑا لیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے ایک سر کٹے کے سینے پر مکا رسید کیا اور دوسرے کو دھکا دیتا ہوا بائیں جانب بھاگ اٹھا۔ اس کے دوڑتے ہی ان سر کٹوں کی چیخیں بلند ہوئیں اور پھر عادل کے پیچھے دوڑتے قدموں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ سنگلاخ زمین پر ان کے پاؤں چھپاک چھپاک کا شور پیدا کر رہے تھے۔ عادل

نے دوڑتے دوڑتے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور دہشت سے اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کا پیچھا کرنے والے چار نہیں بلکہ بیس سر کٹے تھے اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں نظر آ رہی تھیں۔ وہ سب عجیب سا شور مچاتے اس کی طرف دوڑ رہے تھے۔

عادل جانتا تھا کہ اگر وہ ان کے ہاتھ آ گیا تو وہ اس کے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ اس لئے وہ اندھا دھند چٹانوں کے درمیان دوڑنے لگا۔ سر کٹے آدم خور معلوم ہوتے تھے اور ان سے جان بچانے کا اس کے پاس یہ آخری موقع تھا جسے وہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ سر کٹوں سے کافی دور نکل آیا لیکن وہ اب بھی اس کے تعاقب میں تھے اور ان کے چیخنے چلانے کا شور بدستور سنائی دے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے پکڑے بغیر نہیں رکیں گے۔ پھر اچانک ہی اس کے سامنے کئی ڈھانچے نمودار ہوئے اور انہوں نے عادل کا راستہ روک لیا۔ یہ دیکھ کر عادل ایک جھٹکے سے رکا اور رخ بدل کر بائیں جانب دوڑنے لگا۔ ایک دو لمحوں بعد اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ڈھانچے اس کے پیچھے بھاگے چلے آ رہے تھے جبکہ سر کٹے چٹانوں کے سبب اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ عادل نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔

''رک جاؤ ملنگ تم شیوانگری سے زندہ نہیں جا سکو گے۔'' عقب سے ایک ڈھانچے کی آواز بلند ہوئی۔

لیکن عادل اتنا دہشت زدہ تھا کہ وہ بھاگتا جا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک چٹان کے عقب میں رکا اور ہانپنے لگا۔ ابھی اس کی حالت نہیں سنبھلی تھی کہ اچانک بجلی کی سی تیز چمک پیدا ہوئی اور پھر عقب سے ان ڈھانچوں کی کرب میں ڈوبی چیخیں سنائی دینے لگیں۔

☆☆☆

سادھو کی سانپ جیسی آنکھیں سمن پر مرکوز تھیں اور ان میں اتنی سحر انگیزی تھی کہ کوشش کے باوجود سمن اس کے چہرے سے نگاہیں نہ ہٹا پائی۔

''سمن.....'' غار کے بھیانک سناٹے میں اس سادھو کی سرسراتی ہوئی آواز گونجی۔

اس آواز میں اتنی خونخواری تھی کہ سمن کی خوف سے گھگی بندھ گئی اور اس کا وجود خشک پتے کی مانند لرزنے لگا۔ اعصاب کشیدہ کر دینے والی آواز کسی خنجر کی مانند اس کے کان کے پردے چیرتی ہوئی اس کے دماغ میں اترتی جا رہی تھی۔

''ہنومان جی کی خاص شکتی تمہیں دان کرنے کے لئے بھدرا دیوی نے تمہیں میری رکھشا میں دے دیا ہے۔''

''تت۔تت۔تم۔کک۔کون......؟'' سمن کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

''میں بھدرا دیوی کا سیوک گوپل اچاریہ ہوں۔ شنکر لال نے اپنے جاپ کے لئے تمہیں بھینٹ کے

طور پر یہاں بھیجا ہے۔ اس کی کامیابی کے لئے تمہیں بھینٹ چڑھانے سے پہلے میرے من کی آشا پوری کرنی ہے تاکہ میں بھدرا دیوی کو تمہارے اَن چھوئی ہونے کی گواہی دے سکوں۔''

گوپل اچاریہ کے الفاظ سن کر سمن کا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔ نہ جانے اس سے کس قسم کی بھینٹ لی جائے گی اور وہ بوڑھا کس طرح اس کے کنوار پن کی تصدیق کرے گا۔ وہ خاموشی سے گوپل اچاریہ کی طرف دیکھتی رہی۔

''کیا تم اپنے پوتر اور سیتا ہونے کا ثبوت دینے کے لئے تیار ہو؟'' ایک دو لمحوں کی خاموشی کے بعد سادھو نے سوال کیا۔

سمن نے بے اختیار اثبات میں سر کو جنبش دی۔ تب سادھو کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی اور اس کے پتلے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ اس نے غار کے فرش پر دراز ہوتے ہوئے ایک ہاتھ سمن کی طرف بڑھایا۔ ''آؤ پھر......اپنا لباس اتارو اور میری رکھشا میں لیٹ جاؤ۔''

''کیا......!'' سمن کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''ہاں۔ میں تمہارے کنواری ہونے کی تصدیق کروں گا۔ آؤ......'' وہ شیطانی انداز میں ہنسا۔

''نہیں......!'' وہ بے ساختہ چیخی اور پیچھے ہٹ گئی۔

''ڈرو مت۔ میں بھدرا دیوی کا خاص سیوک ہوں۔۔ مجھ پر ہنومان جی کی بھی کرپا ہے۔''

''نن......نہیں......یہ پاپ ہے۔ تم اپرادھی دیوی کے نام پر مجھے داغدار کرنا چاہتے ہو۔''

اس کے ساتھ ہی وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ گوپل اچاریہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔

''کیا بکتی ہو ناری......یہ پاپ نہیں ہے۔ میں اس زمین پر دیوتاؤں کا اوتار ہوں اور میرا ہر عمل ہر حرکت ہنومان جی کے تابع ہے۔ چلو ادھر آؤ۔ ورنہ ہنومان جی کے عذاب سے نہیں بچ سکو گی۔''

سمن نے اس کی دھمکی کی پرواہ نہ کر اور نفرت آمیز لہجے میں بولی۔ ''ایک عذاب سے بچنے کے لئے میں دائمی عذاب میں نہیں پڑوں گی پاپی۔''

یہ سن کر سادھو گوپل اچاریہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھیں قہر برسانے لگیں۔ ''میں دیکھتا ہوں تم کیسے نہیں مانتیں۔''

پھر وہ جارحانہ انداز میں سمن کی طرف بڑھا۔ اس کے خطرناک ارادے جان کر سمن خوفزدہ ہو گئی اور ایک دم پلٹ کر غار کے دہانے کی طرف دوڑ پڑی۔ وہ دوڑتی ہوئی باہر آئی اور رکے بغیر آبشار کی سمت دوڑنے لگی۔ عقب سے اسے گوپل اچاریہ کا قہقہہ سنائی دیا۔

''تم بھدرا دیوی کی سمادھی سے دیوی کی آشا پوری کئے بغیر کہیں نہیں جا سکو گی۔''

سمن پلٹ کر دیکھنے کی بجائے اور تیزی سے بھاگنے لگی۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور پہنچی تھی کہ اچانک عقب سے کسی تیز رفتار گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دیں۔ یوں لگتا جیسے کوئی گھوڑا طوفانی رفتار سے اندھا دھند اس کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔ وہ فوراً ہی ایک طرف ہٹ گئی مگر گھوڑے کی ٹاپیں اب بھی پہلے جتنے فاصلے محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ رکی اور پلٹ کر دیکھا تو عقب میں کوئی نہ تھا۔ اس پر اسے حیرت ہوئی اور وہ دوبارہ آبشار کی طرف دوڑنے لگی۔ چند قدم ہی چلی تھی کہ گھوڑے کی ٹاپیں معدوم ہوتی چلی گئیں۔ وہ اس نادیدہ گھوڑے کو نہ دیکھ سکی تھی نہ جانے وہ کون تھا اور کیوں نظر نہ آیا تھا۔ وہ چند لمحے ہانپتی وہیں کھڑی رہی۔ پھر آگے بڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آبشار کے پاس جا پہنچی اور تھک کر آبشار کے کنارے اُگی گھاس پر گر گئی۔ اس کے بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر آنکھیں بند کیے نرم نرم گھاس پر یونہی پڑی رہی۔ پھر اُٹھ بیٹھی اور آبشار کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اس کے قریب ہی کوئی زور سے ہنسا اور وہ بے ساختہ اچھل پڑی۔

☆☆☆

اس کے بال مٹھی میں جکڑنے والا سوامی راج کپور ہی تھا جو عقب میں کھڑا خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رخسانہ کی اپنی ناکامی اور راج کپور کی شعلہ بار نگاہوں کی دہشت سے گھگی بندھ گئی اور جسم خشک پتے کی مانند کانپنے لگا۔

''دیشیا......'' سوامی راج کپور جبڑے بھینچتا ہوا غرایا۔ ''میں نے تمہیں خبردار کیا تھا کہ بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ مگر تو باز نہ آئی۔ کیوں؟''

رخسانہ کچھ نہ بولی اس کی دہشت سے پھٹی پھٹی آنکھیں سوامی راج کپور کے خوفناک اور مکروہ چہرے پر جمی تھیں۔ سوامی راج کپور کا چہرہ اس کی آنکھوں سے اتنا قریب تھا کہ تاریکی کے باوجود بھی وہ اس کی پیشانی پر کھنچی سفید لکیر دیکھ رہی تھی مگر چہرے کے سوا اس کا سارا بدن تاریکی میں چھپا ہوا تھا۔

''تم شنکر لال کی میرے پاس امانت ہو......'' وہ ایک دو لمحوں کے وقفے سے دوبارہ بولنے لگا۔ ''اس کی واپسی تک تمہیں قابو میں رکھنا میری ذمہ داری ہے اس لئے مجھے جیسے ہی خفیہ ذریعے سے تمہارے بھاگنے کی خبر ملی میں راستے ہی سے لوٹ آیا......''

اس نے خاموش ہو کر رخسانہ کے بال چھوڑے اور ہاتھ لہرایا۔ فوراً ہی سامنے کی طرف سے روشنی نمودار ہوئی۔ یہ روشنی ان کی طرف بڑھتے ایک انسانی ڈھانچے کی ہڈیوں سے خارج ہو رہی تھی۔ وہ ان کے قریب آ رکا۔ اسے دیکھ کر رخسانہ کا خوف کی شدت سے خون خشک ہونے لگا۔ سوامی راج کپور نے رخسانہ کو اس ڈھانچے کی طرف دھکا دیتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''اسے واپس آشرم میں لے جاؤ اور کمرے میں بند کر کے دروازے پر پہرہ دو......''

اس ڈھانچے نے رخسانہ کو اپنے دونوں پنجوں کی گرفت میں لے لیا۔ پھر جھٹکے سے اٹھایا اور کندھے پر ڈال کر اس کی طرف چل دیا جدھر سے نمودار ہوا تھا۔ رخسانہ کا دہشت کے مارے دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل پا رہی تھی۔ ڈھانچے کی رفتار حیرت انگیز طور پر اتنی تیز تھی جیسے وہ چلنے کی بجائے ہوا میں تیرتا جا رہا ہو۔ سوامی راج کپور وہیں رہ گیا تھا۔ ڈھانچا تقریباً نصف فرلانگ طے کرنے کے بعد اچانک رکا اور رخسانہ کو زمین پر ڈال کر ایک دم ہاتھ لہرایا اور اس کے ہاتھ میں ایک چمکدار تلوار دکھائی دینے لگی۔

ٹھیک اسی لمحے سامنے ایک جھاڑی سے دو خوفناک آنکھیں نمودار ہوئیں اور رخسانہ سہم گئی۔ وہ آنکھیں ایک قوی الجثہ چیتے کی تھیں جو جھاڑی سے نکل کر ڈھانچے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈھانچے نے تلوار تان لی۔ مگر چیتا اسے خونی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بے خوف و خطر آگے بڑھتا رہا۔ پھر ڈھانچے سے چھ سات فٹ کے فاصلے پر رکا اور ایک دم اچھل کر ڈھانچے پر آ پڑا۔ ڈھانچے کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور وہ پیچھے آ گرا۔ رخسانہ زمین پر پڑی دہشت سے کانپ رہی تھی۔ چیتے نے ڈھانچے کے ایک استخوانی بازو کو اپنے جبڑوں کی گرفت میں لے کر جھٹکا دیا اور ڈھانچے کا بازو اس کے پنجر سے جدا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ڈھانچا اتنی زور سے چیخا کہ درختوں پر بیٹھے پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل کر اِدھر اُدھر اڑنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ڈھانچا غائب ہو گیا۔

ڈھانچے کے غائب ہوتے ہی وہاں ایک دم گہری تاریکی پھیل گئی رخسانہ نے دم سادھ لیا۔ نہ جانے وہ چیتا کون تھا اور اس نے ڈھانچے کو کیوں ختم کیا تھا۔ رخسانہ آواز سننے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہاں گہرا سناٹا طاری تھا۔ اندھیرے کے سبب چیتا نظر نہ آ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد رخسانہ کے دائیں جانب سے ایک گونجدار آواز بلند ہوئی۔

''رخسانہ......اٹھو اور اپنے بائیں ہاتھ پر روانہ ہو جاؤ۔ فی الحال تم خطرے سے آزاد ہو۔''

رخسانہ نے اٹھتے ہوئے حیرت سے آواز کی سمت دیکھا مگر تاریکی میں کچھ نظر نہ آیا۔ ''تم کون ہو؟''

''مہاراج شاستری کا ادنیٰ غلام۔'' نرم لہجے میں جواب ملا۔ ''اس طرف تھوڑے فاصلے پر ایک مندر ہے۔ اس مندر میں رشی سوبھراج تمہارا منتظر ہے جو تمہاری امداد کرے گا اور تمہیں عادل کے پاس پہنچا دے گا۔''

''عادل......عادل کہاں ہے......؟'' وہ عادل کے ذکر پر بے تاب ہو گئی۔

''وہ جہاں بھی ہے اس کا علم مجھے نہیں ہے۔ اب تم روانہ ہو جاؤ......''

''مگر اندھیرے میں میں کیسے راستہ دیکھوں گی؟'' اس نے پوچھا۔

لیکن اس کے جواب میں شاستری کا غلام خاموش رہا۔ رخسانہ نے اسے دوبارہ آواز دی اور کوئی جواب نہ پا کر سمجھ گئی کہ وہ وہاں سے جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک بار پھر خوف میں مبتلا ہو گئی مگر دماغ سوچنے سمجھنے کے لئے آزاد تھا، چنانچہ وہ شاستری کے غلام کی بتائی ہوئی سمت میں قدم بڑھانے لگی۔ تاریکی کے سبب وہ احتیاط سے قدم اٹھا رہی تھی۔ تقریباً نصف گھنٹہ بعد وہ جنگل سے نکل آئی۔ کھلے آسمان تلے اسے کچھ فاصلے پر کسی چراغ کی لو دکھائی دی۔ شاید وہی مندر تھا جہاں اسے پہنچنا تھا۔ وہ ستاروں کی مدھم روشنی میں اس سمت بڑھنے لگی۔ دس بارہ منٹ بعد وہ ایک چھوٹے سے مندر کے پاس پہنچ گئی جس کے دروازے کے پہلو میں طاقچے میں چراغ جل رہا تھا۔ مندر کا دروازہ کھلا تھا مگر وہاں کوئی ذی روح نظر نہ آ رہا تھا۔ وہ زینے چڑھنے لگی۔ ابھی وہ تیسرے زینے پر ہی تھی عقب سے ایک دم بجلی کا کڑاکا سا ہوا اور رخسانہ کا دل دہل گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو چند قدم کے فاصلے پر ایک انسانی کھوپڑی ہوا میں معلق تھی اور اس کی آنکھوں سے روشنی کی لہریں خارج ہو رہی تھیں۔

''خبردار...... رک جاؤ...... اندر مت جانا۔ لوٹ آؤ۔ ورنہ جلا کر راکھ کر ڈالوں گا......'' کھوپڑی سے ایک غضبناک آواز خارج ہوئی۔

اور رخسانہ اس آواز کو پہچان کر بے ساختہ اچھل پڑی۔ وہ آواز سوامی راج کپور تھی۔ وہ پھرتی سے پلٹی اور مندر کے کھلے دروازے کی طرف جست لگا دی۔ ایک لمحہ بعد وہ مندر میں داخل ہو چکی تھی۔ اسی لمحے باہر پھر آسمانی بجلی جیسا کڑاکا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مندر کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ رخسانہ نے سوامی راج کپور کے خوف سے پلٹ کر دیکھنے سے گریز کیا اور آگے بڑھنے لگی۔ وہ مندر کے پوجا پاٹ والے حصے میں پہنچی تو وہاں صرف ایک بوڑھا شخص بیٹھا پوجا پاٹ میں مصروف تھا۔ اس کے علاوہ وہاں کوئی انسان نظر نہ آ رہا تھا۔ وہ ایک طرف دیوار سے پشت لگا کر فرش پر بیٹھ گئی۔ بوڑھا دیوی کے مجسمے کے سامنے ہاتھ باندھے بیٹھا تھا۔ رخسانہ کو یقین تھا کہ وہی رشی سوبھراج ہے۔ وہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ دو منٹ بعد بوڑھا پلٹا اور رخسانہ کی طرف دیکھنے لگا۔ رخسانہ سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی۔ بوڑھے نے اسے متوجہ کرنے کے لئے چٹکی بجائی۔ رخسانہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کی شکل دیکھتے ہی وہ خوف سے ایک دم ساکت ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

کربناک چیخوں سے وادی کا ذرہ ذرہ کپکپانے لگا تھا۔ عادل نے دوڑتے دوڑتے پلٹ کر دیکھا اور اس کے قدم رک گئے۔ عقب میں ایک روشن منظر اس کے سامنے تھا۔ فضا میں ایک انسانی کھوپڑی معلق

تھی اور اس کی آنکھوں سے روشنی کی لال پیلی تمتماتی شعاعیں خارج ہو کر عادل کا تعاقب کرنے والے ڈھانچوں پر پڑ رہی تھیں۔ ڈھانچوں میں آگ لگی ہوئی تھی اور وہ خشک لکڑی کی مانند جل رہے تھے۔ ان کی اذیت میں ڈوبی چیخوں سے چٹانیں گونج رہی تھیں۔ کھوپڑی رخ بدل بدل کر ڈھانچوں پر جہنمی شعاعیں برسا رہی تھی اور وہ آگ کے بھڑکتے شعلوں میں لپٹے اِدھر اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔

یہ صورتِ حال عادل کے حق میں تھی اور اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کھوپڑی اس کی مدد کے لئے وہاں آئی ہے۔ چنانچہ اس کے قلب و ذہن پر چھایا خوف کم ہونے لگا۔ جلد ہی تمام ڈھانچے کھوپڑی کی آنکھوں سے خارج ہونے والی خطرناک شعاعوں کا شکار ہو گئے۔ پھر وہ کھوپڑی فضا میں تیرتی ہوئی عادل کی طرف بڑھی اور عادل سے چند فٹ کے فاصلے پر ہوا میں رک گئی۔

''ملنگ...... مجھے شاستری مہاراج نے تمہاری مدد کے لئے بھیجا ہے۔'' کھوپڑی سے آواز آئی۔

''مگر شاستری بابا خود کہاں ہے؟'' عادل نے بے تاب ہو کر پوچھا۔ ''اور مجھے یہاں کس نے پہنچایا ہے۔ کونسی جگہ ہے یہ؟''

''یہ شیوانگری ہے۔ جزیرہ کالا بن کا پہاڑی علاقہ۔ انگریزوں کے دور میں مجرموں کو سزا کے طور پر یہاں بھجوا دیا جاتا تھا۔ اکثر مجرم یہاں بھوک و پیاس کے سبب مر جاتے اور ان کی روحیں یہاں بھٹکتی رہتی تھیں۔ شیواجی کی ایک بیوی نے ان تمام روحوں کو اپنی غلامی میں لے لیا اور جزیرے پر شیوانگری قائم کر دی۔ بہرحال یہ تمہارے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں۔ اب تم یہاں سے نکل جاؤ۔ تھوڑی دور اس جزیرے کا ساحل ہے۔ وہاں تمہارے لئے ایک کشتی موجود ہے۔ تم اس پر سفر کرو گے تو صبح کا سورج دہلی میں دیکھو گے۔ وہاں شاستری مہاراج تمہارا منتظر ہے۔ سفر کے دوران تم اپنی حفاظت خود کرو گے۔''

''اچھا...... مگر رخسانہ کہاں ہے؟ جہاز میں سفر کے دوران وہ غائب ہو گئی تھی۔''

''شنکر لال کے ایک گرگے راجکپور نے اسے اغوا کیا تھا اور اسے قید کر دیا تھا۔'' کھوپڑی نے بتایا۔ ''اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔ البتہ شاستری مہاراج کو علم ہو گا۔ بس اب تم چل دو۔''

اس کے ساتھ ہی کھوپڑی انتہائی سرعت سے فضا میں بلند ہوتی چلی گئی۔ عادل بھی تیزی سے چل دیا۔ چند منٹ بعد پہاڑی علاقی بتدریج ختم ہونے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسے کچھ فاصلے پر سمندر دکھائی دینے لگا۔ وہ ساحل پر پہنچا تو وہاں چھوٹی سی کشتی دکھائی دی جو پانی کی سطح پر ہلکورے لے رہی تھی۔ ستاروں کی روشنی میں عادل نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ موٹر بوٹ تھی اور پانی میں ڈوبی ہوئی ایک چٹان کے ساتھ کھڑی تھی۔ عادل چٹان پر چڑھا اور دوسری طرف سے کشتی میں سوار ہو گیا۔

کشتی میں قدم رکھتے ہی کشتی کا انجن خود بخود اسٹارٹ ہوا اور وہ پانی کی سطح پر دوڑتی ہوئی ساحل سے

دور ہونے لگی۔ عادل کو حیرت تو ہوئی مگر جلد ہی وہ سمجھ گیا کہ کشتی کسی پوشیدہ طاقت کے زیر اثر چل رہی تھی۔ ساحل سے کافی دور کھلے سمندر میں پہنچ کر کشتی بائیں جانب دوڑنے لگی۔ عادل پر تھکاوٹ کا غلبہ تھا۔ وہ کشتی میں لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر کے سمن کے بارے میں سوچنے لگا کہ شنکر لال کی قید میں وہ کن حالات سے گزر رہی ہو گی۔ پھر اسے رخسانہ کا خیال آیا اور انہی خیالات میں اس کی آنکھ لگ گئی۔

شور سے اس کی آنکھ کھلی تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ کشتی کی بجائے کسی ٹرین میں برتھ پر دراز تھا اور ٹرین حرکت میں تھی جبکہ کمپارٹمنٹ مسافروں سے بھرا ہوا تھا اور ایک پھیری والا ''ٹھنڈی بوتل'' کی آواز لگا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کشتی سے وہ ٹرین میں کیسے پہنچا۔ اسی وقت ایک ٹکٹ چیکر وہاں آ پہنچا اور مسافروں کے ٹکٹ چیک کرنے لگا۔ اسے دیکھ کر عادل پریشان ہو گیا۔ شاستری بابا کی پُراسرار قوتوں نے اسے ٹرین میں پہنچایا تھا تو وہ خود کہاں تھا اور ٹرین کہاں جا رہی تھی۔

ٹکٹ چیکر نے نیچے بیٹھے مسافروں کے ٹکٹ چیک کرنے کے بعد اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو عادل نے کہا۔ ''میرا ٹکٹ کہیں گر گیا ہے۔''

''خوب!'' چیکر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ تم نے ٹکٹ لیا ہی نہیں۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں جناب......'' عادل نے کہا ''ٹکٹ میرے پاس سے گم......''

''ارے رہنے دو......'' چیکر نے منہ بنایا ''دن میں تم جیسے بلاٹکٹ سینکڑوں ملتے ہیں اور سب یہی بہانہ کرتے ہیں کہ ٹکٹ گم ہو گیا چلو پیسے نکالو اور ٹکٹ بنواؤ......کہاں جانا ہے؟''

ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے ایک کاپی اور قلم نکال لیا۔ عادل نے کہا۔ ''مجھے دہلی جانا ہے۔''

''تو بمبئی سے دہلی تک کا کرایہ نکالو۔'' چیکر نے کاپی کھول کر اسے نام پوچھا۔

''مگر بمبئی سے کیوں؟'' عادل نے چونکتے ہوئے اسے گھورا۔

''اس لئے کہ ٹرین بمبئی سے روانہ ہوئی تھی۔ قانون کے مطابق کرایہ بمبئی سے چارج ہو گا۔''

عادل سمجھ گیا کہ اسے بمبئی کے ساحل سے کشتی سے اتار کر ٹرین میں ڈالا گیا تھا۔ وہ جیب سے پیسے نکالنے لگا۔ مگر پیسوں کے ساتھ ایک ٹکٹ بھی نکل آیا۔ ٹکٹ دیکھ کر وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ وہ بمبئی سے دہلی تک کا ٹکٹ تھا۔ یقیناً یہ بھی نادیدہ قوتوں کا کارنامہ تھا۔ اس نے چیکر کو پیسے دینے کی بجائے ٹکٹ تھماتے ہوئے کہا۔ ''لیجئے سر مل گیا۔''

چیکر نے ٹکٹ دیکھ کر منہ بنایا اور چیک کر کے اسے واپس دیتا ہوا بولا۔ ''پہلے ہی دیکھ لیتے تو میرا وقت ضائع نہ ہوتا۔''

وہ چلا گیا۔ عادل نے اطمینان کا سانس لیا اور نیچے سیٹوں پر بیٹھے مسافروں کا جائزہ لینے لگا۔ سیکنڈ

کلاس کا ڈبہ تھا۔ اسی کی برتھ کے نیچے چار آدمی بیٹھے تھے۔ جبکہ ان کے سامنے والی سیٹوں پر دو مرد، ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک نوجوان لڑکی بیٹھی تھی۔ وہ کافی خوبصورت اور دلکش تھی۔ شلوار سوٹ جدید تراش خراش کا تھا اور ماتھے پر بندیا چمک رہی تھی۔ اسی وقت لڑکی نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔ جواب میں عادل بھی مسکرایا اور لڑکی نے سر جھکا لیا۔

عادل سوچنے لگا کہ وہ لڑکی کیوں مسکرائی تھی جبکہ وہ اس کے لئے یکسر اجنبی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کر لیا کہ لڑکی تنہا تھی۔ اس کا خوبصورت پرس اس کی گود میں رکھا تھا۔ دہلی تک کے سفر کے دوران لڑکی بار بار اس کی طرف دیکھتی اور مسکراتی رہی۔ اس دوران عادل نے اسے کسی مسافر سے بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ نہ جانے وہ کون تھی اور اس میں کیوں دلچسپی لے رہی تھی۔ عادل بھی برتھ پر نیم دراز اس کی طرف متوجہ رہا۔ لڑکی کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں سحر انگیز کشش تھی اور جب بھی دونوں کی آنکھیں چار ہوتیں، عادل کا دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگتا تھا۔ اور جب وہ اس کی طرف سے توجہ ہٹاتی تو عادل کو یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا ذہن کسی بوجھ سے آزاد ہو گیا ہو۔

دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی رکی تو عادل نے برتھ سے اترتے ہوئے اسی کی طرف الوداعی نگاہوں سے دیکھا اور لڑکی مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ پھر وہ عادل کے ساتھ ہی پلیٹ فارم پر اتری۔ عادل اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھنے لگا کہ شاید شاستری اسے لینے آیا ہو۔ گیٹ پر ٹکٹ دکھا کر وہ باہر آیا تو لڑکی بھی اس کے پیچھے چلی آئی مگر عادل اس سے بے خبر تھا۔

''سنئے......!'' ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھتے ہوئے اسے لڑکی کی آواز سنائی دی۔

عادل ٹھٹک کر رکا اور لڑکی قدم بڑھا کر اس کے قریب آ گئی۔ عادل نے اس کی طرف دیکھا۔ لڑکی کے یاقوتی لبوں پر وہی دلکش مسکراہٹ طاری تھی جو سفر کے دوران وہ دیکھتا رہا تھا۔ پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ صورت کے ساتھ ساتھ اس لڑکی کی آواز بھی نہایت پیاری اور پُرکشش تھی۔

''جی فرمایئے......!'' اس نے قدرے حیرت سے جواباً کہا۔

''میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں......'' وہ اس کی طرف مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''شکریہ۔ وہ کس بات کا......'' عادل کہتے کہتے رک گیا۔

''مس سوما!'' اس نے عادل کا جملہ مکمل کیا۔ ''سوما اگنی۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ کی وجہ سے میرا سفر بڑا خوشگوار گزرا۔''

''جی!'' عادل کو واقعی حیرت ہوئی۔ ''مگر میں نے تو آپ کے لئے کچھ نہیں کیا۔''

''یہ کیا کم ہے کہ آپ نے مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا۔'' وہ آہستہ سے ہنسی۔ ''آپ کی توجہ

سے مجھے محسوس ہوتا رہا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ ایک تنہا لڑکی کے لئے اتنا طویل سفر کسی مرد کے سہارے طے کرنا بہت دشوار اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے......"

اسی لمحے ایک ٹیکسی ڈرائیور قریب آ گیا اور سوما نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ڈرائیور نے عادل سے پوچھا۔ "بابو جی۔ کہاں جانا ہے آپ کو؟"

"کہیں نہیں۔" سوما نے عادل سے پہلے ہی اسے جواب دے دیا۔ "ابھی ہم چائے پئیں گے۔"

ڈرائیور پلٹ گیا۔ سوما نے عادل کی طرف دیکھا اور مسکراتی ہوئی بولی۔ "سفر کے دوران تو آپ نے اکیلے ہی چائے پی تھی۔ اب ایک کپ میرے ساتھ ہو جائے۔ آپ کو جلدی تو نہیں ہے؟"

"نہیں تو۔" عادل اس کی پیشکش پر حیران تھا۔ "مگر یہ چائے میری طرف سے ہوگی......"

"کوئی مضائقہ نہیں۔" وہ دلکش انداز میں ہنسی۔

"چائے کسی کی طرف سے ہو، اس میں خلوص کی آمیزش ہونی چاہئے۔ آیئے۔"

وہ اسٹیشن کی حدود سے باہر آئے۔ وہاں سڑک کے دونوں طرف چھوٹے بڑے ہوٹل اور ریسٹورنٹ واقع تھے۔ سوما ایک ریستوران میں داخل ہوئی۔ ہال کے آخری حصے میں فیملی کیبن بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک کیبن میں آ بیٹھے۔ ان کے بیٹھتے ہی ویٹر آ گیا۔ عادل نے دوپہر کے وقت راستے کے ایک جنکشن اسٹیشن پر ٹرین سے اتر کر ہلکا پھلکا لنچ کیا تھا۔ اب رات کے آٹھ بج رہے تھے اور وہ بھوک محسوس کر رہا تھا۔ یقیناً سوما بھی بھوکی تھی کیونکہ عادل نے اسے لنچ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ پورے سفر کے دوران سوما نے دو بار جوس پیا تھا اور بس۔

"میرا خیال ہے چائے سے پہلے کھانا کھا لیا جائے۔" سوما نے اسے مخاطب کیا۔ "اسٹیشن کے غیر معیاری اور تیز مصالحہ کھانوں کے سبب میں نے لنچ نہیں کیا تھا۔ کیا منگوایا جائے؟"

"جو دل چاہے، میری کوئی خاص پسند نہیں ہے، ہر شے کھا لیتا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سوما نے ویٹر کو آرڈر دیا اور وہ چلا گیا۔ وہ دوبارہ عادل کی طرف متوجہ ہوئی۔ "کیا میں اپنے ہم سفر کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"ضرور۔" وہ اس کے چہرے کا جائزہ لیتا ہوا بولا۔ "مجھے انیل کہتے ہیں۔ بمبئی میں کپڑے کا کاروبار ہے۔ یہاں ایک دوست سے ملنے آیا ہوں۔"

"گڈ بڑا پیارا نام ہے۔" وہ مسکرائی۔ "آپ جیسے خوبصورت آدمی کا ایسا ہی خوبصورت نام ہونا چاہئے۔ مجھے بہت پسند ہے۔ اگر میں مرد ہوتی تو یقیناً میرا نام بھی انیل ہوتا۔"

"آپ کہاں رہتی ہیں اور اتنا طویل سفر تنہا کیوں کیا؟" عادل نے سوال کیا۔

"تنہا کہاں۔ آپ بھی تو تھے میرے ساتھ۔" وہ ہنسی۔ "میں بمبئی میں اپنے والدین سے ملنے گئی تھی۔ یہاں یونیورسٹی میں بی اے کر رہی ہوں۔"

"تو گویا آپ یہاں ہوسٹل میں رہتی ہیں۔" عادل چونکا۔

"نہیں تو۔ یہاں صفدر جنگ روڈ پر کرائے کا فلیٹ لے رکھا ہے۔ دراصل ہوسٹل کی پابندیاں مجھے پسند نہیں ہیں۔"

اتنے میں ویٹر کھانا لے آیا۔ کھانا کھانے کے بعد عادل کو گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ سوما کے والد بمبئی میں محکمہ بجلی میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں اور پرائیویٹ بزنس بھی کرتے ہیں۔ اس نے سوما کو بتایا کہ وہ اپنے دوست سے صبح ملاقات کرے گا اور یہ رات ہوٹل میں گزارے گا۔

"ہوٹل کی کیا ضرورت ہے۔ دو بیڈ کا فلیٹ ہے میرا۔ آپ آج میرے مہمان بنیں گے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ ساتھ ہی اس نے عادل کی آنکھوں میں جھانکا اور عادل کوشش کے باوجود انکار نہ کر سکا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود سوما نے کھانے کا بل ادا کیا اور دو منٹ بعد دونوں ایک ٹیکسی میں سفر کر رہے تھے۔ سوما اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے بیٹھی تھی اور عادل اس کی قربت سے پگھلتا جا رہا تھا۔ وہ اس سرشاری کے عالم میں یہ محسوس نہ کر سکا کہ ٹیکسی کن کن سڑکوں سے گزرتی رہی۔ وہ اس وقت چونکا جب ٹیکسی ایک نیم تاریک گلی میں داخل ہو کر ایک رہائشی عمارت کے گیٹ پر رکی۔

وہ دونوں ٹیکسی سے اترے۔ سوما نے میٹر دیکھے بغیر پرس سے سو کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کو تھمایا اور بے تکلفی سے عادل کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کے گیٹ کی طرف بڑھی۔ اندر کوئی نہ تھا۔ وہ اس کے ساتھ زینے پر چڑھنے لگا۔ دوسری منزل پر راہداری سنسان پڑی تھی۔ فلیٹوں کے دروازے بند پڑے تھے اور ان میں تاریکی تھی۔ سوما بائیں ہاتھ کے چوتھے دروازے پر رکی۔ اس نے پرس سے چابی نکال کر قفل کھولا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس نے بلب جلا کر عادل کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ عادل اندر آیا تو اس نے دروازہ بند کر دیا۔ فلیٹ میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ وہ عادل کو ساتھ لئے ایک کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ بیڈ روم تھا جو جدید اور خوبصورت فرنیچر سے آراستہ نظر آ رہا تھا۔

"تم یہاں آرام کرو گے۔" اس نے ڈبل بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔ "میں ڈرائنگ روم میں صوفے پر سو جاؤں گی......"

"اوہ...... مگر تم نے تو کہا تھا کہ دو بیڈ روم ہیں۔" عادل نے چونکتے ہوئے کہا۔

"سوری ڈیئر......" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ "میں نے ڈبل بیڈ کہا تھا۔"

ڈیئر کے لفظ نے عادل کے بدن میں سنسناہٹ پیدا کر دی۔ وہ بولا۔ "تو پھر تم یہاں آرام کرو۔ میں

ڈرائنگ روم......''

''نہیں۔'' وہ اس کی بات قطع کرتی ہوئی تیزی سے بولی۔''اس کی ضرورت نہیں۔ وہاں تمہاری سفر کی تھکاوٹ دور نہ ہو سکے گی......''

''مگر میں برداشت نہیں کر سکتا کہ تم وہاں بے آرام ہو۔ تم بھی تو تھکی ہوئی ہو......''

''اچھا تو پھر اکٹھے گزارا کرتے ہیں۔ کافی بڑا بیڈ ہے۔ بیٹھو۔ میں ذرا لباس بدل کر آتی ہوں۔'' اس نے کہا اور پلٹ کر باہر چلی گئی۔ عادل بیڈ پر بیٹھ گیا مگر آنے والے لمحات کے تصور سے اس کے بدن پر چیونٹیاں سے رینگنے لگی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک بیڈ پر وہ اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھ سکے گا یا نہیں۔ اسے سوما کی پیشکش پر بھی حیرت تھی کہ اس نے کس دلیری سے اور بلا جھجک اکٹھے سونے کی بات کی تھی۔ یقیناً اس کی نیت میں فتور تھا یا پھر اسے اس کی ذات پر اعتماد تھا۔ شاید وہ نہیں جانتی تھی کہ آدمی کے بہکنے میں دیر نہیں لگتی۔ شیطان شریف سے شریف آدمی کو بھی گناہ پر آمادہ کر لیتا ہے۔

پانچ منٹ بعد سوما واپس آئی اور عادل اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اس کے بدن پر سفید اور باریک سا سلیپنگ گاؤن تھا جس میں سے اس کے بدن کا انگ انگ جھانک رہا تھا۔ لبوں پر لپ سٹک کا اضافہ ہوا تھا اور کمرے میں خوشبو پھیل گئی تھی۔ یقیناً اس نے کوئی تیز قسم کا پرفیوم لگایا تھا۔ وہ عادل کی طرف مخمور نگاہوں سے دیکھتی ہوئی قریب آئی اور عادل پیچھے ہٹ کر دراز ہو گیا۔ سوما اس کے پہلو میں چت لیٹ گئی۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس نے کروٹ لی اور عادل کی قمیض کے بٹن کھولنے لگی۔ جونہی اس نے دوسرا بٹن کھولا ایک تیز جھماکا ہوا اور کمرے میں یکدم تاریکی پھیلتی چلی گئی۔

☆☆☆

ہنسی کسی عورت کی معلوم ہوتی تھی۔ سمن نے خوفزدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر دوبارہ اس کی نگاہیں آبشار کی طرف اٹھ گئیں۔ آبشار کے نیچے ایک نوجوان اور اسمارٹ سی لڑکی کھڑی نہا رہی تھی۔ پانی کی چادر اس کے بدن پر گر رہی تھی۔ وہ بے لباس تھی اور سمن کی طرف اس کی پشت تھی۔ سمن سمجھ گئی کہ وہی لڑکی ہنسی تھی جو پانی کے دھارے کے نیچے اس طرح اطمینان سے نہا رہی تھی جیسے وہاں کسی دوسرے انسان کی موجودگی سے بے خبر ہو لیکن سمن کا یہ اندازہ جلد ہی باطل ثابت ہوا۔ چند لمحوں بعد ہی اسے لڑکی کی آواز سنائی دی۔

''آؤ سمن۔ تم بھی غسل کر لو۔ پوتر ہو جاؤ گی۔'' اس نے سمن کی طرف دیکھے بغیر اسے دعوت دی۔

سمن کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ لڑکی اس کا نام کیسے جانتی تھی۔ وہ کون تھی اور کہاں رہتی تھی؟ لیکن پھر یہ سوچ کر وہ ایک دم خوفزدہ ہو گئی کہ چند لمحے پہلے وہ لڑکی وہاں نہیں تھی پھر وہ اچانک وہاں کیسے آ گئی۔ یقیناً

ہی بدروحوں کے اس جنگل کی کوئی مافوق الفطرت ہستی تھی۔

''سمن۔ آؤ نا۔ دیکھو کتنا سکون بخش پانی ہے۔ تمہارے سارے پاپ دھل جائیں گے۔'' لڑکی نے دبارہ اسے آواز دی۔ مگر اس بار اس نے سمن کی طرف رخ کر لیا تھا۔ سمن اس کا چہرہ دیکھ کر دل میں عتراف کئے بغیر نہ رہ سکی کہ لڑکی اس سے زیادہ خوبصورت اور پُرشباب بدن کی مالک تھی اور اس کے انگ گ سے جوانی کا خمار جھانک رہا تھا مگر اس کے الفاظ نے سمن کو برہم کر دیا۔

''مجھے ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری طرح پاپی نہیں ہوں......'' وہ ناگواری سے بولی۔

''اس کے باوجود اس پوتر پانی سے غسل لینا ضروری ہے۔'' لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں......تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟'' سمن نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''میں رانی ہوں۔ گوہل اچاریہ کی بیٹی۔'' اس نے بتایا۔ ''نہانے کے بعد تم دیوی کی امان میں آ جاؤ گی ور میرا باپ اپنی خواہش سے باز آ جائے گا۔ جلدی کرو۔ وہ اس طرف آنے والا ہے تمہیں پکڑنے کے لئے۔''

یہ سن کر سمن گھبرا گئی۔ یقیناً گوہل اچاریہ کی بیٹی اپنے باپ کی فطرت سے اچھی طرح آشنا تھی۔

''نہیں۔ میرے پاس اور لباس نہیں ہے۔'' اس نے رانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مگر تم کہاں تی ہو؟''

''جلدی کرو۔'' رانی تیزی سے بولی۔ ''یہ باتیں بعد میں ہو جائیں گی۔ لباس اتار کر آ جاؤ۔''

''یونہی ٹھیک ہے۔'' سمن اس کی طرف بڑھی۔ ''میں کپڑوں سمیت نہاؤں گی۔''

وہ پانی میں قدم رکھتی ہوئی رانی کے قریب پہنچ گئی اور رانی مسکرانے لگی۔ سمن نے اس کی طرف دیکھا ور چونک پڑی۔ تمام تر خوبصورتی کے باوجود رانی کی آنکھیں گول اور چمکدار تھیں۔ بالکل سادھو گوہل چاریہ کی آنکھوں کی طرح۔

''آؤ۔ پانی کے نیچے آ جاؤ۔'' رانی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''مجھ سے شرم مت کرو۔ لباس اتار لاؤ میں اتارتی ہوں۔''

اس نے سمن کا ہاتھ پکڑا اور اسی لمحے سمن کے کان میں ہلکی سی آواز آئی۔ ''خبردار...... یہاں سے ہٹ جاؤ۔ یہ لڑکی نہیں ہے۔''

وہ سرگوشی سن کر ایک دم چونکی دوسرے ہی لمحے اس نے رانی کی گرفت سے اپنا ہاتھ جھٹکے کے ساتھ چھڑا لیا اور پلٹ کر بھاگی مگر وہاں ایک فٹ گہرے پانی میں دوڑنے کی کوشش میں وہ منہ کے بل گر گئی۔ وہ تیزی سے اٹھی۔ اسی لمحے عقب سے رانی نے اس کا دوبارہ ہاتھ پکڑ لیا۔ سمن نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا

اور خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔ رانی غائب تھی اور اس کا ہاتھ سادھو گوپل اچاریہ کی گرفت میں تھا جو اپنے بے لباس اور بھیگے وجود کے ہمراہ اس کے پیچھے کھڑا بھیانک انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''آؤ مل کر اشنان کرتے ہیں۔ بہت لطف ملے گا تمہیں۔'' وہ اسے اپنی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

سمن اس کا مقصد جانتی تھی اور اسی مقصد کے حصول کے لئے اس نے خود کو رانی بنا کر سمن کو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ اگر سمن کو وہ غیبی آواز ہوشیار نہ کرتی تو گوپل اچاریہ اسے بے لباس کر چکا ہوتا۔ سمن نے اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کی مگر گوپل کی گرفت سخت تھی۔ تب سمن نے ایک دم جھک کر اس کے ہاتھ پر دانتوں سے کاٹا اور گوپل اچاریہ نے درد سے بلبلا کر اس کی کلائی چھوڑ دی۔ سمن جلدی سے پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی پانی سے باہر آ گئی مگر وہاں رکنے کی بجائے وہ تیزی سے دوڑنے لگی۔

''چھوڑوں گا نہیں......'' عقب سے اسے گوپل کی غضبناک آواز سنائی دی۔

سمن اندھا دھند بھاگتی ہوئی آبشار سے دور ہوتی گئی۔ جلد ہی وہ جنگل کے گھنے حصے میں پہنچ گئی۔ سامنے بھدرا دیوی کی سادھی دیکھ کر اس نے قدم روکے اور ہانپتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ اس پر غشی طاری ہو گئی تھی مگر جب غشی کی کیفیت دور ہوئی اور حواس بحال ہوئے تو وہاں تنہا نہیں تھی۔ شنکر لال اس کے قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''اوہ......تم!'' وہ چونکتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

''ہاں۔ میں آ گیا ہوں۔ تم یہاں کیوں بے ہوش پڑی تھیں؟''

''آہ......تم نے مجھے کس آسیب میں پھنسا دیا ہے۔ خبیث آدمی؟'' وہ سسکی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ''یہاں میرا ہر لمحہ خوف و دہشت کی اذیت میں گزرتا ہے۔ ظالم کے بچے! تم نے اپنے مطلب کے لئے مجھے بدروحوں کے حوالے کر دیا۔''

''دھیرج سمن دھیرج......!'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آج رات سے اپنا جاپ شروع کر رہا ہوں تین راتوں کے بعد میں تمہیں واپس لے جاؤں گا اپنے آشرم میں۔''

''میں اب ایک لمحہ بھی یہاں نہیں رہنا چاہتی۔'' وہ غرائی۔ ''میں ابھی یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔''

''ہرگز نہیں۔ میری مدد کے بغیر تم اس جنگل سے باہر نہیں جا سکتیں۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔ ''تمہیں میرا جاپ مکمل ہونے......''

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا جاپ میں جا رہی ہوں۔'' سمن نے اس کی بات قطع کر دی۔

''سمن......اگر تم نے میری بات نہ مانی تو بہت برا حشر کروں گا۔'' شنکر لال غرایا۔

سمن نے نفرت سے اسے گھورتے ہوئے سر جھٹکا اور تیزی سے ایک طرف چل دی۔ شنکر لال جلدی سے اس کے پیچھے لپکا لیکن سمن نے دوڑ لگا دی۔ جلد ہی سادھی سے نصف فرلانگ دور نکل آئی اور پھر آرام سے چلنے لگی۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کافی دیر تھی اور سے امید تھی کہ وہ اندھیرا چھانے سے پہلے ہی اس منحوس جنگل سے نکل آئے گی۔ مگر چند لمحوں بعد ہی اچانک ایک درخت کی آڑ سے ایک بوڑھے نے سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیا۔ سمن نے اس کی طرف دیکھا اور بے اختیار اچھل پڑی۔ وہ سادھو گوپل اچاریہ جو دونوں بازو پھیلائے مکروہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سمن خوفزدہ ہو گئی۔

''میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ چھوڑوں گا نہیں۔'' وہ خوفناک انداز میں ہنسا۔

اسی لمحے عقب سے شنکر لال کی آواز آئی۔ ''سمن سادھو مہاراج کی آشا پوری کر دو......''

سمن نے پلٹ کر دیکھا تو شنکر لال چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ ''اپنے بدن کی بھینٹ دے دو تا کہ میں ان کی سفارش سے شیو جی سے مہان شکتی حاصل کر لوں۔ یہ شیو جی کے خاص سیوک ہیں اور......''

''بکواس مت کرو خبیث......'' سمن چلائی۔ ''میں اپنی عزت کی بھینٹ نہیں دوں گی......''

''مہاراج آپ اسے لے جائیں۔'' شنکر لال نے گوپل اچاریہ سے کہا۔ ''اب یہ نہیں بھاگ سکتی۔''

اس کی بات سن کر گوپل اچاریہ ہنسا اور سمن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''میں اسے اب بھاگنے بھی نہ دوں گا شنکر لال۔ اب تک میں نے بڑے صبر سے کام لیا ہے کیونکہ مجھے تمہارا انتظار تھا۔ اب تم آ گئے ہو تو میں اسے اپنی گرفت سے نہیں نکلنے دوں گا۔''

سمن نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بچنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ سامنے وہ شیطان تھا اور پیچھے اس کے باپ کا دشمن شنکر لال جو اس کی عزت کی بھینٹ دینے پر تلا ہوا تھا۔ سادھو گوپل اچاریہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی خوفناک اور گول آنکھیں سمن پر مرکوز تھیں۔

''شنکر لال۔ تم ذرا آڑ میں چلے جاؤ میں اس کا غرور خاک میں ملانے کے بعد تمہیں بلا لوں گا۔'' گوپل نے شنکر لال سے کہا۔

اسی لمحے سمن نے بائیں جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ گوپل اچاریہ نے فوراً ہی اس کی طرف ہاتھ دراز کیا۔ دوسرے ہی لمحے سمن نے ٹھوکر کھائی اور چیختی ہوئی زمین پر آ گری۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر اٹھتی گوپل اچاریہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے سمن کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ''تمہاری کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔''

سمن نے ایک دم اس کے منہ پر مکا رسید کیا اور ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگی۔ چند لمحوں میں ہی وہ کافی دور نکل آئی۔ پھر تیزی سے ایک درخت پر چڑھنے لگی۔ بلندی پر پہنچ کر اس نے نیچے جھانکا اور دہشت کے

مارے اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔

☆☆☆

خوف کی شدت سے اس کا بدن خشک پتے کی مانند لرزنے لگا تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بوڑھے رشی سوبھراج کی طرف دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ انسان کی بجائے کسی مردہ ڈھانچے کی طرح گوشت پوست سے محروم تھا صرف آنکھیں سلامت تھیں۔ باقی چہرے پر صرف ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا چہرہ تیزاب سے گل گیا ہو۔ ناک کی جگہ دو سوراخ تھے اور ہونٹوں سے محروم دہانے میں دانت صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اتنی بھیانک شکل دیکھ کر رخسانہ کا دماغ چیخنے لگا۔

''آؤ رخسانہ۔ میں تمہارا ہی منتظر تھا۔'' رشی سوبھراج کے منہ سے پاٹ دار آواز خارج ہوئی۔

''تت۔ تم۔ کک۔ کون۔ ہو؟'' خوف کے مارے اس کے الفاظ حلق میں پھنسنے لگے تھے۔

''میرا نام سوبھراج ہے۔ مگر شاید میری شکل سے تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ ہنسا۔ ''بے فکر رہو۔ میں مردہ نہیں زندہ ہوں۔ ایک سادھو سے مقابلے کے دوران میرا چہرہ گل گیا تھا۔ آؤ بیٹھو۔''

رخسانہ ڈرتی ڈرتی آگے بڑھی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ ''مجھے عادل کے پاس پہنچا دو۔''

''عادل...... کون عادل...... ملنگ؟'' اس کے منہ سے چونکتی ہوئی آواز خارج ہوئی۔

''ہاں۔'' رخسانہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے بتایا گیا کہ تم مجھے اس کے پاس پہنچا دو گے۔''

''تم درست کہہ رہی ہو۔ مہاراج شاستری کی طرف سے مجھے یہی حکم ملا تھا لیکن فی الحال تمہیں صبر کرنا پڑے گا۔ وہ اس وقت سمندر میں سفر کر رہا ہے اور اس کی کشتی میں کوئی دوسرا فرد قدم نہیں رکھ سکتا ورنہ جل مرے گا۔ تم صبح تک انتظار کرو۔ جونہی وہ ساحل پر پہنچے گا، تمہیں وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ ابھی تم آرام کرو۔''

اس کی بات سن کر رخسانہ کو مایوسی ہوئی۔ رشی سوبھراج نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میرے پیچھے چلی آؤ۔ گھبراؤ نہیں۔ یہاں تم محفوظ ہو۔''

رخسانہ اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ رشی سوبھراج بائیں جانب چل دیا۔ جہاں سے آمنے سامنے دو کمرے تھے۔ وہ ایک کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں فرش پر قالین بچھا رکھا تھا۔ کمرے کی واحد کھڑکی بند تھی اور ایک طاقچے میں چراغ جل رہا تھا۔

''صبح ہونے میں چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ اتنی دیر تم یہاں آرام کرو۔'' رشی سوبھراج نے اس سے کہا۔ پھر وہ کمرے سے نکل گیا۔ رخسانہ افسردہ سی قالین پر دراز ہوئی۔ چند لمحوں بعد رشی سوبھراج واپس آیا اور کہنے لگا۔ ''میں پوجا پاٹ میں مصروف ہو رہا ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو۔''

رخسانہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں...... مجھے کچھ نہیں چاہئے۔''

رشی سوبھراج دروازہ بند کر کے چلا گیا اور رخسانہ گزرے ہوئے خوفناک واقعات پر غور کرنے لگی۔ اسی عالم میں اسے نیند آ گئی۔ دوسری صبح رشی سوبھراج نے اس کے ناشتے کا انتظام کیا اور ناشتے کے بعد اسے مندر سے باہر لے آیا۔ باہر گنجے سر والا ایک ادھیڑ عمر مگر صحت مند شخص کھڑا تھا۔ اس نے رشی سوبھراج کو ادب سے سلام کیا۔

''مہاراج۔ مجھے آپ نے کیسے یاد کیا؟'' وہ شخص بولا۔

''بھگوان داس۔ اس لڑکی کو بمبئی سے آنے والی ریل گاڑی میں سوار کرانا ہے۔'' رشی سوبھراج نے کہا۔ ''گاڑی کے ساتویں ڈبے میں اس کا آدمی دہلی جا رہا ہے۔ تمہارے گاؤں سے کس وقت گاڑی گزرتی ہے؟''

''بارہ بجے مہاراج...... کبھی لیٹ ہو جائے تو دس پندرہ منٹ سے زیادہ لیٹ نہیں ہوتی۔''

''ٹھیک ہے۔ دس بج چکے ہیں......'' رشی سوبھراج نے سورج کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''ریل کی پٹڑی تک پہنچتے پہنچتے گیارہ بج جائیں گے۔ کیا تم اس کی حفاظت کر سکو گے؟''

''کیوں نہیں مہاراج!'' بھگوان داس نے تیزی سے کہا۔ ''میرے ہوتے کوئی مائی کا لال آنکھ اٹھا کر اسے دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا لیکن مہاراج، گاڑی تو یہاں رکتی نہیں اور اسٹیشن بہت دور ہے۔''

''بے فکر رہو۔'' رشی سوبھراج ہنسا۔ ''تم ریل کی پٹڑی پر پہنچو، ریل تمہارے سامنے آ رکے گی اور ساتواں ڈبا وہیں ہو گا جہاں تم دونوں کھڑے ہو گے۔ جب تک رخسانہ اس میں سوار نہ ہو گی، گاڑی رکی رہے گی۔''

پھر اس نے رخسانہ کو مخاطب کیا۔ ''یہ قریبی گاؤں کا مکھیا بھگوان داس میرے بھروسے کا آدمی ہے۔ اس کے ساتھ جاؤ۔ تم ساتویں ڈبے میں سوار ہو گی تو اس میں تمہیں عادل اوپر کے پھٹے پر سویا ہوا ملے گا۔ پہچان لو گی نا اسے؟''

رخسانہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بھگوان داس کے ہمراہ چل پڑی۔ بھگوان داس اس سے چند قدم آگے چل رہا تھا۔ کافی فاصلے پر ایک گاؤں دکھائی دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گاؤں کے قریب جا پہنچے لیکن بھگوان داس گاؤں میں داخل ہونے کی بجائے گاؤں کے متوازی چلنے لگا۔ وہ گاؤں سے نصف فرلانگ کے فاصلے سے گزرے اور تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد چھوٹے سے جنگل کے پاس پہنچ گئے۔ جنگل زیادہ وسیع نہیں تھا۔ وہ جنگل میں داخل ہوئے اور دس منٹ بعد جنگل کی دوسری طرف نکل آئے۔ آگے چٹیل میدان تھا اور چند قدم کے فاصلے پر ریل کی پٹڑی نظر آ رہی تھی۔

ریل کی پٹری کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ رخسانہ نے دائیں بائیں دیکھا۔ ریل گاڑی کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔

"تم تھک گئی ہو، بیٹھ جاؤ۔ گاڑی آنے میں ابھی بارہ منٹ ہیں۔" بھگوان داس نے رخسانہ سے کہا۔

وہ ریل کی پٹری سے دس بارہ قدم پیچھے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ بھگوان داس چند لمحے کھڑا رہا پھر پلٹ کر رخسانہ کے عقب میں واقع جنگل کے درختوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں ذرا رفع حاجت کر کے آتا ہوں۔"

وہ جنگل میں گھس گیا اور رخسانہ گاڑی کا انتظار کرنے لگی۔ ابھی دو منٹ ہی گزرے تھے کہ عقب سے بھگوان داس کی کربناک چیخ سنائی دی اور رخسانہ بے اختیار اچھل پڑی۔ اس نے اٹھتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ اسی وقت درختوں کی دوسری جانب سے بھگوان داس کی چیختی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ "بھاگ جاؤ لڑکی، تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ میں زخمی ہو چکا ہوں۔ تمہارے دشمن نے میری ٹانگیں بیکار کر دی ہیں۔"

اس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ رخسانہ نے خوفزدہ ہو کر اس سمت دیکھا جدھر گاڑی نمودار ہو چکی تھی مگر ابھی وہ تقریباً ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھی۔ خود کو خطرے میں پا کر رخسانہ پٹری کے ساتھ ساتھ ریل گاڑی کی طرف دوڑنے لگی۔ ابھی چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ عقب سے غراہٹیں سنائی دینے لگیں۔ اس نے دوڑتے دوڑتے پلٹ کر دیکھا تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔ سیاہ رنگ کے دو لحیم شحیم شکاری کتے درختوں کے پیچھے سے نکل کر اس کے تعاقب میں بھاگے چلے آ رہے تھے۔ ان کے منہ خون آلودہ ہو رہے تھے اور غضبناک آنکھیں رخسانہ پر مرکوز تھیں۔

رخسانہ دہشت زدہ ہو کر زیادہ تیزی سے دوڑنے لگی۔ ریل گاڑی ابھی کافی فاصلے پر تھی۔ خوف سے رخسانہ کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ خونخوار کتے غضبناک انداز میں غراتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب آتے جا رہے تھے۔ اس ویرانے میں کوئی انسان نظر نہ آ رہا تھا جسے وہ اپنی مدد کے لئے پکارتی۔

"رک جاؤ لڑکی ورنہ تمہیں چیر پھاڑ دیں گے ہم۔" دفعتاً عقب سے ایک انسانی آواز بلند ہوئی۔

تھوڑی ہی دیر میں سیاہ کتے بدروحوں کی طرح چیختے غراتے اس کے قریب آ پہنچے۔ رخسانہ نے محسوس کیا کہ وہ چند لمحوں میں اس پر آ پڑیں گے۔ ان سے بچاؤ کا اب صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ کسی درخت پر چڑھ جائے۔ جنگل کے درخت پٹری سے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر تھے۔ اس نے ایک دم رخ بدلا اور درختوں کی طرف دوڑنے لگی۔ کتے بھی اسی سمت مڑ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ درختوں تک پہنچتی، دونوں کتوں نے غراتے ہوئے اس پر چھلانگیں لگا دیں۔ اگلے ہی لمحے رخسانہ چیختی ہوئی زمین پر آ رہی۔ اس کے گھٹنوں پر چوٹ آئی۔ اس نے تیزی سے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کتوں کو دیکھ کر دہشت سے اس کی

رگوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ وہ خونخوار کتے اس کے دائیں بائیں کھڑے اسے خون آشام نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہانپ رہے تھے۔

☆☆☆

اندھیرا پھیلتے ہی عادل ایک دم اٹھ بیٹھا۔ اس کے برانگیختہ جذبات فوراً سرد ہو گئے تھے اور ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

"اوہ...... کیا ہوا ڈیئر؟" اندھیرے میں سوما کی جذبات سے کانپتی ہوئی آواز ابھری۔

"اندھیرا کیوں ہو گیا؟" عادل نے پوچھا۔ "ایک دم روشنی کا جھماکا کیسا تھا؟"

"نو پرابلم ڈیئر، لیٹ جاؤ۔ یقیناً بلب فیوز ہوا ہے۔" وہ بولی۔ "شاید بجلی کی وولٹیج بڑھنے سے جھماکا ہوا ہے۔"

"کیا مطلب، میں سمجھا نہیں۔ وولٹیج بڑھنے سے روشنی تیز ہوتی ہے یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔"

"روشنی تو بڑھتی ہے لیکن بجلی کا ایکسٹرا دباؤ بلب کی گنجائش اور جلنے کی صلاحیت سے زیادہ ہوتا ہے تو وہ فیوز ہو جاتا ہے۔" وہ ہنستی ہوئی بولی۔ "مگر تم فکرمند کیوں ہو۔ کیا اندھیرے میں ڈر لگتا ہے؟"

"نہیں سوما۔" عادل اس کی ہنسی کے جلترنگ سے متاثر ہوتا ہوا بولا۔

پھر وہ دوبارہ لیٹنے ہی لگا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ سوما نے آواز کی سمت دیکھا اور دوسرے ہی لمحے خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔ عادل بھی اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ دروازے کے قریب دو خوفناک سی آنکھیں بلور کی طرح چمک رہی تھیں۔ سوما دہشت زدہ ہو کر عادل سے لپٹ گئی۔

"ب...... بلی...... بلی کو بھگاؤ انیل......" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ بلی نہیں ہے سوما......" عادل نے اس کے کان سے منہ لگا کر آہستہ سے کہا۔

"پھ...... پھر!" وہ اور بھی سہم گئی۔ عادل سے لپٹا اس کا نرم وگداز وجود بری طرح کانپ رہا تھا۔

عادل خاموش رہا۔ خونخوار آنکھیں فرش سے تین فٹ کی بلندی پر تھیں۔ یقیناً ان آنکھوں کا مالک کوئی جانور تھا اور اتنے اونچے قد والا جانور کم از کم بلی نہیں ہو سکتا تھا جو آہستہ آہستہ بیڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عادل نے تیزی سے ایک سحر پڑھ کر اس کی جانب پھونکا۔ اگلے ہی لمحے ایک کربناک مردانہ چیخ بلند ہوئی اور سوما بھی دہشت سے چیخ پڑی۔ خونخوار آنکھیں غائب ہو گئیں اور اس کے ساتھ ہی کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔ ایک لمحہ کے لئے عادل کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ پھر وہ دیکھنے کے قابل ہوا تو بے اختیار اچھل پڑا۔ کمرے کے وسط میں فرش پر ایک بھیڑیا بے حس وحرکت پڑا تھا اور اس کا وجود لمحہ بہ لمحہ دھوئیں میں چھپتا جا رہا تھا۔ یہ دھواں بھیڑیے کے منہ سے خارج ہو کر اس کے جسم کے گرد پھیلتا اور گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

سوما دہشت زدہ نگاہوں سے بھیڑیے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چند لمحوں میں ہی بھیڑیے کا وجود مکمل طور پر گہرے دھوئیں میں چھپ گیا مگر وہ دھواں فرش تک ہی محدود رہا۔ عادل اس پر نگاہیں جمائے سوچ رہا تھا کہ وہ بھیڑیا کس مقصد کے تحت وہاں آیا تھا اور اسے کس نے بھیجا تھا؟ اگر بھیڑیا اس کے دشمن شنکر لال کا کوئی گرگا تھا تو یقیناً شنکر لال اس کے بمبئی سے یہاں پہنچنے تک کے حالات سے واقف رہا تھا۔

"انیل...... انیل...... کیا سوچ رہے ہو۔ یہ بھیڑیا کہاں سے آیا ہے؟" سوما نے اسے جھنجھوڑا۔

"معلوم نہیں۔ میں خود حیران ہوں۔" عادل نے مختصراً کہا۔ وہ اسے حقیقت نہیں بتانا چاہتا تھا۔

"مگر شہر میں اتنا خطرناک درندہ کیسے گھسا ہوگا؟ قریب میں کوئی جنگل بھی نہیں ہے۔"

عادل نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔ "شاید یہاں کے چڑیا گھر سے بھاگا ہوا تھا۔ چلو تم سو جاؤ۔"

اس نے سوما کو خود سے الگ کر کے لٹانا چاہا لیکن سوما ایک بار پھر چیخ پڑی۔ "ارے، بھیڑیا کہاں گیا؟"

عادل نے تیزی سے بھیڑیے کی طرف دیکھا اور اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ دھواں غائب ہو گیا تھا اور فرش خالی پڑا تھا۔ بھیڑیا غائب ہو چکا تھا۔ سوما اس کے غائب ہونے پر ایک بار پھر خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ ظاہر ہے یہ سب اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ دہشت زدہ انداز میں اس جگہ کو دیکھ رہی تھی جہاں چند لمحے پہلے بھیڑیا پڑا تھا۔ عادل اس کا خوف دور کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اسے باتوں میں لگایا۔

"سوما...... تمہارے گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟ مجھے بھوک محسوس ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔ فریج میں فروٹ کیک اور انڈے ہوں گے مگر میں تنہا کچن میں نہیں جاؤں گی۔"

"چلو دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔ وہیں کھائیں گے۔" عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آؤ۔"

وہ سوما کے ساتھ پہلے ہی کچن میں آیا۔ اسے بھوک نہیں تھی مگر سوما کا دھیان بٹانے کے لئے اس نے فریج کھولا اور فروٹ کیک نکال لیا۔

"میرا خیال ہے اس کے ساتھ چائے مناسب رہے گی۔" وہ کیک چکھتا ہوا بولا۔

"دودھ نہیں ہے۔ اور اس وقت قریبی اسٹور بھی بند ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ صبح ناشتے میں کھاؤں گا۔" اس نے کیک واپس فریج میں رکھ دیا۔

پھر وہ سوما کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آیا اور دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔ سوما کا خوف دور ہو گیا تھا اور وہ اب پھر عادل کی طرف خمار آلود نگاہوں سے دیکھ رہی تھی مگر عادل ذہنی طور پر نارمل نہیں تھا۔ وہ شاستری کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کہ اس نے اب تک رابطہ کیوں نہیں کیا تھا۔ سوما نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "کیا سوچ رہے ہو انیل ڈیئر۔ کیا یہ رات یونہی بیٹھے گزار دو گے؟"

"پھر کیسے گزارنی چاہئے؟" عادل نے اس کی آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے دیکھ رہا تھا۔

"کیا میری تھکاوٹ دور نہیں کرو گے؟" وہ ہنسی۔

ساتھ ہی اس نے دونوں بازو اٹھا کر ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور اس کا بدن کمان کی طرح تن گیا۔ عادل نے اس کا شباب دیکھا تو اس کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ اس نے بے تاب ہو کر سوما کا ہاتھ پکڑا اور اٹھتا ہوا بولا۔ "آؤ...... بیڈروم میں چلتے ہیں۔ بستر پر آرام کئے بغیر تھکاوٹ دور نہ ہوگی۔"

"نن۔ نہیں۔!" وہ ایک دم خوفزدہ ہو گئی۔ "مجھے وہاں ڈر لگتا ہے۔"

"پھر......" عادل سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔

"یہیں قالین پر ہی سو جائیں گے۔" وہ بولی "تم بیڈروم سے تکیے لے آؤ۔"

عادل اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد جذبات سے مغلوب سوما نے آنے والے وقت کا تصور کیا اور انگڑائی لیتی ہوئی صوفے سے اتر کر قالین پر دراز ہو گئی۔ چند لمحوں بعد آہٹ سن کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور خوف کی شدت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ دروازے کے پاس عادل کی بجائے ایک انسانی ڈھانچا کھڑا تھا۔ اس کی استخوانی کھوپڑی میں صرف آنکھیں سلامت تھیں۔ بقیہ جسم ہڈیوں کا پنجرہ تھا۔ سوما کی خوف سے گھگی بندھ گئی۔ اس نے چیخنا چاہا مگر دہشت کے مارے اس کا حلق خشک ہو گیا اور منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ ڈھانچے کی آنکھیں بے حد خوفناک تھیں اور ان سے درندگی جھلک رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ سوما کی طرف بڑھا اور خوف سے سوما کا بدن بری طرح کانپنے لگا۔ اس کے وجود سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔

ڈھانچے کی زندہ آنکھیں اس پر مرکوز تھیں اور وہ دونوں بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دہشت کی زیادتی سے سوما کی سانسیں رکنے لگیں۔ وہ قالین پر لیٹے لیٹے سرہانے کی جانب کھسکنے لگی۔ اس پر ڈھانچے نے اپنا ایک پنجہ اس کی طرف دراز کیا اور سوما کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا جسم ان دیکھی رسیوں میں جکڑ دیا گیا ہو۔ اب وہ حرکت کرنے سے معذور تھی ڈھانچے نے دوبارہ اس کی طرف قدم بڑھایا اور سوما کوشش کے باوجود حرکت نہ کر سکی۔ ڈھانچا اس کے قریب آیا اور اس نے اپنا ایک ہاتھ چھت کی طرف بلند کیا۔ فوراً ہی چھت میں نصب بلب بجھ گیا اور کمرے میں تاریکی پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ہی ڈھانچے نے جھک کر سوما کو دونوں پنجوں سے اٹھایا اور دہشت سے سوما کی چیخ نکل گئی۔

"بچاؤ...... بچاؤ......!" وہ ڈھانچے کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتی ہوئی چیخنے لگی۔

مگر دوسرے ہی لمحے اندھیرے میں ڈھانچے کا پنجہ اس کے منہ پر جم گیا اور سوما کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

نیچے ایک نہایت لحیم شحیم اور خوفناک آنکھوں والا بھیڑیا کھڑا اس کی طرف سر اٹھائے دیکھ رہا تھا۔ سمن کی خوف کے مارے آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے چڑیا گھر میں بھیڑیے دیکھے تھے مگر نیچے موجود بھیڑیا ان کی نسبت ہر لحاظ سے دوگنا اور خونخوار تھا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا جس میں نوکیلے اور لمبے دانت دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے منہ سے کف بہہ رہا تھا اور وہ اپنی سرخ لمبی زبان باہر نکالے یوں ہانپ رہا تھا جیسے دور سے دوڑتا ہوا آیا ہو۔ اس کی خونخوار نگاہیں سمن پر مرکوز تھیں اور وہ اگلے پنجے زمین پر گاڑے تیزی سے دم ہلا رہا تھا۔ اس کی پوزیشن سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی جست لگا کر درخت پر چڑھ آئے گا۔ سمن خوف سے لرزتی ہوئی دہشت نگاہوں سے خوفناک بھیڑیے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ خوف کی شدت نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی تھی۔

بھیڑیا سیدھا ہوا اور اس نے درخت کے تنے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ قریب آیا۔ پھر زور سے اچھلا اور درخت پر چڑھ آیا۔ سمن گو اس سے اب بھی تین چار فٹ اوپر تھی مگر دہشت کے مارے اس کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکلی اور درخت پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور ٹہنیوں پتوں سے الجھتی ہوئی زمین پر آ گری۔

بھیڑیا غراتا ہوا مڑا اور وہ بھی زمین پر آ رہا۔ وہ سمن سے صرف ایک گز کے فاصلے پر گرا اور اسے اتنا قریب دیکھ کر سمن کے حواس جواب دے گئے۔ وہ کراہتی ہوئی ایک دم کروٹ لے کر اٹھی اور بھاگنے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ بھیڑیے نے اس پر حملہ کر دیا۔ سمن چیختی ہوئی زمین پر آ رہی اور بھیڑیا اس کی دوسری جانب چند فٹ کے فاصلے پر جا گرا۔ سمن کے ذہن میں اس وقت اپنی جان بچانے کے سوا کوئی خیال نہ تھا۔ چنانچہ گرتے ہی وہ پھرتی سے اٹھی اور بھیڑیے کی مخالف سمت میں دوڑ پڑی مگر چند قدم ہی دوڑی تھی کہ سامنے شنکر لال آ گیا اور وہ اس سے ٹکرا گئی۔ وہ اچانک ہی ایک درخت کی آڑ سے نکلا تھا۔ سمن نے خود کو گرنے سے بمشکل بچایا۔

''شنکر۔ بچاؤ۔ بھیڑیا مجھے کھانا چاہتا ہے۔'' وہ سنبھل کر چلائی۔

''نہیں سمن۔ سکون کرو۔ وہ تمہیں کھانا نہیں پیار کرنا چاہتا ہے۔'' وہ ہنسا۔

''کیا!'' سمن نے ہانپتے ہوئے اسے گھورا۔ شنکر لال اطمینان سے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''ہاں سمن۔ مہاراج کی آشا پوری کر دو۔ اس کے بغیر تمہاری جان نہیں چھوٹے گی۔''

آہٹ سن کر سمن نے پیچھے دیکھا تو بھیڑیا قریب آ چکا تھا۔ وہ تیزی سے شنکر لال کے پیچھے ہو گئی۔

''اس پر دیا کرو مہاراج...... اب یہ آپ کا من پرچانے کے لئے تیار ہے۔'' شنکر لال نے بھیڑیے

کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہ بہت نابکار اور حرافہ ہے شنکر...... میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دوں گا۔''

آواز سن کر سمن نے شنکر کی آڑ سے بھیڑیے کی طرف دیکھا اور بے ساختہ اچھل پڑی۔ وہاں بھیڑیے کی بجائے گوپل اچاریہ کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے غصے کی چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔

''یہ اب کہیں نہیں بھاگے گی مہاراج۔'' شنکر نے اچانک پلٹ کر سمن کی کلائی پکڑ لی۔ ''میں اسے آپ کے حوالے......''

سمن نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک دم اس کے ہاتھ پر کاٹا اور شنکر نے درد سے کراہتے ہوئے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ سمن نے فوراً ہی پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر شنکر لال نے پھرتی سے بڑھ کر اس کے بال مٹھی میں جکڑے اور اسے جھٹکے سے پیچھے کھینچا۔ سمن تکلیف کی شدت سے چیختی ہوئی پشت کے بل گوپل اچاریہ کے قدموں میں آ پڑی اور اس نے تیزی سے جھک کر اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا پھر اس نے سمن کو کھینچ کر کھڑا کیا ہی تھا کہ اچانک ایک کربناک چیخ کے ساتھ شنکر لال زمین پر گرتا چلا گیا۔

☆☆☆

یقیناً انہی خونخوار کتوں نے بھگوان داس کو زخمی کر کے اس کی ٹانگیں بیکار کر دی تھیں اور شاید اسے چیرنے پھاڑنے کے بعد اس کے پیچھے آئے تھے یہ سوچ کر رخسانہ کا خوف سے حلق خشک ہونے لگا تھا۔ وہ سیاہ کتے عام کتوں سے زیادہ جسیم اور خوفناک تھے۔ وہ منہ اوپر کئے خون آشام نگاہوں سے رخسانہ کی طرف دیکھ رہے تھے اور تیزی سے اپنی دم ہلا رہے تھے۔

دفعتاً بائیں جانب سے آواز ابھری۔ ''نیچے اتر آؤ لڑکی...... یہ عام کتے نہیں بدروحیں ہیں، درخت پر چڑھ آئیں گی۔''

اس بار رخسانہ نے وہ آواز پہچان لی جو سوامی راج کپور کی تھی۔ اس نے بائیں جانب دیکھا تو وہ مکروہ شکل والا بوڑھا سا درخت سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کے بائیں کلائی پر سفید رنگ کا سانپ لپٹا ہوا تھا۔ رخسانہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''سنا نہیں تم نے!'' سوامی راج کپور غرایا۔ ''یا میں ان بدروحوں کو اجازت دے دوں کہ خود تمہیں درخت سے......!''

''ن۔ نہیں نہیں......'' وہ خوف سے ہکلائی۔

''ٹھیک ہے!'' وہ سر ہلاتا ہوا بولا۔ ''تم خود ہی نیچے آ جاؤ!'' پھر اس نے کتوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ لہرایا۔ ''بھاگ جاؤ۔ اب تمہاری ضرورت نہیں رہی۔''

کتے پلٹتے اور دوڑتے ہوئے ایک دم غائب ہو گئے۔ رخسانہ کا خوف قدرے کم ہوا لیکن ابھی سوامی راج کپور سے نجات باقی تھی۔ وہ درخت کے قریب آیا اور قدرے نرمی سے بولا۔ ''نیچے آ جاؤ لڑکی!''

رخسانہ کے پاس اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ نیچے اتری تو سوامی راج کپور نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ ''آؤ!''

''کک...... کہاں؟'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''وہیں جہاں سے بھاگ کر آئی ہو۔'' وہ اسے ایک طرف کھینچتا ہوا بولا۔ ''تم نے مجھے پریشان کیا ہے۔ اگر تم میرے پاس شنکر لال کی امانت نہ ہوتیں تو میں کبھی تمہارے پیچھے نہ آتا۔ میرے حکم پر بدروحیں ہی تمہارا کریا کرم کر ڈالتیں۔''

رخسانہ کچھ نہ بولی اور خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ چند منٹ بعد وہ درختوں کی حدود سے نکل کر ریلوے لائن کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں ایک بگھی نما تانگہ کھڑا تھا جس میں سیاہ رنگ کا گھوڑا جتا ہوا تھا۔ تانگے کے پچھلے حصے پر پردہ لٹکا ہوا تھا۔ مگر آس پاس کوچوان یا کوئی اور ذی روح نظر نہ آ رہا تھا۔ سوامی راج کپور اس کا ہاتھ پکڑے تانگے کے قریب پہنچا تو گھوڑا آہستہ سے ہنہنایا۔

''چلو۔ ادھر بیٹھو۔'' اس نے رخسانہ کا ہاتھ چھوڑ کر تانگے کے عقبی حصے کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ تمہیں میرے آشرم میں پہنچا دے گا۔''

''نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ ایک دم سہم گئی۔

''بک بک مت کرو لڑکی۔'' سوامی راج کپور اسے گھورتا ہوا غرایا۔ ''ورنہ ابھی تمہارا یہ خوبصورت مکھڑا جلا کر سیاہ کر دوں گا۔ امانت کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہیں کچھ نہ کہوں۔ شنکر لال کو تمہاری صرف زندگی چاہیئے، بدن چاہے گلا سڑا یا ٹوٹا پھوٹا ہی ہو۔ سمجھیں!''

''مگر وہ مجھے کیوں قید میں رکھنا چاہتا ہے۔'' رخسانہ رونے لگی۔ ''میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟''

''خاموش رہو۔'' وہ غصے سے بولا۔ ''اس کا مقصد چاہے کچھ ہو، مجھے جاننے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مجھے صرف اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ چلو اندر بیٹھو۔ اور ہاں یہ بات مت بھولنا کہ میں اس بار تمہاری کوئی سرکشی برداشت نہ کروں گا تم نے تانگے سے فرار ہونے کی کوشش کی تو میری غلام بدروح تمہاری کوشش ناکام بنا دے گی۔''

بدروح کا نام سن کر رخسانہ کانپ گئی پھر وہ آگے بڑھی اور پردہ ہٹا کر تانگے کی عقبی نشست پر بیٹھ گئی۔ اب سوامی راج کپور نظر نہ آ رہا تھا۔ اگلی اور پچھلی سیٹوں کے درمیان لکڑی کی دیوار حائل تھی اس لئے تانگے کا گھوڑا اور اس سے آگے کا منظر بھی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ اس کے بیٹھنے کے ایک لمحہ بعد سوامی کی آواز سنا

دی۔ ''اسے لے چلو۔ میں بعد میں آ جاؤں گا۔''

نہ جانے اس نے کس سے یہ الفاظ کہے تھے۔ رخسانہ اندازہ نہ لگا سکی البتہ اسے قدرے اطمینان ہوا کہ فی الحال راج کپور سے اس کی جان چھوٹ رہی ہے اور اگر اس کا کوئی آدمی تانگے کے اگلے حصے میں ہو گا بھی تو وہ اس کے لئے سوامی جتنا خطرناک ثابت نہیں ہو گا۔ ایک لمحہ بعد تانگہ حرکت میں آیا اور دوڑنے لگا۔ چند لمحوں بعد اس نے باہر جھانکنے کا ارادہ کیا اور پردہ ہٹانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک دم اندھیرا چھا گیا۔ اس نے ہاتھ پیچھے ہٹایا اور سوچنے لگی کہ اندھیرا کیسے ہو گیا۔ چند لمحوں بعد اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا اور پردہ ہٹا کر باہر جھانکا تو خوف سے لرز گئی۔ باہر نیم تاریکی تھی اور دو انسانی ڈھانچے تانگے کے پیچھے دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ یقیناً وہ سوامی راج کپور کے غلام تھے اور سوامی کے حکم پر تانگے کے پیچھے بھاگ رہے تھے کہ کہیں وہ فرار نہ ہو جائے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ تانگے کے اندر پہلے کی طرح کا دن کا اجالا پھیل گیا۔

اس نے دوبارہ پردے کا کونا ہٹا کر باہر جھانکا باہر دن کا مکمل جالا تھا مگر اب ڈھانچے نظر نہ آ رہے تھے۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ تانگے کی رفتار نارمل ہی تھی اور وہ بآسانی اس سے باہر کود سکتی تھی۔ تانگہ ریلوے لائن کے پہلو میں کچے راستے پر دوڑ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ تانگے کا کوچوان اس کے بھاگنے سے بے خبر رہے گا یا اسے پتا چل جائے گا۔ وہ سوامی راج کپور کے آشرم میں واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ چنانچہ چند لمحوں بعد اس نے پردہ ہٹایا اور باہر جھانکنے کے بعد پھرتی سے نیچے کود گئی۔ مگر اس کے کودتے ہی فضا میں گھوڑے کی خوفناک سی ہنہناہٹ ابھری اور ماحول ایک دم تاریک ہو گیا۔

وہ جلدی سے خود کو سنبھال کر زمین سے اٹھی ہی تھی کہ کسی نے عقب سے اسے گرفت میں لے لیا۔ اس نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا تو خوف کی شدت سے اس کی چیخ نکل گئی۔

☆☆☆

بیڈروم میں داخل ہو کر عادل نے بستر سے تکیے اٹھائے۔ ٹھیک اسی لمحے کوئی چیز اسے اپنے پیروں پر رینگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ کوئی نرم لچکدار شے تھی۔ اس نے بے اختیار اپنے پاؤں پر نظر ڈالی اور حیرت و خوف کی شدت سے ایک لمحہ کے لئے اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گیا۔ وہ سفید رنگ کی تین چار فٹ لمبی اور ایک انچ موٹی ناگن تھی جس کا پھن اس کے پاؤں پر حرکت کر رہا تھا۔ شاید وہ بیڈ کے نیچے سے نکلی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر کوئی حرکت کرتا، سفید ناگن ایک دم اس کے دونوں پیروں سے لپٹتی چلی گئی۔

عادل نے بوکھلا کر پاؤں کو جھٹکنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ سفید ناگن نے اس کے ٹخنوں سے اوپر دونوں

پنڈلیوں کو اپنے بلوں میں بری طرح جکڑ لیا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے ایک دہشت زدہ سی چیخ سنائی دی اور وہ بے ساختہ اچھل پڑا۔ وہ چیخ ڈرائنگ روم کی طرف سے آئی تھی اور سوما کی معلوم ہوتی تھی۔ عادل سمجھ گیا کہ سوما کے ساتھ بھی کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔ اس نے بے تاب ہو کر دوبارہ پنڈلیوں سے لپٹی سفید ناگن کی طرف دیکھا اور اس کے ذہن میں فوراً ہی خیال آیا کہ اسے سوما کے پاس جانے سے روکنے کے لیے ہی ناگن نے اسے اپنے بلوں میں جکڑ لیا ہے۔ یقیناً وہ کوئی عام ناگن نہیں ہے چنانچہ اس نے تیزی سے ایک سحر پڑھ کر ناگن پر پھونک دیا۔

''تمہارا کوئی سحر مجھ پر اثر نہیں کر سکتا ملنگ۔'' ناگن کے منہ سے ایک نسوانی آواز خارج ہوئی۔ ''آرام سے کھڑے رہو۔''

''اوہ!'' عادل کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ ''تم کون ہو اور کیا چاہتی ہو؟''

''سفید ناگن...... شنکر لال کی ادنیٰ غلام۔'' ناگن کی ہنسی سنائی دی۔ ''چند منٹ کے لیے تمہیں پابند کرنا ہے تاکہ تم سوما کی مدد کو نہ جا سکو۔ اسے اغوا کیا جا رہا ہے۔''

''کیا!'' عادل کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ ''اسے کیوں اغوا کیا جا رہا ہے؟''

''معلوم نہیں۔ یہ شنکر لال ہی جانتا ہے۔ لیکن اگر تم نے مزاحمت کی تو میں تمہاری پنڈلیاں توڑ کر ہمیشہ کے لئے تمہیں اپاہج بنا دوں گی۔'' اس کی دھمکی اور سوما کے اغوا کی خبر سن کر عادل غضبناک ہو گیا۔ اس نے فوراً اپنے سر کا ایک بال توڑ کر اس پر پھونک ماری اور بال فرش پر ڈال دیا۔ فرش پر گرتے ہی بال سیاہ رنگ کے ایک بہت بڑے نیولے میں تبدیل ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے نیولے نے ناگن پر حملہ کر دیا۔ اس نے ناگن کا پھن اپنے جبڑوں کی گرفت میں لیا ہی تھا کہ ناگن نے اپنے بل کھول دیے اور نیولا اسے کھینچتا ہوا بیڈ کے نیچے گھس گیا۔ مگر عادل نے سفید ناگن کا انجام دیکھنے کی بجائے فوراً ہی دروازے کی طرف جست لگا دی۔

وہ دوڑتا ہوا بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ مگر اندر داخل ہوتے ہی جھٹکے سے رک گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ سوما غائب تھی اور قالین پر تازہ خون کے دھبے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ واپس ڈرائنگ روم میں آیا اور صوفے پر بیٹھ کر سوما کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ سوما کے لئے فکر مند تھا۔ قالین پر خون کے دھبوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ سوما اغوا کیے جانے کی کوشش کے دوران زخمی ہوئی تھی مگر کس قدر؟ اس بارے میں وہ کوئی اندازہ نہ کر سکتا تھا۔ نجانے اسے اغوا کر کے کہاں لے جایا گیا تھا۔ سوچتے سوچتے اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور پھر اسے کوئی خبر نہ رہی۔ وہ سو گیا تھا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو کھڑکی سے صبح کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور باتھ روم میں گھس

گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر تولیا سے خشک کرتا ہوا وہ باہر آیا تو اس کی نظر میز پر پڑی اور وہ بے ساختہ چونک پڑا۔ میز پر ایش ٹرے کے نیچے نیلے رنگ کا ایک لفافہ دبا ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہاں سوائے ایش ٹرے کے کچھ نہ تھا۔

وہ تیزی سے میز کے پاس آیا اور لفافہ اٹھا لیا۔ لفافہ بند نہیں تھا اور اس میں ایک پرچہ رکھا تھا۔ اس نے پرچہ نکال کر دیکھا۔ چند سطریں تحریر تھیں۔ وہ تیزی سے پڑھنے لگا۔

''ملنگ! سوما کو اغوا کر کے شیوا نگری میں لے جایا گیا ہے اور تمہارا دوبارہ وہاں جانا تمہارے لیے خطرناک ہے اس لیے سوما کو ذہن سے جھٹک کر سمن کی فکر کرو۔ سادھو گول اچاریہ اس کی عصمت دری کرنا چاہتا ہے اور شنکر لال شیو جی کی شکتی حاصل کرنے کے لیے اس کی عزت کی بھینٹ دینے پر کمر بستہ ہے۔ اس لیے تم فوراً بھدرا دیوی کی سادھی کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ بوقت ضرورت میری غلام روحیں تمہاری مدد کریں گی۔ شنکر لال نے وہاں تین راتوں کا جاپ کرنا ہے اگر تم اس کا جاپ مکمل ہونے سے پہلے وہاں نہ پہنچے تو وہ مہان شکتی کا مالک بن جائے گا اور میں اس کا مقابلہ نہ کر سکوں گا۔''

آخر میں شاستری بابا کا نام پڑھ کر عادل سمجھ گیا کہ شاستری اس کی نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر ہے مگر سمن کے بارے میں پڑھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔ سمن اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھی جس نے اس کے دل کو ایک نئے انداز سے دھڑکنا سکھایا تھا اور وہ اس کی دھڑکنوں میں بسی ہوئی تھی۔ اس کی عزت خطرے میں تھی اور عادل اتنا بے ضمیر اور بے غیرت نہیں تھا کہ اپنے گرو کی عزت کو پامال ہونے دیتا۔

اچانک اسے یاد آیا کہ جزیرہ کالا بن پر شیوا نگری سے نکلنے میں شاستری بابا کے غلام نتھو رام کی کھوپڑی نے اس کی مدد کرتے ہوئے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ شاستری بابا دہلی میں اس کا انتظار کر رہا ہے مگر سوما کی قربت میں اسے یہ بات یاد نہ رہی تھی اور آخر شاستری نے خود ہی اسے خط کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کرایا اور اسے سمن کی مدد کے لیے آگرہ کے جنگلوں میں پہنچنے کی ہدایت کی۔

چند منٹ تک وہ سوچتا رہا۔ پھر شاستری کا خط ماچس سے جلا کر ایش ٹرے میں ڈالا اور تیار ہو کر باہر جانے کے لیے ڈرائنگ روم سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ فوری طور پر اندازہ لگانے لگا کہ آنے والا کون ہو سکتا ہے۔ سوما کے بقول وہ یہاں تنہا رہتی تھی۔ اتنی صبح کوئی پڑوسی ہی آ سکتا تھا یا پھر سوما کی کوئی کلاس فیلو یونیورسٹی جانے کے لیے اسے لینے آئی تھی۔ دونوں ہی باتیں ممکن تھیں لیکن وہ سوما کی غیر موجودگی کا کیا بہانہ بنائے گا۔ آنے والے نے سب سے پہلا سوال اس کے بارے میں کرنا تھا اور وہ غائب کر دی گئی تھی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ

دوبارہ دستک ہوئی۔ اس بار کسی نے زور سے دروازے پر ہاتھ مارا تھا۔

"کون......؟" وہ دروازے کی طرف دوبارہ بڑھتا ہوا بولا۔

"میں ہوں، ماموں......" جواب میں باہر سے ایک بھاری اور تیز آواز سنائی دی۔

عادل سمجھ گیا کہ سوما کا کوئی ماموں ملنے آیا ہے۔ اس نے بولٹ گرا کر دروازہ کھولا مگر دوسرے ہی لمحے اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گیا۔ باہر ایک انسپکٹر چار مسلح سپاہیوں کے ہمراہ کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

☆☆☆

سمن اور سادھو گوپل اچاریہ نے بیک وقت شنکر لال کی طرف دیکھا۔ وہ زمین پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا اور اس کے حلق سے کربناک سی کراہیں خارج ہو رہی تھیں۔ اس کی حالت دیکھ کر گوپل اچاریہ حیرت سے چلایا۔ "کیا ہوا شنکر لال؟"

سمن نے اسے شنکر لال کی طرف متوجہ پایا تو فوراً ہی ایک جھٹکے سے اپنی کلائی گوپل اچاریہ کی گرفت سے چھڑائی اور پلٹ کر بگٹٹ بھاگنے لگی۔

"آہ......میر......میرے......پیٹ......پیٹ میں کوئی چی......آہ......کوئی چیز گھس گئی ہے۔ کان کے راستے......آہ......" بھاگتی ہوئی سمن کو عقب سے شنکر لال کی کراہتی ہوئی آواز سنائی دی۔

لیکن وہ رکے بغیر دوڑتی رہی اور چند لمحوں میں بھدرا دیوی کی سمادھی سے کافی دور نکل آئی۔ اس طرف جنگل کافی گھنا اور دشوار گزار تھا۔ اس نے دوڑتے دوڑتے پلٹ کر عقب کا جائزہ لیا اور کسی کو نہ پا کر رفتار سست کر دی لیکن رکنے کی کوشش نہ کی۔ وہ جانتی تھی کہ بھدرا دیوی کا سیوک اور ہنومان کا پجاری گوپل اچاریہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ شاید ابھی وہ شنکر لال کو سنبھال رہا ہو گا لیکن جلد ہی دوبارہ اس کی طرف رخ کرے گا اور وہ اس سے پہلے ہی کسی ایسی جگہ پہنچ جانا چاہتی تھی جہاں وہ خود کو سادھو گوپل اچاریہ کی گرفت میں آنے سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔ چنانچہ وہ تیزی سے اسی سمت چند قدم بڑھاتی رہی۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ درختوں کے ایک جھنڈ سے گزر کر دوسری طرف پہنچی تو ٹھٹک کر رک گئی۔ سامنے چند قدم کے فاصلے پر سفید رنگ کا ایک گھوڑا کھڑا تھا جس کی پشت پر کاٹھی اور منہ میں لگام نظر آ رہی تھی۔ نہ جانے وہ گھوڑا کس کا تھا اور گھوڑے کا مالک اُسے چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا۔ سمن نے گھوڑے کو غیبی امداد سمجھا۔ وہ اس پر سوار ہو کر تیزی سے سفر کر سکتی تھی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک بائیں جانب سے ایک مکروہ ہنسی سنائی دی۔ اس نے تیزی سے اس طرف دیکھا اور خوف کی شدت سے کانپ اٹھی۔ چند گز کے فاصلے پر انتہائی خوفناک شکل والی ننگ دھڑنگ بڑھیا کھڑی ہنس رہی تھی۔ اس کا رنگ توے کی مانند سیاہ اور پاؤں پیچھے کی طرف مڑے ہوئے

تھے۔ ہاتھوں کے ناخن اور دو دو انچ لمبے اور نوکیلے تھے مگر اس کا سیاہ چہرہ سر سے لے کر ٹھوڑی تک اس طرح کٹا ہوا تھا جیسے خربوزہ۔ آنکھیں بڑی بڑی اور سرخ تھیں اور سر کے لمبے بال ایڑیوں کو چھو رہے تھے۔ یقیناً وہ کوئی چڑیل تھی۔

"آؤ سمن......میری رکھشا میں آ جاؤ۔" وہ چڑیل اسے اپنی طرف متوجہ پا کر ہنستی ہوئی بولی۔ "میں بھدرا دیوی کی پناہ میں لے جاؤں گی تمہیں۔"

"تت......تم......تم کون......ہو؟" سمن ہکلائی۔

"تمہاری مددگار......جلدی آؤ......ورنہ پھنس جاؤ گی۔" چڑیل تیزی سے بولی۔ "شنکر لال اسی طرف آ رہا ہے۔"

"نن۔ نہیں......" سمن سہم کر اپنی جگہ سے پیچھے ہٹی۔

"ڈرو نہیں سمن......" وہ ہنستی ہوئی آگے بڑھی۔ "میں تمہاری عزت بچانا چاہتی ہوں۔"

"یہ آدم خور چڑیل ہے۔" دفعتاً گھوڑے کی طرف سے ایک آواز آئی۔ "جلدی سے مجھ پر سوار ہو جاؤ۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" گھوڑے کی انسانی آواز سن کر سمن چونکی اور پھر تیزی سے گھوڑے کی طرف دوڑی۔

"رک جاؤ سمن۔" چڑیل فوراً ہی غرائی۔ "ورنہ کچا چبا ڈالوں گی۔"

سمن نے پروا نہ کی اور جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ دوسرے ہی لمحے گھوڑا چڑیل کی مخالف سمت دوڑنے لگا۔ عقب سے سمن کو چڑیل کی تیز ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "یہ تو جلدی بے وقوف بن گئی۔"

سمن نے پلٹ کر دیکھا تو چڑیل غائب ہو چکی تھی۔ گھوڑا جنگل میں درختوں سے بچتا ہوا دوڑ رہا تھا اور سمن کو اطمینان تھا کہ اب وہ سادھو گوپل اچاریہ اور شنکر لال کے شر سے محفوظ رہے گی۔ یقیناً یہ گھوڑا اس کے باپ کا غلام تھا اور اس کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اس سے پہلے آبشار پر جس غیبی آواز نے اُسے بھاگ جانے کی ہدایت کی تھی وہ بھی اس کے باپ کی کسی غلام روح کی تھی اور اگر وہ بروقت ہوشیار نہ کرتی تو شاید وہ اسی وقت اس شیطان سادھو گوپل اچاریہ کی گرفت میں آ کر اپنی عصمت سے محروم ہو جاتی جس نے رانی بن کر اسے اپنے ساتھ آبشار کے نیچے نہانے کی ترغیب دی تھی۔

وہ یہی کچھ سوچتی رہی اور گھوڑا دوڑتا رہا۔ وہ اپنے خیالات کے بھنور میں گم تھی اس لیے راستے سے بے خبر رہی۔ خبردار اس وقت ہوئی جب گھوڑا ایک جگہ رک گیا۔ اس نے سامنے دیکھا تو بے اختیار اچھل پڑی۔ وہاں بھدرا دیوی کی سمادھی نظر آ رہی تھی۔

"اوہ......تم مجھے یہاں کیوں لے آئے میرے باپ کے غلام!" اس نے بے ساختہ گھوڑے کو

مخاطب کیا۔ جواب میں گھوڑا یکدم اچھلا اور وہ اس کی پشت سے پھسل کر زمین پر آ گری۔ اس کے حلق سے کراہ خارج ہوگئی۔ کمر میں ہلکی سی چوٹ آئی تھی۔ اس نے سنبھل کر گھوڑے کی طرف دیکھا اور حیرت و خوف کی شدت سے اچھل پڑی۔ گھوڑا غائب تھا اور اس کی جگہ سادھو گوبل اچاریہ کھڑا اس کی طرف دیکھتا ہوا شیطانی انداز میں مسکرا رہا تھا۔

سمن نے زمین سے اٹھنا چاہا تو اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو سکی اور فوراً ہی گر پڑی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دونوں پاؤں کسی نادیدہ رسی میں جکڑے ہوئے ہوں۔ اپنی بے بسی پر وہ چونکی پھر دوبارہ کوشش کی مگر اس بار بھی وہ نہ اُٹھ سکی اور گر گئی۔

''ہاہاہا!'' سادھو گوبل اچاریہ کے حلق سے قہقہہ بلند ہوا۔ ''میں نے کہا تھا میرے من کی پیاس بجھائے بغیر تم اس جنگل سے نہ نکل سکو گی۔ اب تو تمہیں میری بات کا یقین ہوگیا ہے نا؟''

''بکواس مت کرو خبیث کے بچے۔'' سمن جواب میں غصے سے بولی۔ ''تم اب بھی اپنی کوشش میں ناکام رہو گے۔''

''اب...... اب تو کامیابی میرا مقدر بن چکی ہے۔ لڑکی۔'' گوبل اچاریہ ہنسا۔ ''اب تو تمہارا باپ شاستری خود بھی آ جائے تو تمہیں نہیں بچا سکے گا۔ میں نے اس کے چیلے کو فنا کر دیا ہے جو مچھر بن کر شنکر لال کے پیٹ میں گھس گیا تھا اور تمہاری طرف سے میرا دھیان ہٹا کر تمہیں بھاگنے کا موقعہ دیا تھا۔''

پھر وہ سمن کی طرف جارحانہ انداز میں بڑھا۔ سمن نے بھی محسوس کر لیا کہ وہ خود کو اس کے شیطانی اقدام سے نہیں بچا سکے گی۔ گوبل اچاریہ نے اپنی شکتی سے اس کے پاؤں جکڑ کر اسے بے بس کر دیا تھا۔ وہ حرکت تو کر سکتی تھی مگر بھاگنے یا کھڑے ہونے سے معذور تھی۔ وہ دہشت زدہ نگاہوں سے گوبل اچاریہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بے بسی کے احساس سے اس کا دماغ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے باپ کے چیلے کو ہلاک کر چکا تھا اور اب کسی طرف سے بھی اسے مدد کی توقع نہ رہی تھی۔

سادھو گوبل اچاریہ اپنے مکروہ ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ سجائے قریب آیا اور اس کے پاؤں کی جانب رک گیا۔ سمن نے بے بس نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور آئندہ لمحوں میں پیش آنے والی واقعات کا تصور کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ شیطان سادھو خود کو بے لباس کر رہا تھا۔

☆☆☆

عقب میں ایک ڈھانچا کھڑا تھا جس نے اسے اپنے استخوانی بازوؤں میں دبوچا ہوا تھا۔ وہ انہی دو ڈھانچوں میں سے ایک تھا جنہیں رخسانہ نے کچھ دیر پہلے تانگے کے پیچھے دوڑتے دیکھا تھا۔ وہ خوف

سے سہم گئی اور کوئی مزاحمت نہ کر سکی۔ دہشت کے مارے اس کی گھگی بندھ گئی تھی۔

''کیا تم سوامی مہاراج کی تنبیہ بھول گئی تھی؟'' اسے عقب سے ڈھانچے کی غراہٹ سنائی دی۔ ''چلو۔ تانگے میں بیٹھو۔''

ڈھانچے نے اسے تانگے کی طرف دھکا دیا جو چند قدم کے فاصلے پر رکا ہوا تھا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی تانگے کی طرف بڑھی۔ قریب آ کر اس نے ذرا گردن موڑی اور ڈھانچے کی طرف دیکھا مگر ڈھانچہ غائب ہو چکا تھا۔ وہ سر جھٹک کر تانگے میں سوار ہوئی اور سیٹ پر بیٹھی ہی تھی کہ ماحول پھر روشن ہو گیا اور تانگہ دوڑنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور سوچنے لگی کہ کیا کرے۔ بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور روتے روتے اس پر غشی سی طاری ہو گئی۔ نہ جانے کتنی دیر گزری تھی کہ اچانک گھوڑے کی تیز ہنہناہٹ سے اسے ہوش آ گیا۔ اس نے جلدی سے پردہ ہٹا کر باہر جھانکا ہی تھا کہ اچانک تانگے کو جھٹکا لگا اور وہ رک گیا۔

لیکن جھٹکا لگنے سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور باہر آ گری۔ اسی لمحے ایک ہولناک دھماکہ ہوا اور تانگا بری طرح جلنے لگا۔ رخسانہ نے دہشت زدہ نگاہوں سے تانگے کی طرف دیکھا اور فوراً ہی دو تین کروٹیں لے کر جلتے ہوئے تانگے سے دور ہو گئی۔ پھر اٹھی اور دوڑتی ہوئی وہاں سے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر جا رکی۔ اس نے ہانپتے ہوئے تانگے کی طرف دیکھا۔ وہ آگ کے شعلوں میں گھرا دھڑا دھڑ جل رہا تھا اور اس کا گھوڑا غائب تھا۔ اس نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ یہ دونوں طرف درختوں سے گھرا ویران سا راستہ تھا اور آس پاس کوئی ذی روح نظر نہ آ رہا تھا۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے تانگا اتنی تیزی سے جل کر راکھ ہوا جیسے وہ لکڑی کی بجائے خشک گھاس سے بنا ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد تانگے کی راکھ کے سوا وہاں اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ رخسانہ کو قدرے اطمینان ہوا اور وہ بائیں جانب چل دی۔ درختوں میں سے گزر کر وہ دوسری طرف پہنچی تو اس کے سامنے سرسبز کھیت لہلہا رہے تھے اور کچھ فاصلے پر کسی دیہی آبادی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ کھیتوں کے درمیان سے ایک پگڈنڈی اس آبادی کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اس پگڈنڈی پر پہنچی اور بستی کی طرف چلنے لگی۔

سوامی راج کپور کا خوف اب بھی اس کے ذہن پر سوار تھا اور وہ بار بار پلٹ کر پیچھے دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں ابھی تک نہ آیا تھا کہ تانگے کو آگ کیسے لگی اور اس کا گھوڑا کہاں بھاگ گیا۔ پھر اسے گلے ہوئے چہرے والا بوڑھا رشی سوبھراج یاد آ گیا جس نے اس کی رہبری اور اسے ریلوے اسٹیشن تک بحفاظت پہنچانے کے لیے قریبی گاؤں کے مکھیا بھگوان داس کو اس کے ہمراہ بھیجا تھا مگر وہ بیچارہ اپنی ذمہ داری نبھانے میں ناکام رہا اور سوامی راج کپور کی غلام بدروحوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہ سوچنے لگی کہ اسے

راجکپور اور اس کے تانگے سے نجات دلانے والا کون تھا؟

انہی سوچوں میں غلطاں وہ بستی کے قریب جا پہنچی۔ بستی کے باہر چھوٹی سی نہر تھی۔ اُسے عبور کر کے وہ بستی میں پہنچ سکتی تھی لیکن نہر پر دائیں بائیں دور تک کوئی پل نظر نہ آ رہا تھا۔ نہر کا پاٹ اگرچہ آٹھ دس فٹ سے زیادہ نہ تھا لیکن پانی کا بہاؤ خاصا تیز تھا۔ بستی کے مکان نہر سے تقریباً چالیس پچاس قدم کے فاصلے پر تھے اور باہر چند بچے کھیل رہے تھے مگر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ نہر کی پگڈنڈی پر واقع درختوں کی چھاؤں میں کھڑی سوچ رہی تھی کہ نہر کو کیسے عبور کیا جائے۔ ان بچوں میں سے کوئی اتنا بڑا نہ تھا کہ اس کی مدد کر سکتا وہ انتظار کرنے لگی کہ بستی سے کوئی بڑا باہر آئے تو اس کی مدد حاصل کی جائے۔

تین چار منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک نہر کے دوسرے کنارے پر واقع درختوں کی آڑ سے ایک ادھیڑ عمر دیہاتی عورت کپڑوں کا گٹھڑ اٹھائے نمودار ہوئی۔ اس نے گٹھڑ نہر کے کنارے پانی کے قریب رکھا تو رخسانہ سمجھ گئی کہ وہ کپڑے دھونے آئی ہے۔ اس نے عورت کو آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ عورت نے اس کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔

”خالہ......میں نے تمہاری بستی میں جانا ہے، نہر کیسے پار کروں؟ یہاں تو کوئی پل بھی نہیں ہے۔“

”تم کون ہو اور بستی میں کس کے پاس جانا ہے؟“ عورت نے پوچھا۔

”میں مسافر ہوں۔ کسی قریبی شہر جانے کے لیے بستی والوں کی مدد حاصل کرنا چاہتی ہوں۔“

”پانی گہرا نہیں ہے۔ اطمینان سے گزر کر اِدھر آ جاؤ۔“

”نہیں۔ میرے کپڑے بھیگ جائیں گے اور میرے پاس اور کپڑے بھی نہیں ہیں۔“ رخسانہ نے جواب میں کہا۔

”اچھا ٹھہرو۔ میں تمہیں کندھوں پر بٹھا کر لاتی ہوں۔“ عورت نے کہا۔

پھر وہ نہر سے گزر کر اس کے قریب پہنچی اور زمین پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”چلو میرے کندھوں پر بیٹھ جاؤ۔“

رخسانہ پہلے تو جھجکی مگر پھر اس کے کندھوں پر سوار ہو گئی۔ دیہاتی عورت نہر میں اُتری۔ اس کی کمر تک پانی تھا۔ رخسانہ کے پاؤں اور ٹانگیں بھیگ گئیں۔ مگر نہر کے وسط میں پہنچ کر اس عورت نے ایک دم ڈبکی لگائی اور رخسانہ اس کے کندھوں سے پھسل کر پانی میں گر گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ پانی میں ڈبکیاں کھانے لگی۔

اس نے بڑی مشکل سے پانی میں اپنا توازن قائم کیا اور پاؤں کے بل کھڑی ہو گئی۔ اس کی مددگار عورت ابھی تک پانی سے نہ ابھری تھی۔ رخسانہ سمجھ گئی کہ وہ ڈوب چکی ہے۔ اس کی طرف سے مایوس ہو کر وہ خود ہی کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ لیکن ٹھیک اسی پانی سے چھپاک کی زوردار آواز بلند ہوئی۔ رخسانہ

نے بائیں جانب نظر ڈالی اور خوف سے اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گئی۔ اس طرف سے ایک بہت بڑا مگرمچھ اپنے خونخوار جبڑے کھولے اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔

☆☆☆

انسپکٹر کی تیز نگاہیں عادل کے چہرے پر مرکوز تھیں اور عادل کا ذہن برق رفتاری سے اندازہ لگا رہا تھا کہ پولیس کس سلسلے میں آئی ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے۔ شاید انسپکٹر کو یقین تھا کہ دھوکا کیے بغیر دروازہ نہیں کھولا جائے گا اس لئے اس نے ”ماموں“ کا لفظ استعمال کیا تھا۔

”آپ کون ہیں؟“ چند ثانیوں بعد انسپکٹر نے اسے مخاطب کیا۔

”مجھے انیل کہتے ہیں۔ آپ فرمائیے کیسے زحمت فرمائی؟“ عادل نے سنبھل کر کہا۔

”مس سوما سے ملنا ہے۔ کیا وہ موجود ہیں؟“ انسپکٹر نے اس کے نام پر چونکتے ہوئے سوال کیا۔

”سوری۔ وہ دو منٹ پہلے یونیورسٹی جا چکی ہیں۔“

”مگر مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ قتل کر دی گئی ہے۔“ وہ عادل کو گھورتا ہوا بولا۔

”کیا......؟“ عادل چکرا کر رہ گیا۔ ”آپ کو کس نے گمراہ کیا ہے!“

”اسی نے جس نے تمہاری اصلیت بتائی ہے مسٹر ملنگ۔ خود کو حراست میں سمجھو۔“ انسپکٹر کا لہجہ یکدم کرخت ہو گیا۔

”اوہ“ عادل کے ذہن کو جھٹکا لگا۔ ”مگر میرا نام ملنگ نہیں، انیل ہے۔“

”بکومت۔“ انسپکٹر غرایا اور اس کے اشارے پر سپاہیوں نے اس پر ہتھیار تان لئے۔ ”تم رات بھر اس کی آبروریزی کرتے رہے اور پھر اسے قتل کر کے اس کی لاش غائب کر دی۔“

”آہا۔“ عادل ہنسا۔ ”یعنی میں جادوگر بھی ہوں جو اس کی لاش غائب کر دی۔“

”اگر یہ غلط ہے تو پھر وہ کہاں ہے؟“ انسپکٹر نے اسے گھورا۔ ”بلاؤ اسے۔“

”بتایا نا وہ یونیورسٹی جا......“ عادل نے کہنا چاہا لیکن انسپکٹر نے فوراً اس کی بات قطع کر دی۔

”نہیں۔ تم ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ یونیورسٹی میں نہیں پڑھتی بلکہ ایک فرم میں جاب کرتی تھی۔ دوسری بات یہ کہ تم انیل نہیں ایک پاکستانی مسلمان عادل ہو اور ملنگ تمہارا فرضی نام ہے۔“

پھر اس نے سپاہیوں سے کہا۔ ”اسے ہتھکڑی لگا دو اور فلیٹ کی تلاشی لو۔“

عادل کی کھوپڑی گھوم گئی۔ انسپکٹر کو اس کے بارے میں کسی نے پوری پوری مخبری کی تھی۔ یہ کام اس کا کوئی دشمن ہی کر سکتا تھا اور فی الوقت اس کا ایک ہی دشمن تھا، شنکر لال۔ اسے انسپکٹر پر بے حد غصہ آیا لیکن یہ سوچ کر وہ ضبط کر گیا کہ انسپکٹر کا قصور نہیں اور فوری طور پر اس کے پاس اسے مطمئن کرنے کے لئے کوئی

ثبوت تھا نہ بہانہ۔ چنانچہ ایک سپاہی نے اس کے ہاتھوں میں آہنی زیور ڈالا تو اس نے کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ انسپکٹر سے صرف اتنا کہا۔

''دیکھو انسپکٹر۔ تمہیں میرے متعلق غلط معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ یونیورسٹی والی بات میں نے اپنے تئیں درست کہی ہے کیونکہ سوما نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ ہے اور صبح اس نے یونیورسٹی جانا ہے۔ چنانچہ میرے بیدار ہونے سے پہلے وہ چلی گئی۔''

''فی الحال خاموش رہو۔ تھانے چل کر بیان دینا۔'' انسپکٹر نے سخت لہجے میں کہا۔

پھر وہ سپاہیوں کے ہمراہ فلیٹ میں گھس گیا۔ عادل کے پاس دو سپاہی رہ گئے۔ عادل چاہتا تو ان سے باآسانی نمٹ سکتا تھا لیکن دائیں بائیں کے دو تین فلیٹوں سے ایک عورت اور تین مرد باہر نکل آئے تھے اور اپنے دروازوں کے پاس کھڑے حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عادل ان کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ فی الحال وہ صبر سے کام لے رہا تھا۔ پانچ چھ منٹ بعد انسپکٹر اور اس کے ساتھی باہر آ گئے۔ انسکٹر نے عادل سے سوال کیا۔ ''سوما کی لاش کہاں ہے؟''

''میں نے اسے سونے سے پہلے زندہ حالت میں دیکھا تھا'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔

''گویا تم بتانا نہیں چاہتے۔ ٹھیک ہے، تھانے چل کر بات کروں گا تم سے۔'' انسپکٹر اسے گھورتا ہوا بولا۔

پھر وہ زینوں کی طرف بڑھا اور سپاہی عادل کو اپنے گھیرے میں لے کر اس کے پیچھے چل دیئے۔ بلڈنگ سے نیچے ایک پولیس موبائل موجود تھی جس میں صرف ڈرائیور نظر آ رہا تھا۔ عادل کو موبائل کے پچھلے حصے میں بٹھایا گیا۔ دو سپاہی سامنے کی نشست پر بیٹھ گئے جبکہ دو عادل کے دائیں بائیں۔ انسپکٹر فرنٹ سیٹ پر بیٹھا اور موبائل حرکت میں آ کر دوڑنے لگی۔

''تھانہ کتنی دور ہے کانسٹیبل؟'' اس نے سامنے والے ایک سپاہی کو مخاطب کیا۔

''کیا تمہیں ہم سے زیادہ جلدی ہے؟'' سپاہی نے کلکھنے لہجے میں کہا۔ ''تمہاری وجہ سے ہم نے ابھی ناشتا بھی نہیں کیا۔''

''اس میں میرا کیا قصور۔ ناشتا کر کے آ جاتے۔'' عادل مسکرایا۔ ''بہرحال میں ابھی تمہارے ناشتے کا انتظام کرتا ہوں۔''

''مذاق کرتے ہو۔ ابھی تھانے پہنچ کر تمہاری ساری ظرافت نکال دیں گے۔'' دوسرے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

عادل نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر اسی لمحے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور موبائل لڑکھڑاتی ہوئی فٹ پاتھ سے ٹکراتی رک گئی۔

''اوہ...... ٹائر برسٹ ہو گیا ہے۔'' عادل کے دائیں جانب بیٹھا سپاہی تیزی سے بولا۔

پھر وہ باہر کود گیا۔ سامنے بیٹھے دو میں سے بھی ایک سپاہی موبائل سے اتر گیا۔ اسی لمحے انسپکٹر بھی اتر کر موبائل کے عقب میں آ گیا۔ وہ تینوں پچھلے داہنے ٹائر کا جائزہ لے رہے تھے۔ ایک لمحہ بعد ڈرائیور بھی ادھر آ گیا۔

''چلو۔ ٹائر تبدیل کرو۔ ہری اپ۔'' انسپکٹر نے ڈرائیور اور سپاہیوں کو حکم دیا۔

''فاضل ٹائر پنکچر کے لئے دیا ہوا ہے سر......'' ڈرائیور بولا۔

''بہت بے وقوف ہو۔ ایک ہفتے سے واپس ہی نہیں لیا۔'' انسپکٹر نے اسے ڈانٹا۔

''وقت ہی نہیں ملا۔ آج لے لوں گا۔'' ڈرائیور نے گھبرا کر کہا۔

''بکومت۔ گاڑی کو سیدھا کھڑا کرو اور تم دونوں بھاگ کر تھانے سے ٹائر لے آؤ۔'' اس نے دوسرا حکم باہر کھڑے سپاہیوں کو دیا تھا۔

''سر۔ ایک گاڑی آ رہی ہے۔ اسے روک لیتے ہیں۔'' ایک سپاہی نے تیزی سے کہا۔

انسپکٹر نے پیچھے سے آتی گاڑی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''نہیں۔ صبح سویرے کسی شریف آدمی کو زحمت مت دو، جاؤ تم۔''

دونوں سپاہی اس کا حکم سن کر پیدل ہی چل دیئے۔ ڈرائیور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی کو سیدھا کرنے لگا جو فٹ پاتھ کے ساتھ ٹکرا کر اس طرح ترچھی ہو گئی تھی کہ دوسری گاڑیوں کے گزرنے کا راستہ نہ رہا تھا۔ عادل خاموشی سے انسپکٹر کی طرف دیکھ رہا تھا مگر وہ آنے والی گاڑی کی طرف متوجہ تھا۔ ایک دو لمحوں بعد سفید رنگ کی وہ کار قریب پہنچ اور ایک دم رک گئی۔ اس میں صرف ایک آدمی سوار تھا۔

''میں آپ لوگوں کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟'' اس نے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے شائستہ لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ مجھے پولیس اسٹیشن جانا ہے۔ کیا تم مجھے وہاں چھوڑ دو گے؟'' انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں سر۔ آیئے بیٹھیے۔'' ڈرائیور نے اسی جانب کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''تم ٹائر آنے تک یہیں رہو۔'' انسپکٹر نے پلٹ کر عادل کے پاس بیٹھے سپاہیوں سے کہا۔ ''مجرم کا دھیان رکھنا۔'' پھر وہ کار میں بیٹھا اور کار آگے بڑھ گئی۔ پولیس موبائل کا ڈرائیور گاڑی سائیڈ پر کرنے کے بعد دوبارہ پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور سفید کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ اچانک ایک دھماکہ ہوا اور ڈرائیور بے اختیار اچھل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چیخ پڑا۔

''اوہ...... جلدی آؤ۔ وہ کار تباہ ہو گئی ہے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ اس طرف بھاگ اٹھا جس طرف سفید گاڑی تھی۔ عادل کے پاس بیٹھے دونوں

سپاہی بھی بوکھلا گئے اور فوراً ہی موبائل سے باہر کود کر ڈرائیور کے پیچھے اتر پڑے۔ عادل بھی حیران ہوتا ہوا موبائل سے اترا اور پھر جو اس نے موبائل کے فرنٹ کی جانب نگاہ اٹھائی تو چکرا کر رہ گیا۔ وہ کار جس میں انسپکٹر روانہ ہوا تھا، آگ کے شعلوں میں گھری نظر آ رہی تھی۔ ٹھیک اسی لمحے اسے اپنے کان کے پاس ایک سرگوشی سنائی دی۔ ”ملنگ فوراً بائیں جانب والی گلی میں گھس جاؤ اور دوسری جانب کی سڑک پر پہنچ کر ٹیکسی پکڑ کر اسٹیشن چلے جاؤ۔“

عادل نے پلٹ کر دیکھا مگر آس پاس کوئی نہ تھا۔ یقیناً وہ غیبی آواز شاستری کے کسی فرستادہ کی تھی۔ اس نے دوبارہ جلتی ہوئی کار کی طرف دیکھا جو وہاں سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلے پر سڑک کے وسط میں کھڑی تھی اور تینوں پولیس اہلکار اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ پھر وہ تیزی سے فٹ پاتھ کی دوسری جانب واقع گلی کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ اب کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی تھی۔ گلی میں پہنچتے ہی اس نے ہتھکڑی پر پھونک ماری اور وہ کھل گئی۔ اس نے ہتھکڑی پھینکی اور رکے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

بھیڑیے کو دیکھ کر بکری اور بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لے تو اس سے خطرہ کم نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ آنکھیں بند کر لینے کے باوجود سمن کے ذہن میں اس شیطان سادھو گوپل اچاریہ سے اپنی عزت کو لاحق خطر موجود تھا جو اسے گوہرِ عصمت سے محروم کرنے کے لئے اپنا لباس اتار رہا تھا۔ گوپل اچاریہ کے سحر نے اس کے پاؤں جکڑ کر اسے معذور کر دیا تھا اور وہ زمین پر بے بسی کے عالم میں پڑی دعا کر رہی تھی کہ کاش اس کی عزت لٹنے سے پہلے ہی موت کا دیوتا اس کی روح قبض کر لے یا پھر گوپل اچاریہ پر بھگوان ایسا قہر ڈھا کہ وہ اس کی عزت پامال کرنے سے رک جائے۔

”آنکھیں کھولو لڑکی۔ اور دیوتاؤں کی قدرت کا نظارہ کرو۔“ گوپل اچاریہ شیطانی انداز میں ہنسا۔

لیکن سمن نے جواب میں فوراً ہی اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں سیدھی کر کے اس کی آنکھوں میں دے ماریں۔ گوپل اچاریہ نے پھرتی سے چہرہ پیچھے ہٹانے کی کوشش کی اور ساتھ ہی سمن کی کلائی اپنے ہاتھ میں پکڑ لی لیکن وہ مکمل طور پر خود کو اس کے وار سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا سمن کی انگلیاں اس کے گلے میں لگیں اور اس کے حلق سے تیز کراہ خارج ہوگئی۔ سمن کی دونوں انگلیوں کے لمبے اور نوکیلے ناخن اس کے گلے میں گھس گئے تھے اور وہاں سے خون جاری ہو گیا تھا۔

”میں چاہوں تو تمہارا ہاتھ توڑ ڈالوں۔“ وہ سمن کی کلائی پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتا ہوا غرایا۔ ”مگر پھر شنکر لال کا مقصد پورا نہ ہو سکے گا۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے سمن کا لباس کا نوچنا چاہا مگر اس سے پہلے کہ سمن کے بدن کا کوئی حصہ عریاں

ہوتا، اچانک وہ چیختا ہوا پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ سمن نے تیزی سے آسمان کی طرف نگاہ کی تو اس کے عین اوپر ایک خوفناک انسانی کھوپڑی چند فٹ کی بلندی پر معلق تھی اور کھوپڑی کی آنکھوں سے سرخ رنگ کے دھوئیں کی ایک لہر نکل کر گوپل اچاریہ کے جسم پر پڑ رہی تھی اور وہ چیختا ہوا بری طرح تڑپ رہا تھا۔ چند لمحوں میں ہی اس کے جسم کی رنگت اس طرح سفید پڑ گئی جیسے اس میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو۔ اس کی چیخیں معدوم ہوتی گئیں اور پھر اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی سمن کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیروں کی جکڑن ختم ہو گئی ہو۔ کھوپڑی سے سرخ دھواں نکلنا بھی بند ہو چکا تھا۔ سمن کھڑی ہو گئی۔

”سمن۔“ دفعتاً کھوپڑی سے ایک نرم آواز خارج ہوئی۔ ”یہ شیطان ابھی زندہ ہے، اسے ہلاک کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔“

تم۔ تم کون ہو؟“ سمن سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں بھگول ہوں۔ تمہارے باپ شاستری کا غلام۔“ کھوپڑی سے آواز آئی۔ ”تمہیں شنکر لال اور گوپل اچاریہ کے پنجے سے نکالنے کے لئے ملنگ دہلی سے چل پڑا ہے۔ اس کے آنے تک تم کسی مناسب جگہ چھپ جاؤ۔ جنوبی سمت میں ایک غار ہے وہ بہتر رہے گا۔“

آخری الفاظ کے ساتھ ہی کھوپڑی تیزی سے ہوا میں تیرتی ہوئی درختوں کی آڑ میں غائب ہو گئی اور سمن اطمینان کا سانس لیتی ہوئی جنوبی سمت میں چل پڑی۔ عادل کی آمد کی نوید سے اسے خوشی ہوئی تھی اور وہ تصور میں اسے دیکھتی ہوئی تیزی سے قدم اٹھا رہی تھی۔ تقریباً نصف میل چلنے کے بعد وہ ایک پہاڑی ڈھلان کے پاس جا پہنچی۔ اس میں ایک غار کا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اس میں داخل ہو گئی۔

غار صاف ستھرا تھا لیکن زیادہ لمبا نہ تھا اور چند قدم کے بعد بتدریج تنگ ہوتا ہوا اختتام پذیر تھا۔ دن کی روشنی غار میں پڑ رہی تھی۔ وہ غار کے تقریباً وسط میں پہنچ کر فرش پر بیٹھ گئی اور ملنگ کا انتظار کرنے لگی۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا اور بیٹھے بیٹھے وہ اونگھنے لگی۔ باہر شام کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ پھر شام کے اندھیرے نے ہر شے کو تاریک کر دیا۔ اندھیرے غار میں اس کا دل گھبرانے لگا تھا لیکن ملنگ ابھی تک نہ آیا تھا۔ وہ اٹھی اور باہر نکل آئی۔ باہر بھی اندھیرا تو تھا لیکن غار کے مقابلے میں زیادہ گہرا نہ تھا۔ وہ غار کے قریب ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ بائیں جانب سے کسی کے قدموں کی آہٹیں بلند ہونے لگیں۔ اس نے آہٹوں کی سمت دیکھا مگر اندھیرے کے باعث کچھ نظر نہ آیا۔ قدموں کی آہٹیں لمحہ بہ لمحہ قریب آتی چلی گئیں۔ پھر اسے ایک انسانی ہیولا سا دکھائی دیا۔ اندھیرے کے باعث اس کی شکل نظر نہ آ رہی تھی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ ”میں تمہیں ہی تلاش کرتا پھر رہا ہوں سمن۔“

اس کا لہجہ اگرچہ نرم تھا لیکن اس کی آواز پہچان کر سمن ایک دم خوف سے اچھل پڑی۔

☆☆☆

مگرمچھ کے کھلے جبڑوں میں لمبے اور نوکیلے دانت صاف دکھائی دے رہے تھے اور وہ تیزی سے تیرتا ہوا رخسانہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ وہ نہر کے وسط میں کھڑی دہشت زدہ نگاہوں سے مگرمچھ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مگرمچھ کو دیکھ کر اس پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو کر رہ گئی تھیں۔ ذہن میں اس بھیانک مگرمچھ کے خوف کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسے وہ عورت بھی یاد نہ رہی تھی جو اسے پانی میں گرا کر خود بھی ڈوب گئی تھی اور ابھی تک دوبارہ نظر نہ آئی تھی۔

خونخوار جبڑوں والا مگرمچھ آن کی آن میں اس کے قریب آ پہنچا۔ پھر اس سے پہلے کہ اس کے خوفزدہ ذہن میں اپنے بچاؤ کا کوئی خیال پیدا ہوتا، مگرمچھ نے اس پر حملہ کر دیا۔ چند ثانیوں میں ہی وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

ہوش آنے پر اسے اپنی پشت پر ٹھنڈک کا احساس ہوا اور اس نے آنکھیں کھول دیں لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہاں گہری تاریکی تھی۔ وہ چند لمحوں تک آنکھیں پھاڑے تاریکی میں کچھ دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ جلد ہی اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو گئیں۔ وہ ایک کمرہ تھا اور وہ ٹھنڈے فرش پر دراز تھی۔ اس چھوٹے سے حجرہ نما کمرے میں اس کے سوا کوئی ذی روح موجود نہ تھا۔ ایک روشن دان سے کسی چراغ کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی جو یقیناً دوسرے کمرے میں جل رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کے حواس بیدار ہو گئے پھر اسے بے ہوشی سے پہلے کا واقعہ یاد آیا اور وہ خوفزدہ ہو کر ایکدم اٹھ بیٹھی۔ اس کے ذہن میں فوری طور پر یہ خیال ابھرا کہ وہ مگرمچھ سے کیسے بچ گئی؟ کمرے کا واحد دروازہ بند دکھائی دے رہا تھا اور تاریکی کے سبب یہ اندازہ کرنا ممکن نہ تھا کہ دروازہ باہر سے بند تھا یا اندر سے؟ وہ چند منٹ تک خوفزدہ ذہن کے ساتھ فرش پر بیٹھی سوچتی رہی کہ اس عورت کا کیا انجام ہوا جو اسے کندھوں پر بٹھا کر نہر کے پار لے جا رہی تھی اور ایکدم ڈوب گئی تھی۔ پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا کہ کیا اس دیہاتی عورت نے دانستہ اسے پانی میں گرایا تھا؟ کیا وہ سوامی راجکپور کی ساتھی تھی اور اسی کے حکم پر اس نے یہ حرکت کی تھی؟ مگر خود کیوں ڈوب گئی تھی؟

ان سوالوں کا جواب دینے سے اس کا ذہن معذور تھا۔ چنانچہ وہ سر جھٹک کر اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ وہ باہر سے بند کیا گیا تھا اور اس میں کوئی سوراخ وغیرہ بھی نہ تھا وہ دوسری طرف کا جائزہ لے سکتی۔ وہ چند لمحوں تک کوشش کرتی رہی اور ناکام ہو کر دروازے پر ہاتھ مارنے لگی۔ کئی لمحے گزر گئے اور پھر باہر سے کسی کے قدموں کی آہٹیں ابھرنے لگیں۔ یقیناً کوئی آ رہا تھا۔ وہ دروازے سے پیچھے ہٹ گئی۔

آہٹیں لمحہ بہ لمحہ قریب آتی چلی گئیں اور دروازے پر آ کر معدوم ہو گئیں۔ پھر دروازہ کھلا اور کھولنے والے کو دیکھ کر رخسانہ کی خوف کے مارے ہلکی سے چیخ نکل گئی۔ وہ انتہائی مکروہ اور بھیانک شکل والا کبڑا تھا۔ اس کا سر گنجا اور انڈے کی مانند بیضوی تھا جبکہ چہرہ قدرے لمبوترا تھا اور اس پر سیاہ رنگ کے بے شمار دانے نکلے ہوئے تھے جو مسے معلوم ہوتے تھے۔ پشت پر ابھرے ہوئے کب کے سبب وہ آگے کی طرف رکوع کے انداز میں جھکا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک تہبند تھا جبکہ سینے پر سفید مٹی یا چاک سے ایک انسانی ہاتھ کا نقش بنا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں گول اور چھوٹی تھیں مگر ان میں بے پناہ چمک تھی اور ان سے خونخواری جھلک رہی تھی۔

"کیا بات ہے ناری......؟" اس خوفناک کبڑے کی آواز کافی کڑک دار تھی۔

"تم۔تم۔کون ہو۔یہ۔یہ کون سی جگہ ہے......؟" وہ خوف کی شدت سے ہکلائی۔

"کیا......؟" کبڑا ایکدم غرایا۔ "کیا یہی پوچھنے کے لئے تم نے میرا آرام حرام کیا ہے؟"

"مم......میں مم میں باہر جانا چاہتی ہوں۔" وہ بمشکل بولی۔ خوف سے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔

"کیوں؟" اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں رخسانہ کو گھورا۔

رخسانہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی اور وہ ہکلا کر رہ گئی۔ کبڑا اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ رخسانہ کا بدن خوف کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ پھر وہ بھیانک کبڑا خود ہی بولا۔

"سنو دیشیا۔ سوامی جی نے اس بار تمہیں اپنے پاس رکھنے کی بجائے میری رکھشا میں دیا ہے اور میں کلکتہ کا سب سے بڑا اور یہ سمجھا جاتا ہوں۔ مجھ سے بڑا مہنت یہاں کوئی نہیں۔ بڑے بڑے مہابلی سادھو مجھے سلام کرتے ہیں اور مجھ سے ڈرتے ہیں۔ میرا نام امت دیو ہے اور تم لاکھ اپائے کرو کوئی بھی تدبیر کرو لیکن میری قید سے تم کیا، تمہاری روح بھی آزاد نہیں ہو سکتی۔ کلکتہ کے اس گاؤں میں صرف میرا حکم چلتا ہے اور میں تم جیسی خوبصورت ناریوں کا دل اور کلیجہ بڑے شوق سے کھاتا ہوں۔ میری سفاکی کا اس سے اندازہ کر لو کہ میں نے شادی کے ایک ہفتہ بعد ہی اپنی استری کا دل و کلیجہ چبا ڈالا تھا جس سے مجھے محبت تھی جبکہ مجھے تم سے کوئی ہمدردی بھی نہیں ہے۔ ملیچھ مسلموں کا تو میں کڑا دشمن ہوں۔ اس لئے تم یہاں سے بھاگنے کا کبھی دل میں خیال بھی نہ لانا۔"

کبڑے مہنت امت دیو کی باتیں اس کی شکل سے بھی زیادہ خوفناک تھیں۔ رخسانہ خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپتی ہوئی فرش کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ امت دیو کے خوفناک چہرے کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکی جو کہہ رہا تھا۔ "سوامی راج کپور نے مجھے اجازت دی ہے کہ اگر کوئی گڑبڑ کرو تو تمہیں ذبح کر ڈالوں اور اپنی بھوک مٹاؤں۔"

پھر اس نے جھٹکے سے دروازہ بند کر دیا۔ رخسانہ خوف کی شدت سے نڈھال ہو کر فرش پر بیٹھ گئی۔ خوفناک کبڑے اہنت دیو کے خوف نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی تھی۔ اس عالم میں کتنی دیر گزری۔ اس کا اسے احساس نہ ہو سکا۔ وہ اس وقت چونکی جب اچانک یہ کمرے کی تاریکی میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے روشندان کی طرف دیکھا تو اس کی دوسری جانب بھی اندھیرا تھا۔ شاید دوسری طرف جلنے والی روشنی بجھ گئی تھی۔ اس گھپ اندھیرے نے ایک بار پھر اسے خوف و ہیجان میں مبتلا کر دیا اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اتنی گہری تاریکی میں کچھ دیکھ لینا ممکن نہ تھا۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اچانک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ کسی نے اس کا نام لیا تھا۔ اس نے گھبرا کر انداز سے دروازے کی طرف دیکھا تو ایکدم دہشت زدہ ہو گئی۔ ادھر تاریکی میں دو خوفناک اور چمکدار آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔

''کک......کو......کون......!'' وہ ہکلائی۔

''آہستہ بولو رخسانہ۔'' آنکھوں کی طرف سے سرگوشیانہ آواز ابھری۔ ''اہنت دیو کو میں نے بے ہوش کر دیا ہے۔ خاموشی سے باہر نکلو اور میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔ باہر شاستری مہاراج تمہاری رکھشا کے لئے خود موجود ہے۔''

شاستری کا نام سن کر رخسانہ چونکی اور اس کا خوف قدرے کم ہو گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ شاستری بابا اسے آزاد کرانے آیا ہے۔ وہ اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی تو چمکدار آنکھیں پیچھے ہٹ گئیں۔ دروازہ کھلا تھا اس لئے وہ کسی رکاوٹ کے بغیر باہر آ گئی۔ کمرے سے باہر بھی تاریکی تھی اور وہ پُراسرار آنکھیں باہر کی جانب حرکت کر رہی تھیں۔ رخسانہ بھی اسی طرف بڑھنے لگی۔ تقریباً پچاس قدم چلنے کے بعد اس نے خود کو تاروں بھرے آسمان کے نیچے پایا۔ تب اسے چمکدار آنکھوں کی حقیقت معلوم ہوئی۔ وہ ایک انسانی کھوپڑی تھی جو آٹھ دس فٹ کی بلندی پر حرکت کر رہی تھی۔

وہ رک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اسی لمحے قدموں کی آہٹ ابھری۔ اس نے تیزی سے دائیں جانب دیکھا اور بے اختیار اچھل پڑی۔ اس طرف سے ایک انسانی ہیولا رخسانہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔

☆☆☆

گلی کا اختتام ایک بڑی سڑک پر ہوا۔ یہ شہر کی مرکزی شاہراہ تھی اور اس پر ٹریفک رواں تھی لیکن سڑک پر پہنچ کر عادل کو ایک دم ہی احساس ہوا کہ اس سے ایک بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ ہتھکڑی گلی میں نہیں پھینکنی چاہیے تھی کیونکہ اس سے پولیس کو اس کے فرار کی سمت کا اندازہ ہو جاتا۔ یہ سڑک اسٹیشن کی طرف جاتی تھی۔ اگرچہ اسٹیشن یہاں سے کافی فاصلے پر تھا مگر پولیس والے اتنے بدھو بھی نہ تھے کہ اس کی منزل

زہ کرنے میں انہیں دشواری پیش آتی۔

اپنی غلطی کا احساس ہونے پر وہ ایک لمحہ کیلئے پریشان ہو گیا۔ لیکن فوراً اس نے سر جھٹک دیا۔ اب ں جا کر ہتھکڑی اٹھا لانا اس سے بڑی حماقت ہوتی جبکہ اسے فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو جانے کی رت تھی چنانچہ اس نے جلدی سے سڑک پار کی اور چند قدم بائیں جانب چلنے کے بعد اسی جانب ایک میں گھس گیا۔ اس طرف کئی گلیاں تھیں۔ وہ تین چار گلیوں سے گزرتا ہو پھر ایک سڑک پر نکل آیا۔ یہ ر جنگ روڈ تھی۔ خالی ٹیکسی ملنے میں نصف منٹ ہی لگا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھا اور ڈرائیور کو ریلوے اسٹیشن کی ہدایت کی۔ آٹھ نو منٹ بعد ٹیکسی ریلوے اسٹیشن کے قریب پہنچا تو اسٹیشن کے بیرونی احاطے کے ٹ پر تین پولیس موبائلیں دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس نے فوراً ہی ڈرائیور کو رکنے کی ہدایت کی۔

''اسٹیشن آ گیا ہے جناب......'' ڈرائیور نے بریک لگاتے ہوئے بتایا۔

''معلوم ہے لیکن میں نے گاڑی نہیں پکڑنی......کرایہ بتاؤ۔''

ڈرائیور نے میٹر پر نظر ڈالی اور بل بتایا۔ عادل نے پرس سے پیسے نکال کر اس کے ہاتھ میں ائے اور ٹیکسی سے اتر آیا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ عادل کے سامنے اسٹیشن کے احاطے کی ار میں ایک شگاف تھا جس کی دوسری جانب ریلوے لائن نظر آ رہی تھی۔ اس نے پہلے تو شگاف سے طے کا جائزہ لیا۔ وہاں پولیس کا کوئی آدمی نہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ سارے پولیس والے پلیٹ فارم پر اسے ش کر رہے ہوں گے۔ چنانچہ وہ اطمینان سے احاطے میں داخل ہوا اور ریلوے لائن پر آ گیا۔ اس لائن ریل گاڑی کھڑی تھی اور یہاں اس کا انجن تھا جبکہ پہلی بوگی کے سوا تمام بوگیاں پلیٹ فارم پر تھیں۔ وہ زی سے انجن کے پاس پہنچا۔ انجن کا ڈرائیور کھڑکی سے سر نکالے پلیٹ فارم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کلکتہ جانے والی ٹرین کس پلیٹ فارم پر ہے جناب؟'' اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

''یہی ہے۔ جلدی سے سوار ہو جاؤ۔ گارڈ جھنڈی دکھا رہا ہے۔'' ڈرائیور نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

پھر کھڑکی سے ہٹ گیا۔ عادل کو پلیٹ فارم پر پولیس کی ٹوپیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس لئے یٹ فارم پر جا کر بوگی میں سوار ہونا خطرناک تھا۔ پہلی بوگی پلیٹ فارم سے باہر تھی مگر امکان تھا کہ اس میں ی پولیس ہو گی۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ انجن نے وسل دیا اور ٹرین حرکت میں آ کر رینگنے ی۔ اب مزید فکر و تردد کرنا بیکار تھا۔ چنانچہ جونہی پہلی بوگی کا دروازہ اس کے سامنے آیا وہ تیزی سے لپکا ر دروازے میں چڑھ گیا دروازے میں کئی مسافر کھڑے تھے اور کئی بیٹھے تھے۔ کافی رش تھا۔ وہ راستہ اتا اور مسافروں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا اندر آ گیا۔ دروازے کے پاس کھڑا رہنا مناسب نہیں تھا چنانچہ اس ے مزید پیش قدمی کی اور کمپارٹمنٹ کے تقریباً درمیان پہنچ گیا۔ اکانومی کلاس کی بوگی تھی اور مسافروں کا

رش تھا۔ خالی سیٹ ملنا ناممکن تھا۔ کئی مسافر درمیانی راستے میں کھڑے اور فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے لئے فرش پر بیٹھنے کی جگہ بھی نہ تھی۔ چنانچہ وہ ایک برتھ کی سیڑھی کے ساتھ پشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا اور سامنے والی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے لگا۔ پندرہ منٹ بعد ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی اور برتھ پر لیٹا ہوا مسافر اتر آیا۔ عادل نے اسے راستہ دیا۔

''اوپر بیٹھ جاؤ...... برتھ خالی ہے۔'' اس نے عادل سے کہا۔

پھر اپنا بیگ اٹھا کر ٹرین کے دروازے کی طرف بڑھ گیا اور عادل جلدی سے برتھ پر چڑھ گیا کہ کوئی اور ضرورت منداس پر قابض نہ ہو جائے۔ ایک منٹ کے اسٹاپ کے بعد ٹرین چل پڑی اور وہ اطمینان سے برتھ پر دراز ہو گیا۔ اب وہ مطمئن تھا کہ پولیس کی گرفت میں آنے کا یہاں کوئی خدشہ نہ تھا۔ البتہ اس بات کا امکان اس کے ذہن میں تھا کہ پولیس اس کے پیچھے لگانے والے دشمن نے پولیس کو اس کی منزل کے بارے میں بتا دیا تو کلکتہ اسٹیشن پر پولیس سے ٹاکرا ہو سکتا تھا مگر اس مرحلہ کے آنے میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے۔ اس لئے وہ پولیس کا خیال ذہن سے جھٹک کر سمن کے بارے میں سوچنے لگا۔ کلکتہ اس کی منزل نہ تھی لیکن پولیس کو جل دینے کے لئے اس نے پہلے کلکتہ جانے کا فیصلہ کیا تھا اور وہاں سے سے اپنی اصل منزل آگرہ کی طرف روانہ ہونا تھا تا کہ بھدرا دیوی کی سادھی والے جنگل میں پہنچ کر سمن کو سادھو گول اچاریہ کے شکنجے سے نجات دلائے۔

تھوڑی دیر بعد ٹکٹ چیکر آ گیا۔ عادل کے پاس ٹکٹ نہیں تھا۔ اس لئے اس نے پیسے دے کر کلکتہ کا ٹکٹ بنوایا اور دوبارہ برتھ پر دراز ہو گیا۔ مگر اسی لمحے اس کی نگاہ قریبی برتھ کی طرف اٹھ گئی جہاں ایک نوجوان لڑکی لیٹی چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بیس اکیس برس کی دوشیزہ تھی۔ قیمتی اور ماڈرن لباس میں کسی بڑے گھر کی بیٹی معلوم ہوتی تھی مگر بے حد خوبصورت تھی۔ اس نے اپنے پرس پر سر رکھا ہوا تھا اور ٹرین کی حرکت کے ساتھ اس کا سینہ جل تھل کر رہا تھا۔ یہ جل تھل عادل کو مخمور کرنے لگی اور وہ اطراف سے بے خبر ہو کر اس ہوشربا حسینہ کے جلوے میں کھو گیا۔

کئی لمحے گزر گئے۔ پھر اچانک کمپارٹمنٹ میں ایکدم خاموشی پھیل گئی۔ اس نے نیچے جھانکا اور اس پر بوکھلاہٹ طاری ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

سمن کو یقین تھا کہ وہ آواز عادل کی نہیں اور اس کی طرف والا شخص کوئی اور ہے اس لئے اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ انسانی ہیولا جلد ہی اس کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ سمن نے اسے پہچان لیا۔ وہ شنکر لال تھا جسے سادھو گول اچاریہ نے کچھ دیر قبل مرنے سے بچا لیا تھا۔ اندھیرے میں اس کے چہرے

کے تاثرات دیکھ لینا ممکن نہ تھا لیکن اس کی آنکھیں کسی خونخوار بھیڑیئے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

''سمن۔'' وہ ایک دو لمحوں بعد اس سے مخاطب ہوا تو اس کا لہجہ غراہٹ آمیز تھا۔ ''تمہارے باپ نے اچھا نہیں کیا۔''

''کیا ہوا؟'' سمن اس کے الفاظ پر چونک پڑی۔

''اس کے گرگے بھگول نے گول اچاریہ کو زخمی کر دیا ہے اور وہ دو تین دن کیلئے حرکت کرنے کے قابل نہیں رہا جبکہ مجھے جاپ کرنے کیلئے اس کی معاونت کی ضرورت ہے جس کے بغیر مجھے مطلوبہ شکتی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔''

''اس میں میرا کیا قصور؟'' وہ بے نیازی سے بولی۔ ''اس شیطان کو اس کے کئے کی سزا ملی ہے۔''

''بہر حال اب میرا یہاں جاپ کرنا بیکار ہے۔ کیونکہ اس کے تندرست ہونے تک تین راتیں گزر جائیں گی اور مجھے اگلے ماہ کے چاند کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اس لئے میں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور تمہیں لینے آیا ہوں۔''

''کہاں جانا ہے؟'' وہ اس کی بات سے پریشان ہو گئی۔

''یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔ میرے ساتھ آؤ۔'' وہ مخلصانہ انداز میں بولا۔

ساتھ ہی اس نے سمن کی دائیں کلائی پکڑلی اور ایک طرف چل دیا۔ ناچار وہ اس کے ساتھ قدم اٹھانے لگی مگر ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ وہ اسے کہاں لے جائے گا اور اس کے پیچھے عادل یہاں پہنچے گا تو وہ اسے کیسے تلاش کر پائے گا۔ وہ اندھیرے راستوں پر شنکر لال کے ساتھ چلتی ہوئی سوچتی رہی۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ گول اچاریہ سے اس کی جان چھوٹ گئی تھی اور شنکر لال سے فی الحال اس کی عزت کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ اب اسے صرف عادل کی فکر تھی کہ وہ اسے اس جنگل میں نہ پا کر کیا کرے گا۔

جنگل کا سفر پندرہ بیس منٹ بعد ختم ہو گیا۔ اب وہ ایک بنجر میدان میں تھے جس میں جا بجا چھوٹے چھوٹے ٹیلے ستاروں کی مدھم روشنی میں دکھائی دے رہے تھے۔ سامنے کی طرف چالیس پچاس قدم پر ایک بہت بڑا ٹیلہ پہاڑی کی مانند نظر آ رہا تھا۔ شنکر لال نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا مگر اس کے بہت قریب چل رہا تھا اس لئے اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرتی بھی تو ناکام رہتی اس لئے فی الحال اس نے مزاحمت یا فرار سے گریز کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ دونوں ٹیلے کے نزدیک پہنچے تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ بلند نظر آ رہا تھا۔ دائیں بائیں جانب سے وہ ڈھلوانی تھا اور درمیانی حصہ پندرہ سولہ فٹ بلند دیوار کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر شنکر لال رک گیا۔ پھر اس نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے ٹیلے کی دیوار ایک طرف ہاتھ دراز کر کے جھٹکا، اگلے ہی

لمحے کسی قسم کے شور اور آواز کے بغیر ٹیلے کی دیوار میں ایک شگاف ہوگیا جس کے اندر کسی چراغ کی زردسی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

''آؤ......'' شنکر لال اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اس شگاف کی طرف بڑھا۔

اندر قدم رکھتے ہی ان کے عقب میں دیوار برابر ہوگئی۔ سمن نے سامنے دیکھا۔ غار کافی طویل معلوم ہوتا تھا اور چند قدم آگے زمین پر کسی بہت بڑے جانور کی کھوپڑی پر ایک چراغ جل رہا تھا۔ شنکر لال اس کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھا تو کھوپڑی میں حرکت ہوئی اور وہ ان کے آگے آگے غار کے فرش پر گھسٹنے لگی لیکن کھوپڑی کی حرکت کے باوجود چراغ اور اس کی لو میں حرکت نہ ہوئی اور وہ ساکت رہے۔

غار میں اس کھوپڑی کے تعاقب میں انہوں نے تقریباً سو قدم کا فاصلہ طے کیا اور غار کے اختتام پر پہنچ گئے۔ اس طرف سے غار کا دہانہ کھلا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتے، اچانک کھوپڑی پر رکھا چراغ بجھ گیا اور اندھیرا ہوتے ہی غار ہولناک چیخوں سے گونجنے لگا۔

☆☆☆

انسانی ہیولا جلد ہی رخسانہ کے قریب آ پہنچا اور ستاروں کی مدہم روشنی میں اسے وہ کوئی انسانی ڈھانچا معلوم ہونے لگا۔ چنانچہ فوری طور پر وہ خوفزدہ ہوگئی۔

''ڈرو مت رخسانہ! یہ میں ہوں......'' وہ شخص آہستہ سے بولا۔

اس کی آواز سن کر رخسانہ بے اختیار اچھل پڑی۔ وہ گوشت پوست سے محروم چہرے والا وہی بوڑھا رشی سوبھراج تھا جس نے اسے اپنے ایک قابل اعتماد آدمی بھگوان داس کے ہمراہ ریل گاڑی میں سوار ہونے کے لئے بھیجا تھا مگر ریل کی پٹڑی تک پہنچتے ہی سوامی راج کپور کے خونخوار کتوں نے بھگوان داس کو چیر پھاڑ ڈالا تھا اور وہ دوبارہ سوامی راج کپور کی گرفت میں آ گئی تھی۔ نتیجے میں وہ ٹرین میں سوار ہونے کی بجائے ایک بار پھر عادل اور شاستری بابا کے دشمنوں کے چنگل میں پھنس گئی اور سوامی راج کپور نے اس کے فرار کی کوشش ناکام بنا کر اسے اپنے خطرناک گرگے اننت دیو کی قید میں دے دیا تھا۔

''مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ سوامی راج کپور کی غلام روحوں نے بھگوان داس کو ہلاک کر دیا اور تم ٹرین میں دہلی نہ جا سکیں لیکن اس وقت میں ایک خاص جاپ کے لئے منڈل میں بیٹھا تھا اور جاپ پورا ہونے سے پہلے منڈل سے باہر قدم رکھتا تو جل کر کوئلہ بن جاتا۔ اس لئے فوری طور پر تمہاری مدد کے لئے نہ پہنچ سکا۔'' رشی سوبھراج نے اسے حیرت زدہ دیکھ کر بتایا۔

''مگر اس نے تو بتایا تھا کہ شاستری بابا......'' رخسانہ کہنے لگی۔

''ہاں۔ وہ بھی آیا ہے مگر تھوڑے فاصلے پر موجود ہے۔'' اس نے رخسانہ کی بات قطع کرتے ہوئے

تیزی سے کہا۔ ''آؤ تمہیں اس سے ملواؤں۔'' پھر وہ پلٹا اور اسی سمت چل دیا جدھر سے آیا تھا۔ رخسانہ اس کے پیچھے قدم اٹھانے لگی۔ تقریباً پچاس ساٹھ قدم کے فاصلے پر درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ رشی سوبھراج اس میں داخل ہوگیا۔ درختوں کے جھنڈ کے اندر سخت اندھیرا تھا۔ وہ ٹھوکر کھا کر گرنے ہی لگی تھی کہ رشی سوبھراج نے جلدی سے پلٹ کر اسے تھام لیا۔ پھر اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ اس جھنڈ سے باہر آئے تو اسی جانب سیاہ رنگ کا قد آور خونخوار کتا کھڑا زبان منہ سے نکالے ہانپ رہا تھا۔

اس کتے کو دیکھ کر رخسانہ کو بے اختیار وہ خونی کتے یاد آئے جنہوں نے بھگوان داس کی تکا بوٹی کی تھی اور وہ خوفزدہ ہوگئی۔

''اوہ۔ تم کون ہو؟'' رشی سوبھراج نے چونکتے ہوئے اس کتے کو مخاطب کیا۔

''شاستری مہاراج کا غلام ہوں۔'' کتے کے منہ سے انسانی آواز خارج ہوئی۔

''مگر شاستری مہاراج کہاں چلے گئے؟'' رشی سوبھراج نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''انہیں فوری طور پر دہلی پہنچنا تھا۔ اس لئے مجھے یہاں تمہارے انتظار میں چھوڑ گئے کہ تمہیں ان کا پیغام دے دوں۔'' کتے نے بتایا۔ ''شاستری مہاراج نے ہدایت کی ہے کہ فی الحال تم اس لڑکی کو اپنے مندر لے جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔''

یہ کہہ کر وہ کتا پلٹا اور دوڑتا ہوا ایک ٹیلے کے پیچھے غائب ہوگیا۔ رشی سوبھراج نے سر جھٹکا پھر اس نے دوبارہ رخسانہ کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''ذرا آنکھیں بند کر لو۔''

رخسانہ نے اس کی ہدایت پر حیران ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ اس طرح اس نے اندھوں کی مانند پانچ چھ قدم کا فاصلہ طے کیا۔

''بس۔ آنکھیں کھول دو......'' اسے رشی سوبھراج کی آواز سنائی دی۔

تب اس نے آنکھیں کھول دیں لیکن ماحول پر نظر پڑتے ہی حیرت سے اچھل پڑی۔ یہ وہی مندر تھا جہاں اس کی رشی سوبھراج سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔ چراغوں کی روشنی میں سامنے دیوی کا مجسمہ دکھائی دے رہا تھا اور اس کے قریب رشی سوبھراج کھڑا تھا۔

''ادھر کمرے میں چلی جاؤ۔'' وہ بائیں جانب واقع دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''شاستری مہاراج کی آئندہ ہدایات ملنے تک تم نے یہاں رہنا ہے کمرے میں تمہارے کھانے پینے اور سونے کا انتظام موجود ہے۔ یہاں تم بالکل محفوظ ہو اس لئے کسی قسم کے خوف و اندیشہ سے بے فکر رہنا۔ سوامی راج کپور یا اننت دیو کا باپ بھی تمہارے کمرے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔''

''کیا آپ بھی یہاں رہیں گے؟'' رخسانہ کافی مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

''اور میں نے کہاں رہنا ہے؟'' وہ ہنس پڑا۔ ''اور بالفرض کسی وقت مجھے مندر سے کہیں جانا بھی پڑا تو بھی تمہیں کوئی دشمن نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ میں تمہاری حفاظت کی خاطر یہاں نہ صرف کسی طاقتور اور قابل بھروسہ آدمی کو چھوڑ جاؤں گا بلکہ مند کے گرد ایسا خطرناک کنڈل کھینچ جاؤں گا کہ کوئی مکھی بھی اندر نہ آ سکے گی اور کنڈل سے ٹکرانے والا جل کر راکھ ہو جائے گا۔''

اس کی باتیں سن کر رخسانہ نے اطمینان کا سانس لیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی وہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو کر کمرے کا جائزہ لے کر حیران رہ گئی۔ وہ کمرہ جدید فرنیچر سے آراستہ تھا۔ دائیں جانب کشادہ پلنگ پر ریشمی بستر بچھا ہوا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک چھوٹی مگر خوبصورت میز اور آرام دہ کرسی رکھی تھی۔ میز پر پانی کا جگ گلاس اور ٹرے میں تازہ کھانا دکھائی دے رہا تھا۔ سب سے زیادہ حیران کن بات چھت میں بجلی کا بلب روشن تھا حالانکہ مندر میں کہیں بھی بجلی کا انتظام نہ تھا اور صرف چراغوں سے روشنی کی جاتی تھی۔ وہ جلد ہی سمجھ گئی کہ یہ سب کچھ طلسماتی ہے اور صرف اس کے لئے ہی کیا گیا ہے۔

وہ آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھی اور اطمینان سے کھانا کھانے لگی۔ کھانا گرم تھا اور محسوس ہوتا تھا کہ چند منٹ پہلے پکایا گیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ اٹھی اور پلنگ پر لیٹ کر عادل اور گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچنے لگی۔ مگر جلد ہی کھانے کے خمار نے اس کے ذہن کو اپنے حصار میں لے لیا اور اس کی آنکھیں نیند کے دباؤ سے بند ہو گئیں۔

دوسری صبح رشی سوبھراج کی آواز پر وہ بیدار ہوئی۔ وہ دروازے میں کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

''رخسانہ۔ دن کافی چڑھ آیا ہے۔ ناشتا کر لو۔ اشنان وغیرہ کیلئے ادھر غسل خانہ ہے۔'' اس نے بائیں جانب اشارہ کیا۔

رخسانہ نے اس طرف دیکھا اور حیران رہ گئی۔ اس دیوار میں ایک چھوٹا دروازہ دکھائی دے رہا تھا حالانکہ گزشتہ رات وہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔ رشی سوبھراج دوبارہ کہنے لگا۔

''فارغ ہو کر پوجا والے کمرے میں آ جانا۔ ضروری بات کرنی ہے۔''

اس پر وہ چونکی مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ رشی سوبھراج پلٹ کر چلا گیا اور دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ وہ فکرمند ہو گئی کہ رشی سوبھراج نے کس قسم کی ضروری بات کرنی ہے؟ وہ ان سوالوں سوچتی ہوئی غسل خانے میں گھس گئی۔ غسل سے فارغ ہو کر وہ میز کے پاس آ بیٹھی جہاں اس کے لئے چائے اور گرم پراٹھے بھی موجود تھے اور تلے ہوئے انڈے بھی۔

چند منٹ بعد وہ اٹھی اور رشی سوبھراج کی ضروری بات کے متعلق اندازے لگاتی ہوئی دروازے کی

طرف بڑھ گئی۔ کمرے سے نکل کر وہ پوجا پاٹ والے حصے میں آئی جہاں رشی سوبھراج فرش پر آسن جمائے اور آنکھیں بند کئے کسی عمل میں مصروف تھا۔ وہ ایک طرف بیٹھ گئی اور بے چینی سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

☆☆☆

بوکھلاہٹ فطری ردِعمل تھا جو عادل پر ایکدم طاری ہو گئی تھی کیونکہ نیچے بیٹھے مسافروں کے درمیان تین پولیس اہلکار کھڑے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان میں ایک وہی انسپکٹر تھا جس نے اسے سوما کے فلیٹ پر قتل کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ پھر فوراً ہی اس نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا لیا۔ اسے بالکل توقع نہیں تھی کہ ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد پولیس اسے چلتی گاڑی میں گرفتار کرنے آ پہنچے گی۔ اس کا اندازہ تھا کہ اس قسم کی صورتحال کلکتہ کے اسٹیشن پر ہی پیش آئے گی لیکن شاید انسپکٹر کو ٹرین میں اس کی موجودگی کا یقین تھا۔ اس لئے وہ بھی ٹرین میں سوار ہو گیا تھا اور اسے تلاش کرتا ہوا یہاں تک آ پہنچا تھا۔ یا پھر اس کے دشمن نے مخبری کی تھی۔ بہرحال کچھ بھی تھا، وہ ایک بار پھر پھنس چکا تھا۔

''تم خود نیچے اترو گے یا ہمیں زحمت کرنا پڑے گی۔'' انسپکٹر کا لہجہ بڑا کاٹ دار تھا۔

عادل طویل سانس لیتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

''انسپکٹر۔ اس نے کیا جرم کیا ہے؟'' ایک شخص نے انسپکٹر سے سوال کیا۔

''یہ خونی ہے۔ اس نے قتل کیا ہے۔'' انسپکٹر غور سے اسے دیکھتا ہوا سخت لہجے میں بولا۔

''قق۔ قق۔ قاتل۔ کھونی۔۔ رام رام۔'' نیچے سیٹ پر بیٹھے ایک بوڑھے شخص نے گھبرا کر کہا۔

سب مسافر حیرت وخوف سے عادل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انسپکٹر کے ہاتھ میں سروس ریوالور تھا جو اس نے عادل کی طرف تان رکھا تھا جبکہ اس کے ساتھی سپاہیوں کے پاس رائفلیں تھیں اور وہ ریلوے پولیس کے آدمی معلوم ہو رہے تھے۔

عادل برتھ سے اتر آیا۔ دونوں سپاہیوں نے فوراً دائیں بائیں سے اس کے بازو پکڑ لئے۔ انسپکٹر نے کہا۔ ''اسے دروازے کے پاس لے چلو۔ اگلے اسٹیشن پر اتریں گے۔ ہوشیار رہنا۔ بڑا خطرناک مجرم ہے۔'' سپاہی اسے بازوؤں سے پکڑے دروازے کی طرف بڑھے۔ پولیس سے خوفزدہ ہو کر وہاں فرش پر بیٹھے مسافر اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ انسپکٹر دروازے میں کھڑا ہو گیا اور سپاہی اس کے عقب میں عادل کو اپنی گرفت میں لئے کھڑے تھے۔ عادل نے باہر نظر ڈالی۔ ٹرین اس وقت ایک ویران اور بنجر علاقے سے گزر رہی تھی اور کافی فاصلے پر ایک طویل جنگل دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے چند لمحوں میں فیصلہ کر لیا کہ اگلا اسٹیشن آنے سے پہلے ہی پولیس سے نمٹ لینا چاہیے۔ چنانچہ

اس نے اپنی نگاہیں کھڑکی کے پہلو میں لگی ایمرجنسی زنجیر پر جما دیں اور ہونٹوں کو حرکت دیئے بغیر ایک عمل پڑھنے لگا۔ انسپکٹر باہر دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا سروس ریوالور ہولسٹر میں رکھ لیا تھا۔ عادل کی دونوں کلائیاں سپاہیوں کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ سیٹوں پر بیٹھے مسافروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اچانک ٹرین کو جھٹکا لگا اور بریکوں کے شور کے ساتھ اس کی رفتار گرتی چلی گئی۔

☆☆☆

ہولناک چیخوں سے سمن ایک دم دہل کر رہ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے سینکڑوں بدروحیں کرب واذیت میں مبتلا ہو کر چیخ رہی ہوں۔ غار کی تاریکی میں کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا اور وہ پُراسرار چیخیں اتنے قریب سے بلند ہو رہی تھیں جیسے غار کی دیواروں سے ابھر رہی ہو۔ سمن دہشت زدہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ اندھیرے میں اسے شنکر لال کا وجود بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد چیخ و پکار کا سلسلہ ایک دم رک گیا اور غار میں گہرا سناٹا پھیل گیا۔ اس سناٹے میں سمن کو اپنے دل کی دھک دھک صاف سنائی دے رہی تھی۔

"گھبراؤ مت سمن......" دفعتاً اس کے قریب سے ہی شنکر لال کی آواز ابھری۔

"کک۔ کیا ہوا ہے؟" وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"میری غلام چڑیلیں خبر دینے آئی تھیں کہ رخسانہ رشی سوبھراج کی پناہ میں پہنچ چکی ہے اور اننت دیو بے ہوش پڑا ہے۔" شنکر لال نے بتایا۔

"رخسانہ......" سمن بے اختیار چونکی۔

"ہاں۔۔ وہ کراچی سے ملنگ کے ساتھ آئی تھی مگر ملنگ کو سزا دینے کے طور پر میں نے اسے اغوا کرا لیا۔ تمہارے باپ شاستری کے ایک سیوک رشی سوبھراج نے اسے میرے آدمی اننت دیو کی قید سے آزاد کرا لیا ہے لیکن میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ غضبناک لہجے میں بولا۔ "میں دیکھتا ہوں وہ کب تک رخسانہ کی حفاظت کرتا ہے۔"

سمن کچھ نہ بولی۔ وہ رخسانہ کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ ایک دو لمحوں بعد غار میں روشنی پھیل گئی۔ لیکن اب چراغ بردار کھوپڑی غائب تھی اور وہ روشنی چھت کی طرف سے آ رہی تھی۔ سمن نے چھت کی طرف دیکھا تو بے اختیار اچھل پڑی۔ غار کی چھت سے سیاہ رنگ کی ایک بڑی سی چمگادڑ چپکی ہوئی تھی اور اس کے پروں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

"آؤ......" شنکر لال نے سمن کی طرف دیکھے بغیر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ دونوں غار کے دہانے سے باہر آئے۔ اس طرف ستاروں کی روشنی میں کھیت دکھائی دے رہے تھے۔ سامنے کی طرف کافی فاصلے پر چند روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں جو وہاں کسی آبادی کا پتا دے رہی تھیں۔

شنکر لال ان روشنیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ سمن اس سے ایک دو قدم پیچھے تھی اور دل ہی دل میں شکر کر رہی تھی کہ جنگل کے دہشتناک ماحول سے نجات مل گئی تھی جہاں سادھو گوپل اچاریہ کا راج تھا اور جس نے اسے بے آبرو کرنے کی کئی بار کوشش کی تھی مگر اس کے باپ شاستری کی ماورائی قوتوں نے ہر بار اس کی عزت بچائی تھی اور سادھو گوپل اچاریہ اپنے شیطانی ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

وہ کھیتوں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور روشنیاں قریب آتی جا رہی تھیں۔ تقریباً دس منٹ بعد کھیت ختم ہو گئے اور چند قدم کے فاصلے پر ایک بستی کے مکانات دکھائی دینے لگے۔ اس بستی کے گھروں میں بجلی کے بلب جل رہے تھے جس کا مطلب تھا قریب ہی کوئی شہر یا قصبہ واقع تھا۔ بستی کے بائیں جانب ایک بڑی اور مخروطی عمارت کا ہیولا نظر آ رہا تھا جو یقیناً کوئی مندر تھا۔ شنکر لال اس مندر کی طرف مڑ گیا اور جلد ہی وہ دونوں اس کے قریب پہنچ گئے۔

مندر کی عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی جو ستاروں کی مدھم روشنی میں بہت پُراسرار دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دائیں بائیں اور عقب میں گھنے درختوں کی بہتات تھی۔ سامنے کی طرف عمارت کا بڑا سا چوبی دروازہ بند پڑا تھا۔ مگر جونہی وہ دروازے کے پاس پہنچے دروازہ کھل گیا اور اندر چراغ کی ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دینے لگی۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" سمن نے شنکر لال سے پوچھا۔

"یہ لکشمی دیوی کا مندر ہے اور یہاں کا مہان پجاری میرا فرمانبردار ہے۔" شنکر لال بولا۔ "اسے ہنومان جی کی آشیرباد حاصل ہے اور وہ جب بھی چاہتا ہے ہنومان جی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ آؤ اندر چلیں کالی داس میرے استقبال کے لئے باہر نہیں آ سکتا۔" سمن اس کے پیچھے چلتی ہوئی مندر میں داخل ہو گئی۔ مندر اندر سے بہت وسیع تھا۔ وہ پوجا پاٹ والے حصے میں جا پہنچے۔ وہاں لکشمی دیوی کے علاوہ ہنومان کا بہت بڑا بت رکھا تھا اور اس کے سامنے ایک آدمی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ سر سے گنجا تھا مگر چندیا پر بالوں کی ایک لٹ موجود تھی اس کی کمر تک لمبی تھی۔ شاید وہ کالی داس تھا۔

"کالی داس۔ میں آ گیا ہوں۔" شنکر لال نے اس آدمی کو مخاطب کیا۔

اس کی آواز سن کر دیوتا کے بت کے سامنے بیٹھا شخص اٹھتا ہوا ان کی طرف پلٹا اور اس کی شکل دیکھ کر سمن خوف کی شدت سے کانپنے لگی۔ اتنا زیادہ خوفناک چہرہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ اس آدمی کی آنکھیں دائیں بائیں کھنچی ہوئی تھیں اور بھنویں کانوں کو چھو رہی تھیں۔ ناک طوطے کی چونچ کی طرح لمبی اور ہونٹوں پر جھکی ہوئی تھی جبکہ نچلا ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کی طرح ٹھوڑی تک لٹکا ہوا تھا جس کے سبب منہ میں نچلے دانتوں کی قطار مسوڑھوں سمیت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ صرف ایک تہبند باندھے

ہوئے تھا۔ پیٹ اندر کی طرف دھنسا ہوا تھا اور سینے کی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ پیشانی پر تلک تھا۔ بدن بظاہر انتہائی کمزور تھا اور جلد اتنی باریک اور پتلی گردن میں نرخرہ یوں نظر آ رہا تھا جیسے کوئی پائپ گلے پر ٹیپ سے چپکا دیا گیا ہو۔ چہرے کی رنگت حبشیوں کی طرح بالکل سیاہ تھی۔ شاید اسی وجہ سے اس کا نام کالی داس تھا لیکن عجیب بات تھی کہ گردن اور نیچے کا بدن تانبے جیسا سرخ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے گردن پر کسی حبشی کا چہرہ لگا دیا گیا ہو۔

اس نے دونوں ہاتھ باندھ کر شنکر لال کو پرنام کیا اور پھر اس کے منہ سے بلبلاہٹ جیسی آواز نکلی۔

''مہاراج! میں پرارتھنا میں تھا اس لئے دروازے تک نہ آ سکا۔ شما کر دیجئے۔''

''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم ہنومان جی کی سیوا میں مصروف ہو۔'' شنکر لال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کالی داس نے سمن کی طرف غور سے دیکھا جس پر اس کی لمبی آنکھیں قدرے سکڑ گئیں اور سمن نے خوف زدہ ہو کر تیزی سے شنکر لال کی پشت پر آڑ لے لی۔

''مہاراج۔ کیا یہی وہ ناری ہے جس کا آپ نے کہا تھا؟'' اس نے شنکر لال سے پوچھا۔

''ہاں...... یہ شاستری کی بیٹی سمن ہے۔'' شنکر لال نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ ''یہ تمہاری رکھشا میں رہے گی۔ جب تک میں اس کے باپ کو فنا نہ کر دوں تمہیں اس کی حفاظت کرنی ہے۔''

''آپ بے فکر ہو جائیں مہاراج۔ میرے جیتے جی اس کی طرف کوئی......'' کالی داس کہنے لگا۔

''نہیں۔'' شنکر لال نے تیزی سے اس کا جملہ قطع کر دیا۔ ''تم غلط سمجھے۔ اسے کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں بلکہ خطرہ تمہارے لئے ہے۔ اسے تم نے اپنی قید میں رکھنا ہے۔ اس کا باپ اسے آزاد کرانے کے لئے تمہیں اپنے حربوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا اور تمہیں اس کی ہر کوشش کو ناکام بنانا ہو گا۔''

''سمجھ گیا سرکار۔'' کالی داس نے سر ہلایا۔

''کیا سمجھ گئے؟'' شنکر لال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ آپ نے اسے یرغمال بنایا ہوا ہے تاکہ اس کا باپ شاستری آپ پر براہِ راست وار نہ کر سکے۔''

''بالکل...... اور سمجھو تمہارے پاس یہ میری امانت ہے۔ اسے مندر کے اندر ہر وہ سہولت دینا جو اس کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہو لیکن اپنی گرفت سے باہر مت نکلنے دینا ورنہ تمہاری خیر نہیں۔'' شنکر لال کا لہجہ ایکدم سخت ہو گیا۔ اگر یہ تمہارے قبضے سے نکل گئی تو میں تمہیں اپنا وفادار نہیں بلکہ غدار اور دشمن سمجھوں گا اور تمہیں بخوبی علم ہے کہ میں اپنے دشمنوں سے کتنا برا سلوک کرتا ہوں۔''

''چنتا مت کریں مہاراج۔'' کالی داس ہنسا۔ ''میں اس کا بال بھی آزاد نہیں ہونے دوں گا۔ باقی رہے

شاستری اور اس کے مددگار، ان کا تو میں وہ حشر کروں گا کہ ان کی روحیں بھی مجھ سے خوف کھایا کریں گی۔''

شنکر لال نے پلٹ کر سمن سے کہا۔ ''سمن فی الحال یہاں اطمینان سے رہو لیکن میرے آنے تک بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ کالی داس تم سے کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ یہ اس عمر میں بھی تم جیسی نوجوان لڑکیوں کی رغبت رکھتا ہے اور روزانہ ایک لڑکی اس کے بستر کی زینت بنتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے فرار کی کوشش پر یہ مشتعل ہو کر تمہاری آبرو ریزی کر ڈالے۔''

اس کی دھمکی سن کر سمن خوفزدہ ہو گئی۔ شنکر لال نے دوبارہ کالی داس کی طرف دیکھا تو کالی داس جلدی سے بولا۔ ''مہاراج۔ بیٹھیں نا۔ میں آپ کی سیوا کرنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں کالی داس۔ مجھے ابھی جانا ہے۔ رشی سوبھراج کی موت بھگوان نے میرے ہاتھ پر لکھ دی ہے۔'' وہ غرایا۔ ''اس نے کلکتہ میں میرے آدمی انت دیو سے ایک لڑکی چھین لی ہے اور میں اسے بھیانک سزا دیئے بغیر چین سے نہیں رہ سکتا۔''

پھر وہ پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد کالی داس اپنی خوفناک آنکھوں سے سمن کو گھورنے لگا۔

☆☆☆

ٹرین کا راستے میں رکنا اگرچہ کوئی نئی بات نہ تھی لیکن اچانک تیز رفتاری کے دوران اس کا رکنا کسی ہنگامی حالت کو ظاہر کر رہا تھا اور ایمرجنسی بریک لگائی گئی تھی جو عام طور پر کسی خرابی کے سبب یا پھر زنجیر کھینچنے کا سبب ہوتی ہے۔ مسافر بریک لگنے سے فکرمند نظر آنے لگے تھے۔ انسپکٹر دروازے میں جھکا انجن کی سمت دیکھ رہا تھا۔ عادل نے زنجیر سے نگاہیں ہٹالی تھیں اور حالات سے لاتعلق دکھائی دے رہا تھا۔

چند سیکنڈ بعد ٹرین مکمل طور پر رک گئی اور دروازوں میں کھڑے کئی مسافر نیچے اتر گئے۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ٹرین کا گارڈ دروازے میں چڑھتا دکھائی دیا۔ وہ کافی بھاری بھرکم تھا اور ہانپ رہا تھا۔ شاید دوڑتا ہوا آیا تھا۔

''کیا بات ہے۔ گاڑی کیوں رک گئی؟'' انسپکٹر نے دروازے سے پیچھے ہٹتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کسی مسافر نے اس بوگی میں سے زنجیر کھینچی ہے۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

اس کی بات سن کر قریبی مسافروں نے بے اختیار زنجیر کی طرف دیکھا تو وہ کھینچی ہوئی حالت میں تھی مگر کوئی نہ جانتا تھا کہ اسے کس نے کھینچا ہے۔ پھر گارڈ کی بھی اس پر نظر پڑ گئی۔

''یہ زنجیر کس نے کھینچی ہے؟'' اس نے زنجیر کے پاس بیٹھے دو مسافروں کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''ہمیں کیا پتا۔'' ایک مسافر نے جلدی سے کہا۔ ''ہم نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔''

گارڈ نے آگے بڑھ کر زنجیر بند کی اور غصیلے لہجے میں بولا۔ ''کمال ہے آپ کے قریب سے زنجیر کھینچی گئی ہے اور آپ نے کھینچنے والے کو دیکھا ہی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے آپ دونوں میں سے کسی نے یہ حرکت کی ہے اور آپ کو جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔''

''آپ خواہ مخواہ الزام لگا رہے ہیں۔'' دوسرا مسافر منہ بنا کر بولا۔ ''ہم دونوں میں سے کسی نے زنجیر نہیں کھینچی۔''

اتنے میں ریلوے پولیس کے دو سپاہی اوپر چڑھ آئے۔ گارڈ نے ان کی طرف دیکھا اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔ ''ان دونوں کو حراست میں لے لو اور اسٹیشن پر اتار لینا۔ انہی میں سے ایک نے زنجیر کھینچی ہے ان سے جرمانہ وصول کیا جائے گا۔''

''یوں کہو نا کہ اپنی جیب گرم کرنا چاہتے ہو۔'' ایک مسافر نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور جیب سے پرس نکال لیا۔ ''بولو کتنا جرمانہ ہے؟''

''پچاس روپے......'' گارڈ اس کے الزام پر اور برہم ہو گیا۔

مسافر نے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر اس کے حوالے کیا تو گارڈ نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا ''آئندہ بلاضرورت ٹرین رکوائی تو بھاری جرمانے کے ساتھ قید کی سزا بھی ملے گی۔ سمجھے؟''

پھر وہ پولیس اہلکاروں کے ہمراہ ٹرین سے اتر گیا۔ چند لمحوں بعد ٹرین نے وسل دی اور باہر کھڑے مسافر تیزی سے سوار ہو گئے۔ ٹرین حرکت میں آ کر رینگنے لگی۔ اس سارے جھگڑے کے دوران عادل کے بازوؤں پر انسپکٹر کے ساتھیوں کی گرفت نرم ہو گئی اور وہ گارڈ کی طرف متوجہ رہے۔ چنانچہ جونہی ٹرین نے رینگنا شروع کیا تو عادل نے وہ حرکت کر ڈالی جس کے لئے اس نے اپنی ساحرانہ قوت سے زنجیر کھینچی تھی۔ اس وقت انسپکٹر دروازے میں کھڑا باہر جھانک رہا تھا۔ عادل نے ایک دم جھٹکا دے کر سپاہیوں سے بازو چھڑاتے ہوئے انسپکٹر کی کمر پر لات رسید کی اور لپک کر دروازے کے بیرونی ہینڈل سے لٹک گیا۔

دونوں سپاہی بوکھلا گئے اور ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی عادل نے انجن کی سمت رخ کرتے ہوئے چھلانگ لگا دی۔ بوگی میں شور مچ گیا تھا۔ انسپکٹر منہ کے بل نیچے جا گرا تھا اور ابھی تک نہیں اٹھا تھا جبکہ عادل اس سے بیس پچیس قدم آگے اس طرح آ گرا کہ اسے کوئی چوٹ نہ آئی اور وہ فوراً ہی اٹھ کر ریلوے لائن کے مخالف سمت میں دوڑ پڑا۔

دوڑتے دوڑتے اس نے پلٹ کر دیکھا۔ دونوں سپاہیوں میں سے ایک اس جگہ سے پچیس تیس … آگے اترا تھا اور عادل کی طرف آنے کی بجائے انسپکٹر کی طرف دوڑ رہا تھا جو ابھی تک اپنی جگہ پڑا … یقیناً اسے گہری چوٹیں آئی تھیں۔ یہ صورتحال عادل کے لئے اطمینان بخش تھی۔ وہ رکے بغیر دوڑتا ہوا

ٹیلے کی آڑ میں پہنچا اور پھر اس کی سیدھ میں جنگل کی طرف دوڑنے لگا۔ جلد ہی وہ جنگل کے ابتدائی درختوں کے پاس جا پہنچا۔ وہاں رک کر اس نے ٹرین کی سمت دیکھا تو وہ ایک ڈیڑھ میل دور رک چکی تھی۔

یہاں ٹھہرے رہنے میں خطرہ تھا کہ جلد ہی پولیس کی بھاری نفری اس کی تلاش کیلئے یہاں پہنچ جائے گی وہ جنگل میں داخل ہوا اور تیزی سے اسی سمت بڑھنے لگا جس طرف ٹرین کا رخ تھا۔ اس طرح وہ اس مقام سے دور ہونے لگا جہاں اسے تلاش کرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ یہاں درخت زیادہ گھنے نہیں تھے اور وہ ٹرین کو بخوبی دیکھ رہا تھا لیکن ابھی وہ ایک فرلانگ بھی نہ چل پایا تھا کہ ٹرین روانہ ہو گئی۔ اس کی روانگی سے عادل کو کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ تو جائے وقوعہ سے دور ہونا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس جگہ کے قریب جا پہنچا جہاں ٹرین چند منٹ تک رکی رہی تھی۔ تب وہ درختوں سے نکل کر ریلوے لائن کی طرف چل دیا۔ لائن پر رک کر اس نے دوسری طرف کا جائزہ لیا۔ کچھ فاصلے پر ایک آبادی کی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ لائن عبور کر کے اس آبادی کی طرف بڑھنے لگا۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ چھوٹے سے گاؤں میں جا پہنچا۔ وہاں سے معلوم کرنے پر پتا چلا کہ گاؤں سے دو فرلانگ آگے پختہ سڑک ہے۔ وہ سڑک ایک بڑے قصبے کو جاتی تھی جہاں سے دہلی اور کلکتہ کی سمتوں میں لاریاں جاتی تھیں۔ چنانچہ وہاں سے نکل کر سڑک پر پہنچا اور چند منٹ بعد ہی اسے قصبہ جانے والی ایک لاری مل گئی۔ قصبہ پہنچ کر اس نے بازار سے ریڈی میڈ لباس خریدا اور ایک حمام میں لباس تبدیل کر کے پہلا لباس وہیں چھوڑ دیا۔ پھر ایک ہوٹل سے کھانا کھانے کے بعد لاری اڈے پر جا پہنچا اور ایک طرف رک کر چند لمحے تک سوچتا رہا کہ واپس دہلی جائے یا کلکتہ۔

☆☆☆

چند منٹ بعد رشی سوبھراج اپنے عمل سے فارغ ہوا اور رخسانہ کی طرف دیکھ کر نرمی سے بولا۔ ''قریب آ جاؤ۔''

رخسانہ اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی اور سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ رشی سوبھراج ایک لمحے کے توقف کے بعد کہنے لگا۔ ''تھوڑی دیر پہلے مجھے مہاراج شاستری کی طرف سے پیغام ملا ہے کہ تمہیں واپس تمہارے ملک یعنی کراچی پہنچا دوں کیونکہ تمہارا یہاں کوئی کام ہے نہ کوئی مصرف۔ تمہاری وجہ سے مہاراج کو بیک وقت دو محاذوں پر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اور وہ اپنی بیٹی سمن کی بازیابی کے معاملہ پر پوری توجہ نہیں دے پا رہا۔ پھر تمہاری زندگی کو بھی مسلسل خطرہ لاحق ہے۔ اگرچہ تمہاری حفاظت کا یہاں خاطر خواہ انتظام ہے لیکن دشمن کو بھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ کسی وقت بھی شنکر لال کا داؤ کامیاب ہو سکتا ہے۔ میری بات سمجھ آ رہی ہے نا؟''

رخسانہ نے بولنے کی بجائے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ رشی سوبھراج دوبارہ گویا ہوا۔ ''دوپہر کے بعد میں تمہیں روانہ کردوں گا۔''

''اوہ۔ کیا آپ ساتھ نہیں چلیں گے؟'' رخسانہ گھبرا کر بولی۔

''نہیں۔ میرا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''لیکن تم چنتا مت کرو۔ میں نے اپنا ایک خاص آدمی طلب کیا ہے جو دوپہر تک یہاں پہنچ جائے گا۔ وہ تمہارے ساتھ دہلی تک جائے گا اور وہاں سے تمہیں امرتسر جانے والی گاڑی پر بٹھا دے گا امرتسر سے تم بارڈر پر جانے والی لاری میں سوار ہو جانا۔ بارڈر پر مہاراج شاستری کا کوئی سیوک تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں بارڈر کراس کرا دے گا۔ وہاں سے آگے تمہارے لئے کوئی مسئلہ نہیں کیونکہ تمہارا اپنا ملک ہوگا۔''

رشی سوبھراج چند لمحوں تک اسے سفر کا طریقہ کار سمجھاتا رہا۔ ''اب تم جا کر آرام کرلو کیونکہ تمہیں بہت سفر کرنا ہے۔''

رخسانہ اٹھ کر کمرے میں آئی اور کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ عادل سے ملے بغیر اس کا واپس پاکستان جانا عادل سے بے وفائی ہے۔ اسے رشی سوبھراج کو صاف صاف بتا دینا چاہیے کہ وہ اس شخص کے بغیر پاکستان نہیں جانا چاہتی جس کی چاہت میں اس نے سوامی راج کپور اور اس کے گرگوں کی زیادتیاں برداشت کی ہیں اور بے سکون رہی ہے، لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے رشی سو بھراج کو کیا غرض وہ تو وہی کرے گا جو اسے شاستری کی طرف سے حکم ملا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت تھی کہ محض اس کی وجہ سے شاستری کو پریشان ہونا پڑ رہا ہے۔ اس لئے اسے دل پر پتھر رکھ کر اس امید پر پاکستان چلے جانا چاہیے کہ نصیب میں ہوا تو اسے زندگی میں کبھی نہ کبھی اس کا پیار مل جائے گا۔

بیٹھے بیٹھے وہ تھک کر بستر پر آلیٹی اور سو گئی۔ دوبارہ جاگی تو دوپہر ہو چکی تھی اور میز پر اس کے لئے کھانا موجود تھا۔ وہ کھانے سے فارغ ہوئی اور کمرے سے نکل کر پوجا پاٹ والے حصے میں آئی تو وہاں رشی سوبھراج کے پاس ایک ادھیڑ عمر اور مدقوق سا آدمی مؤدبانہ انداز میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ رشی سوبھراج کے اشارے پر وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''یہ چھوٹو رام ہے۔'' رشی سوبھراج نے اس آدمی کا تعاف کرایا۔ ''یہ تمہارے ساتھ جائے گا۔''

رخسانہ نے غور سے چھوٹو رام کا جائزہ لیا اور سوچنے لگی کہ یہ کمزور بوڑھا اس کی حفاظت کیسے کر سکے گا سوامی راج کپور اور اننت دیو جیسے طاقتور اور خوفناک دشمنوں سے اسے کیسے بچا سکے گا۔ اسے سوچ میں پا کر شاید رشی سوبھراج نے اس کے خیالات کا اندازہ لگا لیا۔

''اسے کمزور مت سمجھنا۔'' رشی سوبھراج مسکرایا۔ ''یہ مہان شکتی کا مالک ہے جو اس نے چالیس سال

یہ اگنی کنڈل میں شیوجی کے پاٹھ میں گزار کر حاصل کی ہے۔ اس لئے میں نے تمہاری مدد کے لئے اسے میسور سے بلوایا ہے اور یہ سینکڑوں میل کا فاصلہ چند گھنٹوں میں طے کر کے یہاں پہنچا ہے۔ البتہ حفاظتی تدبیر کے طور پر تمہیں اپنا حلیہ بدلنا ہوگا تاکہ تمہیں اس کے ساتھ دیکھ کر کوئی شک نہ کر سکے۔''

''اگر سیاہ رنگ کا برقع مل جائے تو......'' رخسانہ نے کہنا چاہا مگر رشی سوبھراج نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''نہیں نہیں۔ اس طرح تو تم جلدی پہچان لی جاؤں گی کہ تم مسلمان ہو۔ اس کی بجائے تمہیں ہندو لڑکی بننا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔'' رخسانہ نے سر ہلایا۔

اس گفتگو کے ایک گھنٹہ بعد رخسانہ اور چھوٹو رام وہاں سے روانہ ہوئے تو رخسانہ ایک عام ہندو عورت دکھائی دے رہی تھی۔ پیشانی پر بندیا اور لباس میں سوتی پھولدار ساڑھی اور پلین بلاؤز کے استعمال نے اس کی شخصیت کو کافی حد تک بدل ڈالا تھا۔ چھوٹو رام کے ساتھ وہ تقریباً نصف میل کے فاصلے پر شہر کو جانے والی سڑک پر پہنچے جہاں سے انہیں ایک لاری مل گئی۔ وہ دونوں لاری میں سوار ہوئے اور ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد شہر پہنچ گئے لیکن شہر میں داخل ہونے کی بجائے چھوٹو رام باہر ہی ایک چورستہ پر رک گیا۔

''شہر سے لاریاں پہلے یہاں آتی ہیں اور پھر کلکتہ یا دہلی کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔'' چھوٹو رام نے بتایا۔ ''ہم یہیں سے سوار ہوں گے۔''

''میں تو تھک گئی ہوں۔'' رخسانہ نے کہا۔ ''یہاں بیٹھنے کے لئے کوئی مناسب جگہ نہیں ہے؟''

''بے فکر رہو۔ جلد ہی لاری آجائے گی۔ کلکتہ سے آنے والی کسی لاری میں خالی سیٹ ہوئی تو اسی میں بیٹھ جائیں گے۔''

رخسانہ کچھ نہ بولی۔ دو منٹ بعد ہی کلکتہ کی سمت سے ایک لاری آگئی۔ چھوٹو رام نے ہاتھ لہرایا اور لاری ان کے سامنے آرکی۔ وہ دونوں اس میں سوار ہو گئے اس میں چند نشستیں خالی تھیں۔ وہ دونوں ایک نشست پر بیٹھ گئے۔ کنڈیکٹر کے آنے پر چھوٹو رام نے اسے اپنی منزل بتائی تو کنڈیکٹر بولا۔

''یہ بس ڈائریکٹ دہلی نہیں جائے گی۔ اگلے شہر میں آپ کو دہلی جانے والی لاری میں بٹھا دیا جائے گا۔ وہ بھی ہماری کمپنی کی لاری ہے۔'' چنانچہ دو گھنٹے بعد لاری ایک شہر کے جنرل بس اسٹینڈ پر پہنچی۔ وہاں دہلی جانے والی ایک لاری روانہ ہونے والی تھی۔ وہ دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ لاری میں چھوٹو رام کو سب سے آخری سیٹ ملی جبکہ رخسانہ فرنٹ سیٹ پر ایک بڑھیا کے ساتھ بیٹھ گئی۔ لاری روانہ ہوئی تو رخسانہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اچانک اس کی نظر ڈرائیور کی عقبی نشست پر بیٹھے دو مسافروں پر پڑی اور ان

میں سے ایک کو دیکھ کر رخسانہ بے اختیار چونک پڑی۔ وہ آدمی بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

کالی داس کے اس طرح دیکھنے پر سمن کا دل خوف سے لرزنے لگا۔ ایک تو اس کی آنکھیں ہی خوفناک تھیں پھر اس کے گھورنے کے انداز سے وہ گھبرا گئی تھی۔

''سمن۔'' کالی داس چند لمحوں بعد بلبلانے کے انداز میں بولا۔ ''تم نے سن لیا کہ میرے گرو نے تمہارے متعلق کتنی سخت ہدایات دی ہیں، بظاہر میری تمہارے ساتھ ذاتی طور پر کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن اپنے گرو کے احکامات پر عمل کرنا میرا فرض ہے۔ چنانچہ اس معاملے میں مجھ سے کسی نرمی کی توقع مت رکھنا۔ یہاں سے بھاگنے کی تمہاری کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اس مندر کے باہر میری غلام روحیں پہرہ دیتی ہیں اور میری مرضی کے بغیر نہ تو کوئی اندر داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی باہر جا سکتا ہے۔ البتہ مندر کے اندر تمہیں گھومنے پھرنے کی آزادی ہے۔''

''میرے رہنے کے لئے کوئی جگہ الگ ہے یا اسی کمرے میں مجھے سونا ہے؟'' سمن نے پوچھا۔

''ہاں۔۔ میرے ساتھ آؤ۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

وہ ہنومان کے بت کی طرف بڑھا اور سمن اس کے پیچھے چل دی۔ بت کے عقب میں ایک دروازہ تھا۔ وہ اس میں داخل ہوئے۔ یہ ایک راہداری تھی جس میں متعدد کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ کالی داس آخری دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھول کر سمن سے بولا۔ ''تم اس کمرے میں رہو گی۔ تمہیں کھانا وغیرہ یہیں پر ملا کرے گا۔ اس کے علاوہ تمہاری نقل و حرکت پر میری نادیدہ طاقتوں کی نظر رہے گی اور مجھے خبر ملتی رہے گی۔ میں اپنے آشرم میں رہوں یا اس جگہ پر، تمہاری طرف سے غافل نہیں رہوں گا۔''

سمن کمرے میں داخل ہوئی۔ اندر طاقچے میں چراغ جل رہا تھا۔ بائیں طرف دیوار میں ایک کھڑکی تھی جو بند نظر آ رہی تھی۔ فرش پر ایک چٹائی کے سوا وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ وہ چٹائی پر بیٹھ گئی جبکہ کالی داس دروازے میں کھڑا رہا۔

''تمہارے لئے کھانا بھجوا دیتا ہوں لیکن کھانا لانے والے سے زیادہ گفتگو مت کرنا۔'' وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا دوبارہ کہنے لگا۔ ''کسی چیز کی طلب ہو تو اس سے کہہ دینا وہ لا دے گا۔ صبح ہونے والی ہے مجھے بھی آرام کرنا ہے۔ اب دوپہر کے کھانے پر تم سے ملاقات ہوگی۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹا اور دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ سمن کو بھوک لگی ہوئی تھی۔ وہ بے تابی سے کھانے کا انتظار کرنے لگی۔ پانچ چھ منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک بدصورت سا آدمی اندر آیا۔ وہ شکل و حلیہ سے مندر کا کوئی پجاری معلوم ہوتا تھا۔ اس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح بالوں سے بے نیاز تھا اور قد چار فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ وہ کھانا لایا تھا۔ اس آدمی

نے غور سے سمن کو دیکھتے ہوئے کھانا اس کے قریب چٹائی پر رکھا اور پیچھے ہٹ کر بولا۔ ''کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو۔''

''نہیں مگر تم کون ہو اور یہ مندر کس علاقے میں ہے؟'' سمن نے پوچھا۔

''میرا نام آنند ہے اور میں گرو کالی داس کا ادنیٰ سا خدمت گار ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں تیسرے کمرے میں رہتا ہوں۔'' اس کے جانے کے بعد سمن نے کھانا کھایا اور چٹائی پر دراز ہو کر سوچنے لگی کہ آنند سے دن کے وقت مندر کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرے گی اور پھر وہاں سے بھاگنے کا پروگرام بنائے گی۔ انہی سوچوں میں اسے نیند نے آ لیا اور وہ سو گئی۔ دوسری صبح آنند نے ہی اسے جگایا تھا۔ وہ اس کے لئے ناشتا لایا تھا لیکن اس کی نگاہوں کا مرکز سمن کا بدن تھا۔ سمن نے اس کی نگاہوں میں چھپی حرص محسوس کی اور مسکرانے لگی۔

''آنند آؤ تم بھی کھا لو۔'' اس نے پیشکش کی۔

''میں ناشتا کر چکا ہوں۔'' جواب میں وہ بھی مسکرا دیا۔

''کالی داس کہاں ہے؟'' سمن نے پوچھا۔ ''سنا ہے اس کا کوئی آشرم بھی ہے۔''

''ہاں، اس وقت وہ آشرم میں ہوتا ہے۔ دوپہر کے وقت مندر میں آتا ہے۔ کوئی کام ہو تو مجھے بتاؤ۔''

''فی الحال تو مجھ سے صرف باتیں کرو۔ تم بہت خوبصورت اور طاقتور آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

اپنی تعریف سن کر آنند نے باچھیں پھیلا دیں۔ ''تم بھی ہزاروں میں ایک ہو سمن۔''

''مگر میں تمہارے مقابلے میں اتنی خوبصورت نہیں ہوں۔ میں تم سے زیادہ خوبصورت ہوتی تو اب تک تم جیسے کسی جوان سے شادی کر چکی ہوتی۔''

''اوہ۔ تو کیا تم کنواری ہو؟'' آنند چونک پڑا۔

''ہاں۔ کنواری نہ ہوتی تو آج یہاں قید میں نہ ہوتی۔'' وہ ناشتا کرنے لگی۔ ''بیٹھ جاؤ نا۔''

اس کے پیار بھرے انداز پر آنند خوش نظر آنے لگا۔ وہ بیٹھ گیا۔ سمن ناشتا کرنے کے دوران اس سے دل لبھانے والی باتیں کرتی رہی۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور آنند نے اسے شادی کی پیشکش کر دی۔

''کیوں مصیبت میں پڑتے ہو۔ کالی داس کو پتا چل گیا تو وہ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔'' سمن نے خوف ظاہر کیا۔

''اگر تم راضی ہو تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ ہم کسی دور دراز کے شہر میں جا کر رہیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' سمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس کی غلام روحیں مندر کے گرد پہرہ دیتی ہیں،

وہ ہمیں جانے دیں گی؟''

''روحیں سورج غروب ہونے کے بعد صبح سورج نکلنے تک پہرہ دیتی ہیں۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

سمن نے زادِراہ کے متعلق پوچھا تو آنند نے کہا۔''مندر میں کافی سونا چاندی موجود ہے۔ ہم شہر پہنچتے ہی اسے بیچ کر نقدی حاصل کر لیں گے۔ پھر وہاں سے جونپور یا امرتسر چلے جائیں گے جہاں میری نانی رہتی ہے۔''

پروگرام طے ہو گیا۔ کالی داس کے آنے میں ابھی چار گھنٹے پڑے تھے۔ آنند نے اپنا حلیہ بدلا اور سیر ڈیڑھ سیر سونا ایک تھیلی میں ڈال لیا۔ پھر سمن کے ساتھ مندر سے نکل کر وہ گاؤں کی مخالف سمت چل پڑا۔ پندرہ منٹ بعد وہ ایک سڑک پر پہنچے اور اس پر سفر کرتے ہوئے ایک گھنٹہ بعد شہر جا پہنچے۔ شہر میں ایک سنار کی دکان پر آنند نے تھوڑا سا سونا فروخت کیا اور دس ہزار روپے حاصل کر لئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک تیز رفتار کوچ میں سفر کر رہے تھے۔ ان کی منزل سرِدست امرتسر تھی اور دہلی سے انہوں نے امرتسر جانے والی ٹرین پکڑنا تھی۔

سمن بہت خوش تھی کہ کالی داس کی گرفت سے آزاد ہو گئی تھی اور اس میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ امرتسر پہنچ کر آنند سے پیچھا چھڑائے گی اور وہاں سے اپنے ملک جانے کی کوشش کرے گی۔ اس کے اندازے کے مطابق اس کا باپ ان دنوں دہلی میں تھا اور امید تھی کہ اسے بھی جلد ہی اس کی آزادی کی خبر مل جائے گی۔ اس لئے امکان تھا کہ دہلی میں ہی شاستری بابا اس سے رابطہ قائم کر کے اسے اپنے پاس بلا لے گا۔ تین گھنٹے بعد کوچ دہلی کے نواحی علاقے میں پہنچی تو سمن کو یقین ہو گیا کہ اب شنکر لال اور کالی داس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔

لیکن اچانک ہی کوچ لڑکھڑانے لگی۔ ڈرائیور نے کوچ روک دی اور کنڈیکٹر نے اتر کر ٹائروں کا جائزہ لیا۔ ایک ٹائر کی ہوا نکل گئی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو بتایا پھر دونوں مل کر ٹائر تبدیل کرنے لگے۔ مسافر کوچ سے اتر کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ آنند اور سمن بھی اترے اور ایک درخت کے سائے میں کھڑے ہو گئے۔ چند لمحوں بعد آنند اسے تنہا چھوڑ کر رفع حاجت کے لئے درختوں کے عقب میں چلا گیا۔ سمن کے آس پاس کوئی نہ تھا۔ آنند کو گئے ایک منٹ ہی گزرا تھا کہ اچانک ہی درختوں کے عقب سے کربناک چیخیں بلند ہونے لگیں۔ چیخیں سن کر سمن نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا اور خوف سے اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ آنند چیختا ہوا بھاگا چلا آ رہا تھا اور اس کے دونوں بازو کندھوں سے کٹے ہوئے نیچے لٹک رہے تھے۔

☆☆☆

اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کرتا، ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور کاغذ کا ایک پرزہ اڑتا ہوا اس کی قمیض سے آ چپکا۔ عادل نے بے خیالی میں اس کاغذ کی طرف دیکھا اور بے اختیار چونک پڑا۔ یہ بالکل ویسا ہی کاغذ تھا جیسا دہلی میں سوما کے فلیٹ میں ایش ٹرے کے نیچے دبا ہوا ملا تھا۔ اس نے جلدی سے کاغذ کا وہ ٹکڑا قمیض سے الگ کر کے پلٹا تو اس پر لکھی تحریر کو فوراً پہچان گیا۔

''آگرہ جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ شنکر لال نے سمن کو بھدرا دیوی کی سمادھی والے جنگل سے نکال کر اپنے ایک گرگے کالی داس کی تحویل میں دے دیا تھا مگر کالی داس کی غیر موجودگی میں سمن نے اس کے ایک آدمی آنند کو شادی کا جھانسا دے کر آزادی حاصل کر لی ہے اور آنند اسے دہلی کی طرف لے جا رہا ہے تا کہ وہاں سے امرتسر پہنچ کر سمن سے شادی کرے۔ اس لئے تم فوراً دہلی روانہ ہو جاؤ اور وہاں سمن کا انتظار کرو۔ اب میں شنکر لال سے کھل کر مقابلہ کر سکوں گا۔ سمن کی حفاظت اب تمہاری ذمہ داری ہے۔''

شاستری بابا کا پیغام پڑھ کر عادل نے گہرا سانس لیا اور دہلی جانے والی گاڑیوں کے اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ لاری میں بیٹھا دہلی کی طرف گامزن تھا۔ کافی طویل سفر تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ اگر سمن اس سے پہلے دہلی پہنچ کر امرتسر کو روانہ ہو گئی تو وہ اس سے نہیں مل سکے گا۔ سمن سے ملنے کیلئے ضروری تھا کہ وہ سمن سے پہلے دہلی پہنچتا اور شہر سے باہر رک کر اس کا انتظار کرتا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اگر وہ سمن سے پہلے وہاں پہنچ بھی گیا تو کس راستے پر اس کا انتظار کرے گا؟ دہلی سے کئی راستے دوسرے شہروں کو جاتے تھے اور شاستری نے یہ نہیں بتایا تھا کہ سمن کس راستے سے شہر میں داخل ہو گی۔

ٹرین سے فرار اور بھاگ دوڑ سے پیدا ہونے والی تھکاوٹ نے اس کے اعصاب پر سستی طاری کر دی تھی چنانچہ وہ سیٹ پر بیٹھا بیٹھا سو گیا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تو لاری کسی شہر سے گزر رہی تھی۔ چند منٹ بعد لاری شہر سے باہر ایک چیک پوسٹ پر پہنچی تو وہ ہوشیار ہو گیا۔ وہ بلدیہ کی چونگی تھی مگر وہاں ایک پولیس موبائل کھڑی تھی اور پولیس اہلکار ایک کوچ کے قریب کھڑے تھے۔ کوچ سے مسافر اتر رہے تھے اور دو سپاہی ہر مسافر کی جامہ تلاشی لے رہے تھے۔ ایک سپاہی سڑک کے وسط میں کھڑا بس کو رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

''یہ تلاشی کیوں لی جا رہی ہے؟'' عادل نے اپنے ساتھ بیٹھے مسافر سے پوچھا۔

''شاید کسی مجرم یا اسلحہ کی بازیابی کا معاملہ ہے۔'' مسافر نے اپنا اندازہ بتایا۔

''بھیا۔ یہ لوگ کمائی کیلئے خواہ مخواہ مسافروں کو تنگ کرتے ہیں۔'' قریبی سیٹ پر بیٹھے شخص نے منہ بنا کر کہا۔

''ہو سکتا ہے کسی ڈاکو یا اسمگلر کی تلاش ہو انہیں۔'' عادل کے ساتھی مسافر نے کہا۔''اس روڈ پر اکثر

وارداتیں ہوتی ہیں۔ ڈاکو مسافروں کے بھیس میں ہوتے ہیں اور ویران جگہ پر پہنچ کر مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔''

بس آگے کھڑی کوچ سے چند قدم پیچھے رک گئی۔ عادل کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ معاملہ ڈاکوؤں کا نہیں کچھ اور ہی ہے۔

''سب لوگ آرام سے بیٹھے رہیں۔'' روکنے والے سپاہی نے دروازے میں آ کر کہا۔ ''کوچ سے فارغ ہو کر گاڑی کو چیک کیا جائے گا۔'' پھر وہ سپاہی واپس کوچ کی طرف بڑھ گیا جس کے بارہ مسافر تلاشی دینے کے بعد ایک طرف کھڑے تھے۔ بس کا ڈرائیور نیچے اتر گیا تھا۔ عادل نے سوچا کہ بس میں بیٹھے رہنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اٹھا اور بس سے اتر آیا۔ وہ سپاہی جس نے بس رکوائی تھی کوچ کے پچھلے حصے کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے عادل کو دیکھا تو خطرناک تیوروں کے ساتھ تیزی سے عادل کی طرف بڑھا۔ عادل نے فوراً جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر کھولا اور ایک سگریٹ اپنے ہونٹوں میں دبا لیا۔ اسی لمحے سپاہی اس کے قریب پہنچا اور اس نے پیکٹ سپاہی کی طرف بڑھا دیا۔

''لیجیے سر۔ شوق فرمائیے'' اس نے بڑی لاپروائی کے انداز میں دعوت دی۔

سپاہی ایک لمحے کیلئے جھجکا پھر پیکٹ سے سگریٹ نکالتا ہوا بولا۔ ''آپ گاڑی سے کیوں اتر آئے؟''

''آپ خفا ہوتے ہیں تو واپس چلا جاتا ہوں صاحب۔'' عادل نے لائٹر سے اس کا سگریٹ سلگاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ ''دراصل پیشاب تنگ کر رہا تھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو فارغ ہو لوں۔''

سپاہی نے پلٹ کر کوچ کی طرف دیکھا جہاں انسپکٹر کھڑا کوچ سے اترنے والے مسافروں کو غور سے دیکھ رہا تھا پھر بولا۔ ''جلدی آ جانا۔ کہیں میرا افسر دیکھ نہ لے۔''

''یہ ذرا پیکٹ رکھیے، کہیں گر نہ جائے۔'' عادل نے سگریٹ کا پیکٹ اسے تھما دیا۔ ''ویسے مسئلہ کیا ہے؟ کیا کسی اسمگلر یا ڈاکو......؟''

''نہیں، ایک مفرور قاتل کی تلاش ہے جو صبح ٹرین سے ایک تھانیدار کو گرا کر بھاگ گیا تھا۔'' سپاہی نے تیزی سے اس کا جملہ قطع کرتے ہوئے بتایا۔ عادل نے کوئی تاثر ظاہر نہ کیا اور سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتا ہوا سڑک کے کنارے واقع درختوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ پولیس کو اسی کی تلاش تھی اور یقیناً اس کے دشمن نے مخبری کی تھی کہ وہ بس کے ذریعے یہاں سے گزرے گا ورنہ وہ جہاں ٹرین سے فرار ہوا تھا وہ مقام یہاں سے سو ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر تھا۔

درختوں کے عقب دور تک گھنی قد آدم جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس طرف پہنچتے ہی وہ تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔ سڑک کی مخالف سمت میں پچیس تیس قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے سڑک کی

طرف دیکھا تو راستے میں حائل جھاڑیوں اور گنجان درختوں کے سبب سڑک کا منظر نہ دکھائی دیا۔ تب وہ سڑک کے متوازی چلنے لگا۔ جھاڑیوں کی آڑ میں چلتا ہوا وہ چیک پوسٹ سے تقریباً دو سو گز آگے نکل گیا۔ پھر سڑک کی طرف پلٹ گیا۔ وہ سڑک پر پہنچا اور دوسرے ہاتھ پر واقع درختوں کی آڑ میں رک کر چیک پوسٹ کی سمت دیکھنے لگا چند لمحوں بعد وہاں کھڑی کوچ حرکت میں آئی اور اس کی سمت بڑھنے لگی۔ جونہی وہ قریب پہنچی اس نے تیزی سے درخت کی آڑ سے نکل کر ہاتھ لہرایا اور کوچ بریک لگاتی ہوئی اس سے چند قدم آگے جا رکی۔ عادل دوڑ کر اس میں سوار ہو گیا۔

''ادھر ایک سیٹ خالی ہے۔'' کنڈیکٹر نے دروازہ بند کر کے ڈرائیور کی عقبی نشست کی طرف اشارہ کیا۔ ''کہاں جانا ہے؟''

عادل نے منزل بتا کر ٹکٹ لیا اور خالی سیٹ پر جا بیٹھا۔ سفر پھر شروع ہوا لیکن وہ مطمئن نہ تھا۔ خدشہ تھا کہ اگلے شہر میں بھی کوئی پولیس پارٹی اس کا انتظار کر رہی ہو گی۔ ایک گھنٹہ بعد کوچ شہر میں داخل ہوئی اور لاری اڈے کے باہر ہی رک گئی۔ یہاں ایک ریسٹورنٹ تھا اور کوچ نے چند منٹ رکنا تھا تاکہ مسافر چائے وغیرہ پی سکیں اور نئے مسافر سوار ہوں۔ عادل نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کوچ کو چھوڑ دے گا۔ چنانچہ وہ اتر آیا۔ لاری اڈے سے ایک بس نکل کر اس طرف آ رہی تھی۔ عادل نے اشارہ کیا اور بس اس کے پاس آ رکی۔ وہ اس میں سوار ہوا تو خوش قسمتی سے ڈرائیور کی عقبی نشست پر صرف دو مسافر بیٹھے تھے اور ایک سیٹ خالی تھی۔ وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔ کنڈیکٹر آیا تو اس نے دہلی کی بجائے اگلے شہر کا ٹکٹ لے لیا۔ پولیس کے خطرے کے پیش نظر اس نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ گاڑیاں بدل بدل کر سفر کیا جائے۔

بس شہری حدود سے نکل کر ایک چورنگی پر پہنچی وہاں سے چند مسافر سوار ہوئے جن میں ایک عورت بھی شامل تھی۔ وہ ڈرائیور کے بائیں ہاتھ فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی جہاں ایک بڑھیا پہلے سے موجود تھی۔ عادل نے یونہی سرسری طور پر اس نئی مسافر کی طرف دیکھا اور بے اختیار چونک پڑا۔ وہ ساڑھی میں ملبوس ایک دیہاتی عورت تھی لیکن اس کے رخساروں کی تروتازگی اور سینے کا بانکپن نوجوان لڑکیوں جیسا تھا۔ سر کے درمیانی بالوں میں سفیدی اسے چالیس برس سے اوپر کی ظاہر کر رہی تھی لیکن عادل کے اندازے کے مطابق وہ بائیس چوبیس برس سے زیادہ کی نہیں تھیں۔

عادل کو محسوس ہوا کہ وہ اس عورت کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا تھا وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے یاد کرنے لگا کہ اس عورت کو کہاں دیکھا تھا مگر اسی لمحے اسی عورت نے چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا اور اس سے نگاہیں ملتے ہی عادل کا ذہن ایک دم روشن ہو گیا۔

☆☆☆

آنند کا حشر دیکھ کر سمن خوفزدہ ہوگئی۔ کوچ کے مسافر بھی آنند کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ اس کے کٹے ہوئے بازوؤں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ کربناک چیخیں مارتا ہوا سمن کے قریب آ گرا اور تڑپنے لگا۔ کوچ کے باہر کھڑے مسافر اور ڈرائیور کنڈیکٹر اس کی طرف لپکے۔

''کک۔ کیا ہوا آنند؟'' سمن نے جھک کر آنند سے پوچھا۔

''بھاگ...... بھاگ جاؤ سمن...... کالی داس...... کالی داس......'' وہ بمشکل یہ الفاظ کہہ سکا اور پھر ایک دم اس کا جسم اچھل کر گرا اس کے بعد اس میں کوئی حرکت نہ رہی۔ وہ ہمیشہ کے لئے ساکت ہوگیا تھا۔ سمن سیدھی ہوگئی۔ کوچ میں بیٹھے مسافر اتر کر وہاں جمع ہوگئے تھے۔

''کیا ہوا...... کیا بتایا اس نے؟'' ایک مسافر نے اس سے سوال کیا۔

''کچھ بولا تھا مگر سمجھ نہیں آیا۔'' سمن نے پریشان لہجے میں کہا۔

''یہ آپ کے ساتھ تھا؟'' کنڈیکٹر نے کہا۔

''ہاں، مگر تم لوگ مجھ سے پوچھ گچھ کرنے کی بجائے ادھر جاؤ۔ اس کا قاتل ادھر ہی چھپا ہوا ہوگا۔'' سمن نے سڑک کی دوسری جانب اشارہ کیا لیکن کسی آدمی نے اس طرح جانے کی جرأت نہ کی۔ وہ سب آنند کا حشر دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے تھے۔ ایک مسافر نے کہا۔

''قاتل کو پکڑنا پولیس کا کام ہے اور پولیس اسٹیشن شہر میں ہے۔''

''آگے ایک پٹرول پمپ ہے وہاں سے پولیس کو فون کردو جاکر۔'' ڈرائیور نے کنڈیکٹر سے کہا۔ ''میں اتنے میں ٹائر تبدیل کرتا ہوں''۔

''ایک گاڑی آرہی ہے۔ اس سے لفٹ لے لو'' ایک مسافر نے مشورہ دیا۔

شہر کو جانے والی وہ کار قریب آئی تو اس میں صرف ایک آدمی تھا۔ مجمع دیکھ کر اس نے کار روکی۔ ڈرائیور نے اس کے پاس جاکر کہا۔ ''ایک مسافر کا قتل ہوگیا ہے۔ آپ پٹرول پمپ سے پولیس کو فون کر دیں جناب۔''

''سوری۔ میں پولیس کے لفڑے میں نہیں پڑنا چاہتا۔'' کار والے نے معذرت کی۔

''اچھا۔ تو پھر کنڈیکٹر کو بٹھا لیں پٹرول پمپ تک۔ یہ وہاں سے فون کردے گا۔''

کار والا انکار نہ کرسکا اور کنڈیکٹر کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ ڈرائیور ٹائر تبدیل کرنے لگا۔ مسافر ابھی تک آنند کی لاش اور سمن کے گرد کھڑے چہ میگوئیاں اور قتل پر تبصرے کر رہے تھے۔ اکثر سمن کی طرف دیکھ رہے تھے اور افسوس کر رہے تھے۔

''کیا یہ تمہارا شوہر تھا؟'' ایک بوڑھے نے سمن سے پوچھا۔

''نہیں، منگیتر تھا۔'' سمن نے جواب دیا۔ ''مگر پلیز، آپ مجھے پریشان مت کریں۔ میں پہلے ہی غمزدہ ہوں۔''

اس کی بات سن کر مسافر اس کے قریب سے ہٹنے لگے۔ چند منٹ میں ٹائر تبدیل ہوگیا اور ڈرائیور کی ہدایت پر اپنی اپنی نشستوں پر جا بیٹھے۔ باہر صرف دو مسافر اور ڈرائیور کے ہمراہ سمن رہ گئی تھی۔ وہ بار بار خوفزدہ نگاہوں سے اسی طرف دیکھ رہی تھی جس طرف کالی داس نے آنند پر وار کیا تھا۔ نہ جانے وہ خود آیا تھا یا اس نے اپنی ماورائی طاقت سے آنند کو اس کی غداری کی بھیانک سزا دی تھی۔ آنند یہ بتانے سے پہلے ہی ختم ہوگیا تھا لیکن وہ ایک بار پھر خطرات میں گھر گئی تھی۔ وہ پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی تھی لیکن کالی داس سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے فیصلہ کرلیا تھا پولیس کی تحویل میں دبکی جائے گی پھر دیکھا جائے گا۔

کنڈیکٹر کے جانے کے دس منٹ بعد ہی شہر کی طرف سے ایک پولیس موبائل ہارن بجاتی ہوئی وہاں آپہنچی۔ اس کے پیچھے ایمبولینس بھی آرہی تھی۔ جلد ہی دونوں گاڑیاں وہاں آپہنچیں۔ پولیس والوں نے اپنی کارروائی شروع کردی نگران کا انچارج موبائل میں ہی بیٹھا رہا۔ ایک سب انسپکٹر اور چھ کانسٹیبل مسافروں اور سمن سے بیانات لینے لگے۔

''فی الحال میرا ذہن اپ سیٹ ہے۔'' سمن نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ''تھانے جاکر کچھ بتا سکوں گی۔''

پولیس کارروائی میں نصف گھنٹہ گزر گیا پھر ایمبولینس لاش لے کر روانہ ہوگئی۔ سمن کو پولیس موبائل کے عقبی حصے میں بٹھایا گیا اور موبائل ٹرن لے کر شہر کی طرف روانہ ہوگئی اس کے عقب میں کوچ بھی چل دی۔

موبائل میں سمن کے دائیں بائیں پولیس والے بیٹھے تھے اور سمن سوچ رہی تھی کہ پولیس اسٹیشن پہنچ کر کیا بیان دینا چاہیے۔ اسے حیرت بھی تھی کہ آگرہ کے جنگلوں میں اس کے حال سے باخبر رہنے والے شاستری بابا نے ابھی تک دوبارہ اس کی خبر نہ لی تھی اور نہ ہی اس کی مدد کیلئے کسی کو بھیجا تھا۔ شاید وہ کسی دوسرے معاملے میں الجھ کر اس کی طرف سے غافل ہوگیا تھا۔ اس صورتحال میں اسے اپنے بابا کی طرف سے کسی امداد کی توقع نہ تھی اور پولیس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اسے خود ہی کچھ کرنا تھا جو پولیس اسٹیشن پہنچ کر ہی ممکن تھا۔

اس نے گردن گھما کر درمیان میں لگے شیشے کی دوسری جانب دیکھا جہاں ڈرائیور اور پولیس انچارج بیٹھا تھا۔ پولیس انچارج نے جائے وقوعہ پر اس سے بات کی تھی اور نہ موبائل سے اترا تھا۔ شاید وہ تھانہ پہنچ کر اس سے پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور سمن کو خوف تھا کہ تھانے میں اس سے حقیقت معلوم کرنے

کے لئے اس پر تشدد کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے اصل معاملہ بتا دیا تو غیر ملکی ہونے کے سبب پولیس اسے امیگریشن قوانین کے تحت جیل پہنچا دے گی۔ تھانے دار سے یہ توقع فضول ہی تھی کہ وہ اس کی کسی بات کا اعتبار کر لے گا۔ اگرچہ اس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے انسپکٹر کی شکل ابھی تک نہیں دیکھی تھی جس سے وہ اندازہ کر پاتی کہ وہ نرم مزاج ہے یا سخت۔ اس کے باوجود اس سے بھلائی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔

موبائل شہر میں داخل ہوئی اور دو تین سڑکوں پر مڑنے کے بعد ایک پولیس سٹیشن کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ پولیس اہلکار اسے موبائل سے اتار کر تھانہ انچارج کے کمرے میں لائے اور اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ سپاہی باہر چلے گئے اور سب انسپکٹر سمن کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انچارج کی کرسی خالی پڑی رہی۔

''چلو۔ اپنا بیان لکھواؤ۔'' سب انسپکٹر نے کاغذ اور قلم سنبھال کر سمن سے کہا۔ ''سب سے پہلے اپنا نام پتا بتاؤ۔''

''میرا نام سمن ہے اور میرے باپ کا نام شاستری ہے......'' سمن بولنے لگی۔

''ٹھہرو۔'' سمن کے عقب میں دروازے کی طرف سے تحکمانہ آواز آئی۔ ''تم جاؤ۔ میں خود اس سے پوچھ گچھ کرتا ہوں۔''

سب انسپکٹر اٹھا اور باہر نکل گیا۔ تب انچارج انسپکٹر سمن کے سامنے کرسی پر آ بیٹھا۔ اس نے سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔ سمن نے اس کی طرف دیکھا تو اسے انسپکٹر کی شکل کچھ جانی پہچانی سی لگی پھر انسپکٹر نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد اپنی آنکھوں سے چشمہ اتارا اور اسے پہچان کر سمن کے رگ و پے میں تیز سنسناہٹ سی دوڑتی چلی گئی۔

☆☆☆

ایک لمحے کے لیے اس کا منہ حیرت سے کھل گیا وہ ششدر نگاہوں سے اس عورت کو دیکھ رہا تھا جسے اس سے جدا ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور جو محض اس کی محبت میں اس کے ساتھ کراچی سے آئی تھی۔ شاید کئی روز کی جدائی اور پے در پے خوفناک واقعات میں الجھے ہوئے ذہن کے سبب ہی وہ پہلی نظر میں اسے محض صورت آشنا محسوس ہوئی تھی لیکن اب وہ اسے پوری طرح پہچان چکا تھا۔

رخسانہ بھی اسے متحیرانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے ہرگز امید نہ تھی کہ یوں اچانک اپنے بچھڑے ہوئے محبوب سے اس کی ملاقات ہو جائے گی۔ لاریاں بدل بدل کر سفر کرنا اس کے لیے اتنا مبارک ثابت ہو گا، یہ اس نے کبھی بھول کر بھی نہ سوچا تھا۔ عادل جس کی محبت میں اس نے اب تک اتنی تکلیفیں اور اذیتیں اٹھائی تھیں، اس کے سامنے تھا۔

''یہ تم ہی ہو ناں عادل؟'' وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بڑبڑائی، جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

جواب میں عادل نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے قریب بیٹھا مسافر کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

''مجھ سے کچھ کہا ہے؟'' رخسانہ کی بڑبڑاہٹ سن کر اس کے ساتھ بیٹھی بڑھیا نے رخسانہ سے پوچھا۔

''نہیں۔ میں اپنے چچا زاد سے مخاطب ہوں۔'' رخسانہ نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''عرصہ بعد ملاقات ہوئی ہے۔''

اس کے جواب پر بڑھیا نے ایک نظر عادل کی طرف دیکھا اور سر کو جنبش دے کر پھر سامنے دیکھنے لگی۔ رخسانہ دوبارہ عادل کی طرف متوجہ ہو گئی جسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ آئے تھے مگر اس نے فوراً ہی ساڑھی کے پلو میں جذب کر لیے۔

''تنہا ہی ہو یا......'' عادل نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں، چچا چھوٹو رام بھی ساتھ ہے۔ آخری سیٹ پر بیٹھا ہے۔'' وہ بولی۔ ''شہر پہنچ کر باتیں کریں گے۔''

رخسانہ کو احساس تھا کہ اس کے پیچھے بیٹھے مسافروں تک اس کی آواز پہنچ رہی ہے اس لیے اس نے مزید بات کرنے سے گریز کیا۔ عادل بھی یہی چاہتا تھا۔ چنانچہ جونہی کوچ شہر میں داخل ہوئی، عادل نے اترنے کا فیصلہ کرتے ہوئے رخسانہ کو اشارہ کیا۔

''ہم پہلے چوراہے پر اتر کر ٹیکسی کر لیں گے۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور رخسانہ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

پھر اس نے چوراہا قریب آتے ہی آگے بیٹھے ہوئے ڈرائیور سے کہہ دیا۔ ''استاد۔ چوک پر روکنا۔''

وہ اٹھا اور دروازے پر پہنچ گیا۔ رخسانہ بھی اُٹھ گئی۔ آخری نشست پر بیٹھے چھوٹو رام نے حیرت سے اسے دیکھا اور اُٹھ کر دروازہ سے باہر آ گیا۔ اسی لمحے ڈرائیور نے بریک لگاتے ہوئے سائیڈ پر کوچ روک دی وہ تینوں آگے پیچھے کوچ سے اترے اور کوچ آگے بڑھ گئی۔

''یہاں کیوں اتری ہو؟'' چھوٹو رام نے رخسانہ سے پوچھا۔

''اس کی وجہ سے۔'' رخسانہ نے مسکراتے ہوئے عادل کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ عادل ہے۔''

''کیا......؟'' چھوٹو رام نے حیرت سے عادل کی طرف دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے ملنگ؟''

''ہاں۔'' رخسانہ سے پہلے عادل بول پڑا اور اسے ہاتھ ملایا۔ ''شاید تم غائبانہ طور پر مجھے جانتے ہو۔''

''ہاں...... مجھے رشی سوبھراج سے معلوم ہو چکا ہے اور میں رخسانہ کو رشی جی کے حکم پر دہلی چھوڑنے آیا ہوں۔ یہاں سے اسے میں نے امرتسر جانے والی گاڑی پر سوار کرانا تھا۔ مگر اب تم مل گئے ہو تو میری ضرورت نہیں رہی۔''

''کیوں... یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟'' عادل چونکا۔

''اس لیے کہ تم شاستری مہاراج کے بالک ہو اور میرا تعلق رشی سوبھراج کے واسطے سے اسی سے جا پڑتا ہے۔'' چھوٹو رام اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

''مگر یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے مہاراج۔'' عادل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''وہی بتا رہا ہوں بچے۔'' وہ شفیق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ''جب میں رخسانہ کو لے کر رشی سوبھراج سے روانہ ہوا تھا تو میں نے راستے میں اپنے علم سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں تب مجھے پتا چلا کہ شاستری مہاراج کے حکم پر تم دہلی کی طرف جا رہے ہو جہاں سے تمہیں امرتسر جانا ہے تا کہ شاستری مہاراج کی بیٹی سمن سے ملاقات کر سکو جسے آنند امرتسر لے جا رہا ہے اور اس سے شادی کرنے کا خواہشمند ہے۔ چنانچہ تم رخسانہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ شاستری مہاراج کی ہدایت ہے کہ رخسانہ کو وہاں سے بارڈر پار کرا دیا جائے تا کہ وہ اپنے ملک میں پہنچ جائے۔''

''اوہ...... کیا واقعی!'' عادل نے چونکتے ہوئے رخسانہ کی طرف استفسار طلب نگاہوں سے دیکھا۔

''ہاں......'' رخسانہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے بھی رشی سوبھراج نے یہی بتایا تھا کہ میری وجہ سے شاستری مہاراج کو بیک وقت سمن اور میری حفاظت کرنے کے سبب شنکر لال سے مقابلہ کرنے میں دشواری پیش آ رہی ہے اور میں خواہ مخواہ مصیبت میں پڑ گئی ہوں جبکہ میرا اس معاملہ سے کوئی تعلق بھی نہیں۔ اس لیے مجھے واپس پاکستان چلے جانا چاہیے مگر......''

''مگر کیا؟'' عادل نے غور سے اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

''اب تم مل گئے ہو اور تمہاری موجودگی میں مجھے کسی خطرے کی پرواہ نہیں ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''اگرچہ میں رشی جی سے بھی یہی کہنا چاہتی تھی کہ میں تمہارے بغیر وطن واپس نہیں جاؤں گی لیکن اس وقت میں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تھا۔ مگر اب میں تمہارے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی۔''

عادل نے ایک دو لمحوں کے لیے سوچا پھر چھوٹو رام سے بولا۔ ''مہاراج...... میں اسے امرتسر لے جاؤں گا۔ کیا تم ہمارے ساتھ جاؤ گے یا واپس رشی سوبھراج کے پاس؟''

''نہیں۔'' وہ تیزی سے اس کی بات قطع کرتا ہوا بولا۔ ''میں اب واپس سرنگا پٹم جاؤں گا۔''

''کیوں...... کیا وہاں جانا ضروری ہے؟'' عادل چونکا۔

''ہاں، اس لیے کہ میں میسور کا باشندہ ہوں۔ سرنگا پٹم کے ایک مندر میں رہتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''حیرت ہے۔ تم محض رخسانہ کو امرتسر پہنچانے کے لیے اتنی دور سے آئے ہو؟''

''میرے لیے میسور زیادہ دور نہیں ہے۔ میں چند گھنٹوں میں دن کا سفر طے کر سکتا ہوں۔ اچھا اب

جھے آ گیا دو۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔'' عادل نے سر ہلایا۔

اسی لمحے ایک ٹیکسی ان کے قریب آ رکی اور ڈرائیور نے عادل سے پوچھا۔ ''چلنا ہے صاحب؟''

عادل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چھوٹو رام کی طرف دیکھا۔ ''اچھا۔ تو ہمیں اجازت ہے!''

اس نے مسکراتے ہوئے سر کو جنبش دی۔ تب رخسانہ اور عادل ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھ گئے۔

''کہاں چلنا ہے سرکار؟'' ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھاتے ہوئے آئینے میں ان کی طرف دیکھا۔

''بس اسٹینڈ۔'' عادل نے کہا۔ ''ہمیں امرتسر......''

''نہیں۔'' رخسانہ نے اس کی بات قطع کر دی۔ ''پہلے کسی اچھے سے ہوٹل چلو۔ کھانا کھائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ کسی قریبی ہوٹل میں چلو۔'' عادل نے رخسانہ کی تائید کی۔

ڈرائیور نے رفتار بڑھا دی، عادل نے رخسانہ کی طرف دیکھا۔ ''کیا تمہیں بھوک لگی ہے؟''

''نہیں، میں دل کی بھوک مٹانا چاہتی ہوں، آنکھوں کی پیاس بجھانا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستہ سے بولی۔ ''اتنے عرصہ بعد ملے ہو۔ جی بھر کر باتیں کروں گی۔''

عادل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جن کے کنارے بھیگتے چلے جا رہے تھے۔ بے پناہ مسرت کے احساس سے اس کی پلکیں موتی پرونے لگی تھیں۔ عادل نے اس کی چاہت محسوس کی اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر قریب کرتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''ضبط سے کام لو پگلی، ہم ٹیکسی میں ہیں۔''

رخسانہ نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ چند منٹ بعد ٹیکسی ایک شاندار ہوٹل کے سامنے رکی۔ عادل نے میٹر دیکھ کر کرایہ ادا کیا اور دونوں ٹیکسی سے اتر کر ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ ہال کے آخری حصے میں بنے فیملی کیبن دیکھ کر وہ اس طرف بڑھ گئے۔ تین کیبن تھے اور تینوں کے پردے اُٹھے ہوئے تھے۔ درمیانی کیبن میں آ کر بیٹھے تو ایک ویٹر نے آ کر پردہ گرا دیا۔ پھر وہ ہوٹل میں دستیاب کھانوں کے نام بتانے لگا۔

''فی الحال کوک لاؤ...... کھانا کچھ دیر بعد کھائیں گے۔'' رخسانہ نے اسے ہدایت کی۔

ویٹر چلا گیا۔ کوک آنے تک وہ خاموش رہے۔ ویٹر بوتلیں میز پر رکھ کر چلا گیا تو وہ باتیں کرنے لگے۔ چونکہ دائیں بائیں کے کیبن خالی پڑے تھے اور ہال میں میوزک کا شور تھا اس لیے انہیں اس کی فکر نہیں تھی کہ کوئی ان کی باتیں سن لے گا۔

''اب بتاؤ، اتنے دنوں کہاں رہے عادل؟'' رخسانہ اسے چاہت آمیز نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

عادل کو اگرچہ اس کے دوبارہ مل جانے سے بے پایاں مسرت تھی لیکن اسے اس بات کا احساس بھی تھا

کہ شاستری مہاراج نے سمن کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ڈالی ہے اور اسے اس سلسلے میں امرتسر جلدی پہنچنا ہے۔ چنانچہ اس نے مختصر طور پر اپنی آپ بیتی سنائی۔

''اور تمہیں پتا ہے تمہارے پیار میں کن جاں گسل مراحل سے گزری ہوں؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''کیسی کیسی اذیتیں برداشت کی ہیں۔'' شنکر لال کے کن کن گرگوں نے ......''

''مت کرو ایسی باتیں رخسانہ۔'' عادل نے تڑپ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ رخسانہ کی آنکھوں سے اشکوں کا سمندر بہہ نکلا اور آنسو عادل کے سینے کو بھگونے لگے۔ عادل جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے سب پتا ہے۔ شاستری مہاراج سے مجھے تمہاری خبریں ملتی رہی ہیں۔ مجھے احساس ہے کہ تم نے میرے لیے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں لیکن اب ہم مل گئے ہیں۔ آلام کا سورج ڈوب چکا ہے۔ شاید یہ قدرت کی طرف سے تمہاری وفا کا امتحان تھا اور میں خوش ہوں کہ تم نے وفا کی لاج رکھی ہے۔ بس اب آنسو پونچھ ڈالو میری جان!''

اسی لمحے آہٹ ہوئی اور اس نے رخسانہ کا چہرہ پیچھے ہٹا دیا۔ ویٹر اندر آ گیا۔ عادل نے اسے کھانا لانے کی ہدایت کی اور وہ چلا گیا۔

ایک گھنٹہ بعد وہ ہوٹل سے نکلے اور اسی لمحے ایک پولیس موبائل ان کے سامنے سے گزری۔ عادل کی نظر اس پر پڑی اور ایکدم ہی اس کے ذہن میں دھماکے ہونے لگے۔

☆☆☆

پولیس انسپکٹر کو پہچان کر سمن کو اپنی رگوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یہ وہی چہرہ تھا جسے پہلی بار اس نے لکشمی دیوی کے مندر میں دیکھا تھا اور خوف سے تھرا اٹھی تھی۔ دائیں بائیں کھینچی ہوئی آنکھوں اور لٹکے ہوئے ہونٹ والا کالی داس اس کے سامنے بیٹھا طنزیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سمن کرسی پر ساکت بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ حیرت و خوف کے شدید جھٹکے اس کا دل دہلا رہے تھے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کالی داس اپنے غلام آنند کو غداری کی سزا دینے کے بعد اتنی جلد انسپکٹر کے روپ میں اسے بھی سزا دینے نازل ہو جائے گا اور وہ ایک بار پھر اس کی شیطانی طاقت کے پھندے میں جکڑی جائے گی۔ اس کا خوف سے ذہن ماؤف ہونے لگا۔

''ہاں۔ تو تم آنند کے ساتھ امرتسر جانے اور شادی کرنے پر تیار تھیں۔'' کالی داس کا لہجہ بہت زہریلا تھا۔ ''کیوں، یہی چکمہ دیا تھا نا آنند کو آزادی حاصل کرنے اور دہلی پہنچنے کے لیے؟''

سمن نے خود کو سنبھالا مگر خاموش رہی۔ وہ اسے طنزیہ نگاہوں سے گھور رہا تھا اور وہ اس کی خوفناک آنکھوں کی چبھن اپنے دماغ میں محسوس کر رہی تھی۔

''تم دہلی پہنچ گئی ہو اور وہ غدار کتا اپنی غداری کی سزا بھگت چکا۔ اب تم کہو۔''

سمن کے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ کالی داس کی کھنچی ہوئی آنکھیں غصے سے سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔

''بولو حرافہ!'' وہ ایک دو لمحوں کے بعد ایک دم دھاڑا۔ ''کیا تم میری وارننگ کو بھول گئی تھیں؟ کیا میں نے تمہیں اس حقیقت سے آگاہ نہیں کر دیا تھا کہ تمہاری نقل و حرکت پر میری نادیدہ طاقتوں کی نظر رہے گی اور مجھے خبر ملتی رہے گی؟''

''اس میں میرا کیا قصور۔ تمہارا چیلا مجھ پر بے ایمان ہو گیا تھا اور ......'' وہ آہستہ سے بولی۔

''جھوٹ ...... ایک دم جھوٹ۔'' وہ اس کی بات قطع کرتا ہوا غضبناک لہجے میں بولا۔ ''میری غلام روحوں نے مجھے بتا دیا ہے کہ مندر سے فرار ہونے کے لیے تم نے آنند کو محبت اور شادی کا جھانسا دیا تھا۔ مرد چاہے بوڑھا ہو یا جوان، مرد ہی ہوتا ہے اور عورت ہر مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تمہارے چکر میں آ کر مجھ سے غداری کر بیٹھا تھا۔ اب میں تمہارا بھی وہی حشر کر سکتا ہوں جو میں نے آنند کا کیا ہے یا پھر اس تھانے کے سارے اہلکار تم پر چھوڑ دوں جو بھوکے کتوں کی طرح تمہارا جسم نوچیں گے اور تمہاری آبرو پامال کریں گے۔''

''نن۔ نہیں۔'' وہ ایکدم چیخ اٹھی۔ ''میں۔ میں انہیں بتا دوں گی کہ تم کون ہو؟''

''بے شک بتا دو لیکن ......'' وہ شیطانی انداز میں ہنسا۔ ''وہ میری بات پر یقین کریں گے اور تمہارے حسین جسم سے لطف اندوز ہونے کا موقع ضائع کرنا پسند نہیں کریں گے۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ بھی ایک دم غصے میں آ گئی۔ ''شنکر لال نے مجھے بطور امانت تمہارے حوالے کیا تھا۔''

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''لیکن یہ بھی تو کہا تھا کہ میں تمہیں اپنی قید سے آزاد نہ ہونے دوں تاکہ تمہارا باپ شاستری تمہیں بچانے کے لیے اپنی شکست تسلیم کر لے اور ......''

''میرا باپ اب بھی شکست تسلیم نہیں کرے گا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''لیکن جب اسے پتا چلے گا کہ اس کی بیٹی کالی داس کے آشرم کی زینت بن چکی ہے تو وہ غیرت کے مارے خودکشی کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔'' کالی داس طنزیہ انداز میں ہنسا۔

''بھول ہے تمہاری بے غیرت بڈھے۔'' وہ غرائی۔ ''تم سے بڑے بڑے شیطان مجھے بے آبرو کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تو تم کیا کر سکو گے۔ میرا عظیم باپ تمہاری رگوں میں سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لے گا۔''

"تو پھر بلاؤ اپنے باپ کو اور تماشا دیکھو۔ اب تو میں تمہیں اپنے بستر پر ضرور لے جاؤں گا چاہے مہاراج شنکر لال بھی خفا ہو جائے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "میں دیکھتا ہوں وہ کس طرح میرے ہاتھوں سے تمہاری عزت بچاتا ہے۔"

پھر اس نے چشمہ آنکھوں پر لگایا اور دوسرے ہی لمحے اس کا اونٹ کی مانند لٹکا ہوا نچلا ہونٹ درست ہو گیا اور طوطے جیسی ناک بھی سکڑ کر عام لوگوں کی ناک جیسی ہو گئی تھی۔ اس نے میز پر رکھی گھنٹی بجائی اور ایک لمحہ بعد ایک سپاہی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ "یس سر!"

"ایس آئی کو بلاؤ۔" کالی داس نے تحکمانہ لہجے میں کہا مگر اب اس کی آواز بالکل بدلی ہوئی تھی۔

اہلکار چلا گیا اور چند لمحوں بعد سب انسپکٹر نے اندر قدم رکھا۔ "جی سر! حکم فرمائیں؟"

"گاڑی تیار کرو۔ میں اسے ریمانڈ لینے کے لیے مجسٹریٹ کے پاس لے جاؤں گا کیونکہ اس نے ہی قتل کیا ہے آنند کو۔"

"اوہ؟" سب انسپکٹر نے بے اختیار چونک کر سمن کی طرف دیکھا۔ "مگر یہ تو......!"

"اگر مگر چھوڑو، وقت ضائع مت کرو۔" کالی داس غرایا۔ "موبائل کی بجائے کار کا انتظام کرو۔ میں اکیلا جاؤں گا۔"

"بہت بہتر سر۔" سب انسپکٹر بوکھلا گیا۔ "ابھی چند منٹ میں کار منگواتا ہوں۔"

وہ پلٹ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی اچانک چھت سے میز پر ایک چھپکلی آ گری اور سمن نے خوفزدہ ہو کر اپنی کرسی پیچھے ہٹالی۔

"کالی داس!" کمرے میں شنکر لال کی آواز ابھری۔ "اسے آشرم لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے باپ شاستری نے تمہارا آشرم تباہ کر دیا ہے۔ فی الحال اسے یہیں حوالات میں رکھو۔"

وہ آواز چھپکلی کے منہ سے خارج ہوئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ غائب ہو گئی۔

"ہوں۔ تو اس خبیث نے میرا آشرم تباہ کر ڈالا ہے۔ میں اس کا انتقام ضرور لوں گا۔" کالی داس جبڑے بھینچتا ہوا غرایا۔ "اس نے براہِ راست مجھ پر وار کر کے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

چند لمحوں بعد سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ "گاڑی آ رہی ہے سر۔"

"نہیں۔ شام ہو رہی ہے۔ صبح دیکھا جائے گا۔" کالی داس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اسے فی الحال حوالات میں بند کر دو۔ صبح اسے مجسٹریٹ کے پاس لے جاؤں گا۔"

"رائٹ سر۔ یہ بہتر رہے گا۔ آج رات اس سے اقرار جرم کرانے کی کوشش......!"

"نہیں...... میں خود تحقیقات کروں گا۔ تم اسے لے جاؤ۔" وہ تحکمانہ لہجے میں بولا۔

سمن نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ اسے واپس لکشمی دیوی کے مندر نہیں جانا پڑا۔ اس کے باپ نے کالی داس کا آشرم تباہ کر دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ یقیناً یہاں بھی اس کی غلام قوتیں اسے کالی داس کے شیطانی عزائم کا شکار ہونے سے بچائیں گی۔ چنانچہ انسپکٹر نے اسے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔ کمرے سے باہر آنے پر سب انسپکٹر نے دو سپاہیوں کو ہدایت کی۔ "اسے زنانہ سیل میں بند کر دو۔"

وہ دونوں سمن کے قریب آئے اور اسے اپنے نرغے میں لے کر بائیں جانب بڑھ گئے۔ سب انسپکٹر ٹہلتا ہوا احاطے کے گیٹ پر آیا تو وہ گاڑی آ چکی تھی جو اس نے کالی داس کے لیے منگوائی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اہلکار بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب انسپکٹر نے سوچا کہ انچارج کو اطلاع دینی چاہیے۔ ہو سکتا ہے پہلے کی طرح اب پھر اس کا ارادہ بدل گیا ہو۔ چنانچہ وہ پلٹا اور انچارج کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا مگر پھر ٹھٹک کر یکدم رک گیا۔ انچارج اپنی سیٹ پر موجود نہیں تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کمرہ خالی تھا۔ اسے حیرت ہوئی مگر پھر یہ سوچ کر باہر نکل آیا کہ ممکن ہے وہ اس کے پیچھے کمرے سے نکل کر حوالات کی طرف چلا گیا ہو۔ وہ حوالات کی طرف بڑھا ہی تھا کہ گیٹ سے اندر آتے سپاہی نے اسے مخاطب کیا اور وہ رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

☆☆☆

عادل کو دور جاتی پولیس موبائل کی طرف متوجہ پا کر رخسانہ پریشان ہو گئی۔

"کہیں یہ تمہاری تلاش میں تو نہیں گھوم رہی؟"

"شاید۔" عادل نے بے خیالی سے جواب دیا۔ اس کی نگاہیں اب بھی اسی سمت میں مرکوز تھیں جدھر موبائل جا رہی تھی۔

"کیا بات ہے تم کھڑے ہو، جلدی سے نکل چلو۔ کہیں وہ پلٹ کر نہ آ جائے۔"

"نہیں۔ وہ اتنی جلدی نہیں پلٹے گی۔" عادل نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر قریب کھڑی ٹیکسی پر نظر پڑتے ہی اس کی طرف لپکا۔ ڈرائیور خود امید بھری نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے جلدی سے انجن سٹارٹ کیا۔

"سنو ڈرائیور...... ابھی جو پولیس کی گاڑی گزری ہے، وہ کس تھانے کی ہے؟" عادل نے پوچھا۔

"پتا نہیں جناب۔ آپ نے کہاں جانا ہے؟" ڈرائیور نے الٹا سوال کر دیا۔

"اس موبائل کے پیچھے چلو۔" عادل عقبی دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

اس کے اشارے پر رخسانہ اندر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور تیزی سے بولا۔ ''مگر وہ تو بہت دور نکل گئی ہے نظر بھی نہیں آ رہی۔''

''تم ذرا تیز چلو اس میں میرے بھائی کو لے جایا جا رہا ہے۔'' عادل نے رخسانہ کے قریب بیٹھ کر دروازہ بند کیا۔ ''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ پولیس اسے کہاں لے جاتی ہے تاکہ اس کی رہائی کے لئے کوشش کی جا سکے۔''

ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ رخسانہ نے حیرت سے عادل کی طرف دیکھا مگر عادل سامنے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''اور تیز چلو۔ اگر تم اسے پانے میں کامیاب ہو گئے تو کرایہ کے علاوہ پچاس کا نوٹ انعام بھی دوں گا۔''

انعام کی بات سن کر ڈرائیور نے یک دم رفتار میں اضافہ کر دیا اور ٹیکسی فراٹے بھرنے لگی۔

''میں سمجھی نہیں عادل۔'' رخسانہ نے متحیرانہ لہجے میں بولی۔

''بعد میں سمجھا دوں گا۔'' عادل نے آہستہ سے کہا۔ ''ڈرائیور کے سامنے مناسب نہیں ہے۔''

اگلے چوراہے پر ٹریفک سگنل بند تھا اور وہاں رکی ہوئی گاڑیوں میں پولیس موبائل نہیں تھی۔ عادل پریشان ہو گیا۔

''جناب۔ وہ نہ جانے کس طرف چلی گئی ہے۔'' ڈرائیور نے بریک لگاتے ہوئے عادل سے کہا۔

''بس۔ یہیں اتار دو۔'' عادل نے جیب سے رقم نکالتے ہوئے کہا۔

لیکن نوٹوں کے ساتھ ایک چھوٹا سا کاغذ دیکھ کر وہ بے ساختہ چونک پڑا۔ اس نے جلدی سے کاغذ کی تہہ کھولی اور پہلی نظر میں پہچان لیا کہ اس پر لکھی مختصر تحریر شاستری کی تھی۔

''وہ موبائل صفدر جنگ روڈ پر واقع پولیس اسٹیشن گئی ہے اور اس میں سمن کو لے جایا گیا ہے۔ وہاں میرے حریف شنکر لال کا گرگا کالی داس انسپکٹر کے روپ میں موجود ہے۔ وہ سمن کو پکڑنے آیا ہے۔ فوراً اس کی مدد کو پہنچو۔ اس کے ارادے خطرناک ہیں، عیاری سے کام لینا ہو گا اور بندشِ بصارت کا ٹوٹکہ استعمال کرنا بہتر ثابت ہو گا۔''

پیغام پڑھ کر عادل پر ہیجان طاری ہو گیا۔ قریب بیٹھی رخسانہ حیرت سے اس کے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھ رہی تھی جس پر لکھی تحریر اسے نظر نہ آ رہی تھی۔

''صفدر جنگ روڈ چلو۔'' عادل نے تیزی سے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

''یہ صفدر جنگ روڈ کیوں جا رہے ہیں ہم؟''

''دراصل کالی داس شاستری مہاراج کی بیٹی سمن کو وہاں کے پولیس اسٹیشن لے گیا ہے۔'' عادل نے

اس کی طرف جھک کر سرگوشی کے انداز میں بتایا۔ ''اور کاغذ پر شاستری مہاراج کا پیغام لکھا تھا کہ سمن کو وہاں کے تھانے میں لے جایا گیا ہے اور اس کی عزت خطرے میں ہے۔ اسے وہاں سے نکالنا ہے۔''

''اوہ۔'' رخسانہ نے سمجھنے والے انداز میں سر کو جنبش دی۔ ''تو کیا تم اسے وہاں سے نکال لو گے؟''

''امید تو کافی ہے۔ آگے اللہ مالک ہے جو چاہے وہی ہو گا۔'' عادل مسکرایا۔ ''البتہ تم پولیس اسٹیشن کے باہر ہی رہو گی۔''

رخسانہ کچھ نہ بولی۔ چند منٹ بعد ٹیکسی صفدر جنگ روڈ کے علاقے میں داخل ہوئی۔ پولیس اسٹیشن کی مخصوص عمارت اور اس کے باہر نصب سائن بورڈ کو دیکھ کر عادل نے ٹیکسی تھانہ سے تقریباً پندرہ قدم پیچھے ہی رکوا لی اور اتر گیا۔

''تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا دوست۔'' اس نے ڈرائیور کے ہاتھ پر سو روپے کا نوٹ رکھتے ہوئے کہا۔ ''کرایہ کے پیسے الگ دوں گا۔ یہ انتظار کرنے کا معاوضہ ہے۔''

پھر اس نے رخسانہ سے کہا۔ ''فکر مت کرنا۔ اگر میں دس منٹ تک نہ آؤں تو تم انٹرنیشنل ہوٹل میں رہائش اختیار کر لینا۔ میں فارغ ہوتے ہی وہاں آ جاؤں گا۔''

یہ ہدایات وہ حفظ ماتقدم کے طور پر اسے دے رہا تھا کیونکہ کوئی پتا نہ تھا کہ سمن کو پولیس اسٹیشن سے نکالنے میں کتنا وقت لگ جائے۔

☆☆☆

انسپکٹر کے قریب پہنچ کر سپاہی نے ادب سے کہا۔ ''سر! پریس رپورٹر آیا ہے۔''

''اوہ۔ کس سلسلے میں؟ کس اخبار سے؟'' انسپکٹر نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''مرڈر کیس کے لیے۔ اخبار کا نام میں نے پوچھا نہیں۔''

''عجیب آدمی ہو۔'' انسپکٹر غصے سے اسے گھورا۔ ''اسے بلاؤ۔ میں دیکھتا ہوں۔''

سپاہی پلٹ کر گیا اور اس نے باہر کھڑے شخص کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اندر آیا تو اس نے انسپکٹر کی طرف اشارہ کیا اور وہ نوجوان انسپکٹر کے قریب آ گیا۔

''ہیلو سر!'' وہ انسپکٹر کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''مجھے کرشن کہتے ہیں۔ فرام ڈیلی ایکسپریس۔ تھوڑی دیر پہلے آپ جس ملزمہ کو لائے ہیں، اس کے سلسلے میں آیا ہوں۔''

''ملزمہ!'' انسپکٹر نے انجان بنتے ہوئے حیرت سے کہا۔ ''وہ تو مدعی ہے۔ آپ سے کس نے کہہ دیا ہے کہ وہ ملزمہ ہے؟''

''وہ جو کوئی بھی ہے، ہمارے اخبار کے فوٹو گرافر نے اس کی تصویر بنائی تھی جب اسے موبائل میں

بٹھایا جا رہا تھا اب مجھے چیف ایڈیٹر نے معلومات کے لیے بھیجا ہے۔"

"اوہ......تو اس کی تصویر بھی بنائی گئی تھی۔" انسپکٹر چونکا۔ "ہم نے تو ابھی اس کا بیان بھی نہیں لیا۔"

"مجھے بھی اس کا بیان نہیں چاہیے انسپکٹر صاحب" وہ مسکرایا۔

پھر کیا آپ اس کی شکل دیکھنے آئے ہیں؟" انسپکٹر نے اُسے گھورا۔

"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" نوجوان رپورٹر کرشن آہستہ سے ہنسا۔ "آپ بڑے چہرہ شناس آفیسر معلوم ہوتے ہیں۔"

اپنی تعریف پر انسپکٹر خوش ہو گیا۔ مسکرا کر بولا۔ "چہرہ شناس نہ ہوں تو ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ ملزم کون ہے اور مدعی کون۔ کوئی بھی مجرم اپنا جرم تسلیم نہیں کرتا۔ مگر ہمیں اس کی صورت دیکھ کر......"

"آپ درست کہہ رہے ہیں جناب۔" وہ اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔ "میں واقعی اس کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ تصدیق ہو جائے کہ یہ وہی لڑکی ہے۔ جس کی تصویر ہمارا فوٹو گرافر لایا ہے۔ کیا آپ اس قدر تعاون کریں گے کہ میں اسے ایک نظر دیکھ لوں......"

"ٹھیک ہے۔ آیئے مگر اس سے کوئی بیان نہیں لیں گے آپ۔" انسپکٹر نے شرط عائد کی۔

کرشن اس کے ہمراہ عمارت کی بغل سے گزر کر عقب میں پہنچا۔ اس طرف بھی ایک عمارت تھی جس کے آگے وسیع برآمدہ تھا۔ برآمدے میں چند لاک اپ دکھائی دے رہے تھے۔ پہلے لاک اپ میں دو ملزم دکھائی دیئے۔ اگلے دو لاک اپ خالی تھے۔ چوتھے لاک اپ پر زنانہ حوالات کی تختی آویزاں تھی مگر وہ بھی خالی تھا۔ انسپکٹر اس عمارت کے پہلو کی جانب مڑ گیا۔ اس طرف دو کمرے تھے جن میں ایک پر مال خانہ کی تختی نظر آ رہی تھی۔ جبکہ دوسرے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ باہر سے بولٹ چڑھا ہوا تھا مگر اس میں قفل نہیں تھا اور دروازہ بھی لکڑی کا تھا۔

کرشن انسپکٹر سے ایک قدم پیچھے آ رہا تھا۔ انسپکٹر دروازے پر رکا ہی تھا کہ کرشن اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ انسپکٹر نے ایک ہاتھ سے بولٹ کھولتے ہوئے اس کی طرف چہرہ گھمایا۔ "آپ دیکھ لیں جلدی سے۔ کہیں انچارج صاحب نہ آ جائیں۔"

ساتھ ہی اس نے دروازہ کھول دیا، لیکن جونہی اس نے دروازے کی طرف منہ پھیرا، کرشن نے پھرتی سے اس کی بغلی ہولسٹر سے پستول نکال کر اس کے پہلو سے لگا دیا۔

"بس......ہاتھ بلند کر لو!" وہ آہستہ سے غرایا۔ "ذرا بھی آواز نکالی تو ٹرائیگر دبا دوں گا۔"

انسپکٹر نے پستول کی طرف دیکھا اور خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "کک......کیا مطلب!"

"اندر چلو تو بتاؤں گا۔ ہاتھ اٹھا لو۔ جلدی کرو۔"

انسپکٹر ہاتھ اٹھائے لرزتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ کرشن بھی اندر آیا اور اس کی پشت سے پستول لگا کر ایک ہاتھ سے دروازہ بند کر کے سامنے دیکھنے لگا۔ فرش پر بیٹھی لڑکی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا۔ کیا۔ یہ تم ہی ہو ملنگ؟" دفعتاً اس کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز خارج ہوئی۔

اور کرشن نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ انسپکٹر نے حیرت سے کرشن کی طرف دیکھا جو کہ عادل ہی تھا۔

"کیا یہ تمہیں پہچانتی ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"شاید۔" عادل نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہارا انچارج کہاں ہے؟"

"معلوم نہیں۔ شاید اپنے کمرے میں ہو۔ مگر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ تمہیں پتا ہے کہ تمہاری یہ حرکت کتنا بڑا......!"

"خاموش رہو۔ میں اس لڑکی کو لینے آیا ہوں اور تم اسے چھوڑنے باہر تک چلو گے۔" عادل نے گھورتے ہوئے کہا۔ "کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم نے اپنے کسی اہلکار کو اشارہ کرنے کی کوشش کی تو میں بلا توقف گولی چلا دوں گا۔"

"مگر۔ میرا انچاج......؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"تم جانتے ہو وہ کون ہے؟" عادل نے سمن کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں۔ وہ ایس ایچ او سندر کپور ہے......!"

"نہیں، وہ کالی داس ہے، ایک زبردست یوگی اور ساحرانہ قوتوں کا نالک۔ شاید اس نے تمہارے اصل انچارج کو غائب کر دیا ہو۔ بہر حال وہ کالی داس ہے اس لڑکی کے باپ کا دشمن۔ باقی بات میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ ہاتھ نیچے کر کے عام انداز میں میرے آگے آگے چلو۔ پستول میری جیب میں ہے مگر اس کا رخ تمہاری طرف رہے گا۔"

چند لمحوں بعد وہ وہاں سے نکل کر تھانے کے گیٹ پر پہنچے۔ انسپکٹر آگے تھا اور عادل اس کے پیچھے جبکہ سمن عادل کے پہلو میں چل رہی تھی۔ باہر کھڑے سنتری نے ان کی طرف دیکھا اور قدرے چونکا مگر کچھ نہ بولا۔

"اس طرف سر!" عادل نے مؤدبانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا جس طرف ٹیکسی کھڑی تھی۔

انسپکٹر اس طرف مڑ گیا۔ ٹیکسی کے قریب پہنچ کر عادل نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا اور ڈرائیور نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

"تشریف رکھیے۔ آپ کو چوراہے پر چھوڑ دیا جائے گا۔" عادل نے کہا اور سمن کو بھی اشارہ کر دیا۔

سمن حیرت سے عقبی نشست پر بیٹھی رخسانہ کو دیکھتی ہوئی اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ انسپکٹر نے احتجاجی انداز میں پلٹ کر عادل کی طرف دیکھا تو عادل نے اپنی جیب کی طرف آنکھ سے اشارہ کیا جس میں اس نے پستول کو ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ انسپکٹر سہما ہوا سا فرنٹ سیٹ پر بیٹھا اور عادل نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر عقبی نشست پر سمن کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس نے پستول نکال کر انسپکٹر کی گدی سے لگاتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ "یہیں سے بیک کر کے واپس چلو۔"

عادل نے پستول پر رومال ڈال لیا تھا اس لیے ڈرائیور نہ دیکھ سکا۔ اس نے یوٹرن لیا اور واپس چل دیا۔ سمن انکھیوں سے رخسانہ کی طرف دیکھتی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی کہ رخسانہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم سمن ہو؟"

سمن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ رخسانہ نے دوبارہ بات نہ کی اور انسپکٹر کی طرف دیکھنے لگی۔

"انسپکٹر۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوں۔" دفعتاً عادل نے آہستہ سے انسپکٹر کے کان کے قریب منہ کر کے کہا۔

"مگر تم مجھے کیوں ساتھ لے جا رہے ہو؟" وہ تلملا کر بولا۔

"محض اس لیے کہ تمہاری جان خطرے میں ہے۔" عادل نے نرمی سے کہا۔ "خطرے میں تو ہم بھی ہیں کہ جب تمہارے جعلی انچارج کالی داس کو پتا چلے گا تو وہ اپنی ماورائی اور شیطانی قوت سے سمن کو پکڑنے اور مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا مگر اس کے عتاب کا پہلا نشانہ تم بنو گے۔"

"تو کیا واقعی ایس ایچ او سندر کپور نہیں ہے؟" انسپکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا تم نے محسوس نہیں کیا؟ اس میں کوئی تبدیلی؟ اس پر کوئی شبہ؟"

"نہیں۔ کیونکہ اس کی شکل اور یونیفارم...... ہاں۔" وہ کہتے کہتے ایکدم چونکا۔ "اس نے آج پہلی بار سیاہ چشمہ استعمال کیا ہے اور ماتحتوں کے ساتھ بھی خاموشی اختیار کیے رکھی۔ پھر تمہارے آنے سے صرف دو منٹ پہلے کمرے سے غائب ہو گیا تھا۔"

"اس لڑکی کو کس جرم میں یہاں لایا گیا تھا؟" عادل نے سمن کے بارے میں سوال کیا۔

"اس کے منگیتر یا شوہر کو شہر سے باہر کسی نے قتل کر دیا تھا اور......" وہ بتانے لگا۔

"نہیں۔ وہ میرا کچھ بھی نہ تھا۔" سمن نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "وہ کالی داس کا غلام تھا اور کالی داس نے مجھے قید کر کے اسے میرا نگہبان مقرر کیا تھا۔ مگر وہ میرا ہمدرد بن گیا اور مجھے کالی داس کے

زغے سے نکال کر ادھر لا رہا تھا کہ راستے میں کالی داس نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

اس نے تھانہ میں کالی داس سے آخری گفتگو تک کا واقعہ بیان کر ڈالا۔ اتنی دیر میں ٹیکسی اس ریستوران کے قریب پہنچ گئی جہاں سے انہیں لے گئی تھی۔ عادل نے ڈرائیور سے کہا۔ "فی الحال سیدھے چلتے رہو۔"

انسپکٹر کالی داس کے بارے میں سن کر خوفزدہ ہو چکا تھا۔ عادل نے سامنے لگے آئینے میں اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب تم چاہو تو ٹیکسی سے اتر کر واپس جا سکتے ہو۔ لیکن یہ مت بھولنا کہ میں تمہیں زندہ چھوڑ کر تم پر احسان کر رہا ہوں حالانکہ میں چاہوں تو تمہیں ہلاک کر کے تمہاری لاش یہیں کہیں پھینک سکتا ہوں۔ لیکن تم مجھے بال بچے دار معلوم ہوتے ہو اور وہ تمہارے مرنے سے یتیم ہو جائیں گے۔ اس کے بدلے میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم ہمارے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔ کیونکہ ہم مجرم نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے یہیں اتار دو۔" انسپکٹر نے پریشان لہجے میں کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کروں گا۔"

"شکریہ۔ اُمید ہے تم اپنے قول کی پاسداری کرو گے۔" عادل مسکرایا۔ "لیکن یہ بھی یاد رکھنا، اگر تم نے اپنا قول پورا نہ کیا تو عبرتناک موت تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

ٹیکسی اب ایک سنسان سڑک پر تھی۔ یہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ عادل کی ہدایت پر ڈرائیور نے ٹیکسی لی۔

"شکریہ۔" عادل نے اس کے پستول سے گولیاں نکال کر پستول اس کی گود میں ڈال دیا۔ اس نے پستول اپنے ہولسٹر میں ڈال لیا پھر ٹیکسی سے اتر گیا۔ عادل کے اشارے پر ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ عادل نے پلٹ کر دیکھا۔ انسپکٹر سڑک کراس کر کے دوسری جانب جا کھڑا ہوا تھا۔ یقیناً وہ واپس جانے کے لیے کسی سواری کا انتظام کرنے لگا تھا۔

"ڈرائیور...... چوراہے سے بائیں جانب مڑ جانا۔" عادل نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

"مجھے رخسانہ کہتے ہیں۔" رخسانہ سمن سے کہہ رہی تھی۔ "شاید تمہیں میرے بارے میں شاستری مہاراج نے......"

"نہیں رخسانہ۔" عادل تیزی سے بولا۔ "اس کی ابھی تک اپنے پتا جی سے ملاقات نہیں ہوئی اور تمہیں بھی ہندوستان میں یہ پہلی بار ملی ہے۔ بہرحال، ہم ہوٹل پہنچ کر تفصیل سے باتیں کریں گے۔"

ٹیکسی چوراہے سے بائیں جانب مڑ گئی۔ یہ سڑک کافی آباد تھی۔ عادل ڈرائیور کو ہدایات دینے لگا۔

☆☆☆

شاندار ہوٹل کے ایک کمرے میں وہ تینوں گھنٹہ بھر باتیں کرنے کے بعد کھانا کھا رہے تھے۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے اور عادل سوچ رہا تھا کہ سمن اور رخسانہ کے مل جانے کے بعد اس کے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے اس لیے انہیں واپس پاکستان روانہ ہو جانا چاہیے لیکن اس سلسلے میں شاستری مہاراج سے اجازت لینا ضرورت تھی جس نے ابھی تک دوبارہ رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے حریف شنکر لال سے الجھا ہوا تھا اور نہ جانے ان دو پرانے دشمنوں کی جنگ کس مرحلے میں تھی۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور وہ تینوں بیک وقت چونک پڑے۔

''کون ہے؟'' عادل نے دروازہ کی طرف دیکھتے ہوئے بلند آواز میں ہانک لگائی۔

'ویٹر سر...... آپ کا خط لایا ہوں۔'' باہر سے آواز آئی۔

عادل چونکا۔ خط کے نام پر وہ دونوں بھی متحیر دکھائی دے رہی تھیں۔ عادل تیزی سے اُٹھ کر دروازے پر آیا۔ دروازہ کھولا تو باہر کسی کو نہ پا کر وہ حیران رہ گیا۔ راہداری اس وقت سنسان پڑی تھی۔ اس نے یونہی نیچے نگاہ کی تو فرش پر ایک تہہ کیا ہوا کاغذ پڑا دیکھ کر بے ساختہ اچھل پڑا۔ اس نے جلدی سے کاغذ اٹھایا اور دروازہ بند کر کے کاغذ کی تحریر پر نگاہیں دوڑانے لگا۔ شاستری کا پیغام تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

''ملنگ۔ کالی داس نے انسپکٹر کو ہلاک کر دیا ہے اور اب تمہاری تلاش میں ہے۔ تم فوراً دونوں لڑکیوں کو لے کر لال قلعہ کے پچھواڑے میں واقع پرانے مندر میں پہنچ جاؤ۔ وہاں پنڈت نرائن گوپال تمہاری رکھشا کرے گا۔ صبح پہلی گاڑی سے امرتسر چلے جانا۔ وہاں سے ٹرین کے ذریعے پاکستان روانہ ہو جانا۔ وطن پہنچ کر میرا انتظار کیے بغیر سمن سے شادی کر لینا۔''

''کس کا خط ہے ملنگ؟'' سمن اُٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

عادل نے خط اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے حیرت سے کہا۔ ''اس پر تو کچھ بھی نہیں لکھا۔''

تب عادل نے ایک مختصر سا سحر پڑھ کر کاغذ پر پھونکا اور سمن کو اس پر تحریر دکھائی دینے لگی۔ اپنے باپ کو ہدایت پڑھ کر ایک لمحے کے لیے اس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔ رخسانہ کرسی پر بیٹھی انہی کی طرف دیکھ رہی تھی مگر وہ سمن کے تاثرات نہ دیکھ سکی کیونکہ اس کی جانب سمن کی پشت تھی۔ عادل نے کاغذ کی گولی بنا کر اپنی جیب میں رکھ لی اور سمن کے ساتھ رخسانہ کے سامنے آ بیٹھا۔

''کیا بات ہے سمن، بڑی خوش دکھائی دے رہی ہو؟'' رخسانہ نے سمن کا تمتماتا ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں۔ وطن واپس جانے کی خوشی میں۔'' عادل نے جلدی سے بات بنائی۔ ''شاستری مہاراج نے ہمیں پاکستان جانے کی ہدایت کی ہے۔'' وہ رخسانہ کو شادی کے بارے میں بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا جو اس کی محبت میں بڑے جاں گسل لمحات سے گزری تھی۔

''ہم ابھی روانہ ہو رہے ہیں۔ آج رات ہم لال قلعہ کے عقب میں گزاریں گے۔'' عادل نے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بتایا۔

چند منٹ بعد وہ کمرے سے نکل کر نیچے ہال میں پہنچے۔ عادل نے کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے ان سے کہا۔

''تم باہر چل کر ٹیکسی کرو۔ میں بل ادا کر کے آتا ہوں۔''

وہ دونوں ہوٹل سے باہر چلی گئیں۔ کاؤنٹر کلرک نے حیرت سے عادل کی طرف دیکھا۔ ''کیا آپ جا رہے ہیں صاحب؟''

''ہاں۔ ایک دوست نے ابھی فون پر اپنی ماں کے مرنے کی خبر دی ہے اور ہمارا جانا ضروری ہے۔ آپ بل بنائیں۔''

کلرک جسٹر کھول کر بل بنانے لگا۔ دو منٹ بعد عادل بل ادا کر کے ہوٹل سے باہر آیا لیکن سمن اور رخسانہ کو غائب پا کر وہ بے ساختہ اچھل پڑا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن ان کا وہاں نام و نشان تک نہ تھا۔

☆☆☆

وہ ہوٹل سے باہر آئیں تو چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ٹیکسی کو دیکھ کر اس طرف بڑھ گئیں۔

''خالی ہے؟'' رخسانہ نے ڈرائیور سے پوچھا جس نے انہیں دیکھ کر عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا تھا۔

''جی ہاں۔ بیٹھیے۔'' ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

وہ عقبی نشست پر بیٹھ گئیں۔ ڈرائیور دروازہ بند کر کے اپنی سیٹ پر جا بیٹھا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔

''ٹھہرو ذرا ہمارا آدمی آ رہا ہے۔'' رخسانہ نے تیزی سے کہا۔

''میں بھی تو آپ کا ہی آدمی ہوں۔'' ڈرائیور ہنسا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

''رکو۔ رکو۔ سنا نہیں تم نے بے وقوف!'' سمن نے غضبناک ہو کر کہا۔

لیکن ڈرائیور نے جواب دینے کی بجائے ایکدم رفتار میں اضافہ کر دیا۔ وہ دونوں بوکھلا گئیں۔

''رک جاؤ بدمعاش......'' رخسانہ چلائی۔ ''ورنہ ہم شور مچا کر تمہیں پولیس......''

''میں بھی تمہیں گھر نہیں پولیس کے پاس لے جا رہا ہوں۔'' ڈرائیور نے ہنستے ہوئے کہا اور بائیں جانب کی سڑک پر مڑ گیا۔

''کیا...... کیا مطلب ہے تمہارا!'' سمن ایک دم چونکی۔ ہوٹل بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

''تم تھانے سے فرار ہوئی ہو سمن، اور رخسانہ نے اس جرم میں ملنگ کے ساتھ مل کر حصہ لیا ہے۔''

''اوہ...... تم کون ہو...... میرا نام تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' رخسانہ نے حیرت سے اس کی پشت کو گھورا۔

جواب میں ڈرائیور نے بٹن دبا کر اندر کی بتی جلائی اور ذرا سا چہرہ موڑ کر ایک لمحے کے لیے ان کی

طرف دیکھا۔ سمن نے اس کی شکل دیکھی تو خوف کی ایک تیز لہر اس کے وجود میں دوڑتی چلی گئی۔ ڈرائیور کی شکل بدل چکی تھی۔ وہ لٹکے ہونٹ والا کالی داس تھا۔

''تت۔ تم......!'' سمن کے حلق سے دہشت زدہ سی آواز خارج ہوئی۔

''اوہ۔ کیا تم اس بدمعاش کو پہچانتی ہو؟'' رخسانہ نے چونکتے ہوئے سمن کو دیکھا۔

''ہاں'' سمن نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''یہ میرے پتاجی کے دشمن کا......''

''نہیں۔ اب میں تم تینوں کا دشمن ہوں۔'' کالی داس نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے اس بار غضبناک لہجے میں کہا۔

''میں تمہارا سر توڑ دوں گی مردود۔'' رخسانہ نے غصے سے کہا۔

ساتھ ہی اس نے کالی داس کی گردن پر مکا رسید کرنے کی کوشش کی مگر اس کا اٹھا ہوا ہاتھ ہوا میں ہی رک گیا اور اس کے حلق سے بے ساختہ کراہ خارج ہوگئی۔ کسی نادیدہ ہاتھ نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔

''ہاہاہا!'' کالی داس کے حلق سے قہقہہ خارج ہوا۔ ''شاید تم میری طاقت سے واقف نہیں ہو نادان لڑکی۔ شاستری کی بیٹی سے پوچھو۔ اسے اچھی طرح میری طاقت کا اندازہ ہو چکا ہے۔''

رخسانہ نادیدہ ہاتھ کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگی۔ سمن خوفزدہ نگاہوں سے اس کا معلق ہاتھ دیکھ رہی تھی جو کالی داس کی گردن سے تقریباً چھ انچ کی بلندی پر تھا۔ اچانک چٹاخ کی آواز ابھری اور رخسانہ چیخ کر سیٹ کی پشت سے جا لگی۔ اس کی کلائی چھوڑ کر اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا گیا تھا۔

''آرام سے بیٹھ کتیا۔'' کالی داس غرایا۔ ''اب تو نے مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو سر گردن سے الگ ہو جائے گا۔''

ساتھ ہی اس نے اندر کی بتی بجھا دی۔ رخسانہ نے ٹیکسی کی چھت کی طرف دیکھا تو خوف کی شدت سے اس پر کپکپی طاری ہوگئی۔ چھت میں دو سرخ اور خوفناک آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ سمن بھی دہشت زدہ تھی۔ وہ ایک بار پھر کالی داس کے چنگل میں پھنس گئی تھی اور تصور میں اپنی آبرو کی دھجیاں اُڑتی دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔ نہیں۔'' وہ ایکدم چلائی۔ ''میں نہیں جاؤں گی اس درندے کے ساتھ۔''

دوسرے ہی لمحے اس نے دروازہ کھولا اور تیز رفتار ٹیکسی سے باہر چھلانگ لگا دی۔

☆☆☆

عادل فٹ پاتھ پر کھڑا پریشانی کے عالم میں سوچ رہا تھا کہ سمن اور رخسانہ کہاں چلی گئیں اور انہوں نے اس کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ یہ اندازہ لگانا بھی دشوار تھا کہ وہ خود کہیں گئی ہیں یا انہیں لے جایا گیا ہے؟

دفعتاً اسے شاستری کا پیغام یاد آیا۔

''کہیں وہ کسی وجہ سے لال قلعہ کی طرف تو نہیں چلی گئیں؟'' وہ بے ساختہ بڑبڑایا۔

یہ خیال قرین از قیاس تھا۔ چنانچہ اس نے گزرتی ہوئی ایک خالی ٹیکسی کو اشارہ کیا اور وہ رک گئی۔ عادل اس کی طرف لپکا۔

''جلدی چلو۔'' وہ عقبی نشست پر بیٹھتا ہوا تیزی سے بولا۔

''کہاں جانا ہے بابوجی......!'' ڈرائیور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''لال قلعہ......!'' عادل نے اس کی طرف دیکھے بغیر بے خیالی کے عالم میں کہا۔

اور ٹیکسی چل پڑی۔ عادل کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ اگر وہ وہاں بھی موجود نہ ہوئیں تو پھر؟ پھر اسے کالی داس کا خیال آیا کہ ہو سکتا ہے شاستری نے اس کی طرف سے کسی فوری خطرے کے سبب اپنی بیٹی سمن کو فوراً وہاں سے روانگی کا پیغام بھیجا ہو اور وہ لال قلعہ کے پرانے مندر کی طرف اس کے بغیر ہی چلی گئی ہوں۔

انہی خیالات میں اسے وقت گزرنے اور سفر کٹنے کا احساس بھی نہ ہوا۔ وہ اس وقت چونکا جب ٹیکسی رکنے لگی۔

''لال قلعہ آ گیا ہے بابوجی۔'' ڈرائیور نے اسے باخبر کیا۔

عادل نے چونکتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ سامنے لال قلعہ کی عظیم الشان فصیل نظر آ رہی تھی۔

''یہاں ایک قدیم مندر ہے۔ غالباً اسے پرانا مندر کہتے ہیں۔''

''جی ہاں۔ وہ تو قلعے کی عقبی سمت میں آبادی سے کچھ فاصلے پر ہے۔'' ڈرائیور نے سر ہلا دیا۔

''بس۔ تو پھر وہیں لے چلو۔ کیونکہ میں اس علاقے سے ناواقف ہوں۔''

چند منٹ بعد ٹیکسی قلعے کی عقبی آبادی سے گزر کر ایک چھوٹے سے مگر انتہائی قدیم مندر کے سامنے پہنچ گئی جس کے گرد گھنے درختوں اور جھاڑیوں نے احاطہ کر رکھا تھا۔ درمیان میں سے ایک گزرگاہ مندر کے دروازے تک بنی ہوئی تھی جس کے باہر بجلی کا بلب روشن تھا۔ قرب و جوار میں کوئی دوسری عمارت نہ تھی۔

عادل نے کسی خیال کے تحت ڈرائیور سے کہا۔

''اگر تم چاہو تو تین چار منٹ انتظار کر لو۔ ممکن ہے مجھے واپس بھی جانا پڑے۔''

ساتھ ہی اس نے میٹر کے مطابق کرایہ کی رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ڈرائیور نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کر دی۔ عادل ٹیکسی سے اتر کر درختوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ درختوں کے درمیان بنے راستے سے گزر کر دوسری طرف پہنچا۔ چند گز کے فاصلے پر مندر کی سیڑھیاں تھیں جن پر مندر کا چوبی پھاٹک بند نظر آ رہا تھا۔

مندر کے باہر اس وقت کوئی بھی نہ تھا۔ وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک وہاں جلنے والا

واحد بلب بجھ گیا اور ایک دم گہری تاریکی پھیل گئی۔ عادل ٹھٹک کر رک گیا۔ ٹھیک اسی لمحے اسے اپنے عقب میں کسی درندے کی غراہٹ سی سنائی دی۔ اس نے تیزی سے سر گھما کر پیچھے دیکھا ہی تھا کہ کوئی سیاہ رنگ کی چیز اڑتی ہوئی اس پر آ گری۔ وہ جھٹکے سے سیڑھیوں پر جا پڑا۔ اس کے حلق سے بے ساختہ کراہ خارج ہوئی تھی کیونکہ گرنے سے اس کی کمر سنگی زینے سے ٹکرائی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، وہ سیاہ چیز اس کے بدن پر سوار ہو گئی۔

اندھیرے میں اس کی شکل و جسامت واضح نہیں تھی۔ عادل کو صرف اتنا محسوس ہوا کہ وہ کوئی بہت بڑا ریچھ ہے جس نے اپنے اگلے پنجوں سے اس کے دونوں بازو نیچے دبا کر اسے بے بس کر ڈالا تھا۔ پھر اس نے ریچھ نما جانور کی تھوتھنی اپنے چہرے کے قریب محسوس کی۔ اس کی گرم گرم سانسیں عادل کے چہرے سے ٹکرانے لگی تھیں۔ عادل نے تیزی سے دونوں پاؤں سمیٹ کر اس کے سینے پر جمائے اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔ ریچھ پیچھے جا پڑا۔ عادل نے فوراً ہی چند الفاظ پڑھ کر اس کی طرف پھونکے اور اگلے ہی لمحے وہ ریچھ اپنی جگہ پر تڑپنے لگا۔ اس کے حلق سے کربناک چیخیں خارج ہو رہی تھیں۔

اسی لمحے ٹیکسی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور وہ تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔ عادل سمجھ گیا کہ ڈرائیور خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا ہے۔ پھر جونہی ریچھ نما جانور کی چیخیں بند ہوئیں، بجلی کا بلب خود بخود جل اٹھا اور وہاں سے روشنی پھیلتی چلی گئی۔ ایکدم روشنی ہونے سے عادل کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے چندھیا گئیں۔ پھر وہ دیکھنے کے قابل ہوا تو ریچھ نما جانور وہاں سے غائب تھا۔ عادل سمجھ گیا کہ یہ شاستری کے دشمن شنکر لال یا پھر کالی داس کا حربہ تھا جسے اس نے اپنے سحر سے ناکام بنا دیا تھا۔ شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ عادل اس مندر میں پناہ لے۔

ابھی وہ اس امر پر ہی غور کر رہا تھا کہ مندر کا دروازہ کھلنے کی آواز سن کر وہ اس طرف مڑ گیا۔ دروازے میں ایک مریل سا بوڑھا کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے بدن پر صرف ایک چادر تھی جسے اس نے یوگیوں کی مانند جسم پر باندھا ہوا تھا۔ پیشانی پر موٹا سا تلک دکھائی دے رہا تھا جبکہ سر بالوں سے محروم تھا۔

''تم کون ہو بالک......!'' اس کی پاٹ دار آواز عادل کی سماعت سے ٹکرائی۔

''مجھے ملنگ کہتے ہیں اور میں پنڈت نارائن گوپال......''

''اوہ......تم ملنگ ہو!'' بوڑھا اس کی بات کاٹتا ہوا حیرت سے چلایا۔

دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے باہر آیا اور زینوں سے اتر کر عادل کے جسم کا غور سے جائزہ لینے لگا۔

''تمہیں کوئی چوٹ زخم تو نہیں آیا بالک...... ویسے میرا بھی یہی خیال تھا کہ میرے محافظ کو فنا کرنے والا کوئی معمولی آدمی نہیں ہو سکتا۔''

''اوہ تمہارا محافظ......'' عادل چونکا۔ ''مگر تم کون ہو اور پنڈت جی کہاں ہیں؟''

''میں ہی ہوں بالک۔'' وہ مسکرایا۔ ''اور وہ ریچھ مندر کا محافظ تھا۔ مجھے پتا ہوتا کہ تم یہاں تنہا آؤ گے تو میں خود ہی تمہارے سواگت کے لیے یہاں موجود رہتا۔ بہرحال آؤ۔ اندر چل کر باتیں کریں گے۔''

عادل پنڈت نارائن گوپال کے ساتھ مندر میں داخل ہوا اندر تاریکی نہیں تھی۔ اس نے دروازہ بند کیا اور اس کی رہنمائی میں عادل مندر کے پوجا پاٹ والے ہال میں پہنچ گیا۔ وہاں ان دونوں کے سوا کوئی ذی روح نہ تھا۔

''مجھے شاستری مہاراج نے اطلاع دی تھی کہ تمہارے ساتھ دو ناریاں بھی آئیں گی!''

''اوہ......تو کیا وہ یہاں نہیں پہنچیں؟'' عادل بے ساختہ اچھل پڑا۔

''نہیں تو۔'' پنڈت نارائن چونکا۔ ''کیا تم نے انہیں تنہا ادھر بھیجا تھا؟''

عادل چکرا کر رہ گیا۔ اس نے مختصراً اسے بتایا کہ وہ کیسے ہوٹل سے باہر گئی تھیں اور غائب ہو گئیں۔

''میں تو یہی خیال کر کے ادھر آیا ہوں کہ شاید......''

''نہیں'' پنڈت نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ ''تم بیٹھو۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔''

پھر وہ عادل کو وہیں چھوڑ کر بائیں جانب واقع کمرے میں گھس گیا اور عادل ٹہلنے لگا۔ دو منٹ بعد پنڈت نارائن اسی کمرے سے برآمد ہوا تو اس کے مدقوق چہرے پر پریشانی کے سوا کچھ نہ تھا۔

''ملنگ۔ وہ دونوں کالی داس کے ہتھے چڑھ گئی ہیں۔'' اس نے قریب آ کر بتایا۔

اس اطلاع پر عادل کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا۔ غصے کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہوتی چلی گئیں۔

☆☆☆

کالی داس کے غضب کا نشانہ بننے سے بچنے کا واحد طریقہ یہی تھا جس پر سمن نے اضطراری طور پر عمل کر ڈالا تھا لیکن شاید کالی داس نے پہلے سے ہی اس کے فرار کی کوشش کو ناکام بنانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ چنانچہ جونہی اس نے دروازہ کھول کر ٹیکسی سے باہر چھلانگ لگائی، کسی ان دیکھی قوت نے اسے سڑک پر گرنے سے پہلے ہی اچک لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ بجلی کی تیزی سے واپس ٹیکسی میں آ گری۔ رخسانہ کی چیخ نکل گئی کیونکہ وہ اس کی رانوں پر پشت کے بل آ پڑی تھی۔ دروازہ دھماکے سے بند ہو گیا۔

سمن نے چھلانگ لگاتے وقت آنکھیں بند کر لی تھیں مگر واپس گرتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور کراہتی ہوئی خود کو سنبھالنے لگی۔

''کالی داس کی گرفت سے نکلنا ناممکن ہے بیسوا۔'' کالی داس کی بلبلاہٹ سنائی دی۔

''بکواس بند کرو شیطان، پاجی۔'' سمن چلائی۔ ''میں......میں......!''

وہ شدتِ غم سے بلک بلک کر رونے لگی۔ خوفزدہ رخسانہ اسے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''جتنی دل چاہے گالیاں بکو، پر ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔'' کالی داس نے قہقہہ لگایا۔ ''ان گالیوں کا جواب تمہیں بعد میں دوں گا۔ یہ خوشخبری سنا دیتا ہوں کہ مہاراج شنکر لال سے میں اجازت لے چکا ہوں۔''

''اس کی بات پر سمن نے غضبناک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''کیسی اجازت؟''

''تمہارے مرمریں اور کنوارے بدن کو پامال کرنے کی۔ تمہیں اپنے آشرم کی زینت بنانے کی۔''

''میں وہ وقت آنے سے پہلے اپنی جان دے دوں گی۔''

''تم میری مرضی کے بغیر جان بھی نہیں دے سکتیں۔'' وہ ہنسا۔ ''اس کا تمہیں ابھی تجربہ ہو چکا ہے۔''

رخسانہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی ہوئی سوچ رہی تھی کہ اس خبیث سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے۔ وہ اس کی ماورائی قوت کا مظاہرہ دیکھ چکی تھی۔ ٹیکسی کی چھت سے چپکی خوفناک آنکھیں اب بھی اسی پر مرکوز تھیں...... لیکن پھر اچانک وہ آنکھیں غائب ہو گئیں۔ اس وقت ٹیکسی شہر سے باہر آ چکی تھی اور وہ ایک سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ دفعتاً ٹیکسی لڑکھڑانے لگی اور اس کی رفتار ماند پڑ گئی۔

''اوہ، شاید ٹائر سے ہوا نکل گئی ہے۔'' کالی داس چونکتے ہوئے بڑبڑایا اور اس نے بریک لگا دی۔ ٹیکسی رک گئی اور اس نے اندر کی بتی جلا دی۔ پھر وہ دروازہ کھول کر اترا اور ٹائروں کو چیک کرنے لگا۔ اسی لمحے ٹیکسی خود بخود حرکت میں آئی اور تیزی سے دوڑنے لگی۔ یہ دیکھ کر رخسانہ خوف کے مارے سمن سے لپٹ گئی۔ ٹیکسی برق رفتاری سے سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ مگر چند لمحوں بعد ہی وہ ایکدم رکی اور پھر مڑے بغیر واپس بھاگنے لگی۔ پھر وہ واپس اسی جگہ پر آ رکی جہاں کالی داس ٹیکسی کی طرف ہاتھ دراز کئے کھڑا تھا۔

جونہی ٹیکسی رکی، کالی داس تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گیئر بدل کر ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ اس نے سمن اور رخسانہ کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہا تھا۔ شاید کسی منتر کا جاپ کر رہا تھا۔ اچانک ٹیکسی کے اسٹیئرنگ سے دھواں خارج ہونے لگا۔ کالی داس نے بریک لگا کر ٹیکسی روکی اور پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ دھواں تیزی سے ٹیکسی کے اندر پھیل گیا اور عقبی نشست پر بیٹھی دونوں لڑکیاں اس دھوئیں میں چھپ گئیں۔ کالی داس نے تیزی سے ایک سحر پڑھ کر دھوئیں پر پھونکا۔ ایک چیخ بلند ہوئی اور دھواں ایک دم غائب ہو گیا۔ مگر عقبی نشست پر نظر پڑتے ہی وہ بے ساختہ اچھل پڑا۔ خالی نشست اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ رخسانہ اور سمن اپنی جگہ سے غائب تھیں۔

اس نے بوکھلا کر فوراً اسٹیئرنگ پر کچھ پھونکا۔ دوسرے ہی لمحے اسٹیئرنگ پر ایک کھوپڑی نمودار ہو گئی۔

''وہ دونوں کہاں ہیں؟'' کالی داس غرایا۔

''انہیں شاستری کا غلام ہرنام چند لے گیا ہے۔'' کھوپڑی سے آواز خارج ہوئی۔

''اوہ......!'' کالی داس چونکا۔ ''کہاں لے گیا ہے؟''

''لال قلعہ کی طرف...... ابھی وہ وہاں نہیں پہنچا مہاراج۔'' کھوپڑی نے بتایا۔

کالی داس نے غصے کی شدت سے جبڑے بھینچے اور کھوپڑی پر پھونک ماری۔ فوراً ہی وہ غائب ہو گئی۔ اس نے ٹیکسی موڑی اور واپس شہر کی طرف چل دیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی ٹیکسی ایک جگہ خود بخود رک گئی۔ کالی داس نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا تو بائیں ہاتھ پر ایک درخت کے پاس کھڑے شخص نے ہاتھ سے اسے اشارہ کیا۔ کالی داس نے اُسے فوراً پہچان لیا۔ وہ شنکر لال تھا۔ کالی داس تیزی سے ٹیکسی سے اتر کر اس کے قریب پہنچا۔ ''مہاراج! یقین کریں اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تو......!''

''خاموش رہو کالی داس۔'' شنکر لال نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''سب کچھ میرے علم میں آ چکا ہے۔ میں نے سمن کو محض اس لیے تمہارے حوالے کیا تھا کہ تم اسے اپنی قید سے آزاد نہ ہونے دو گے لیکن تم نے لاپروائی کی اور اسے اپنے غلام آنند کے حوالے کر کے عیاشی میں مصروف ہو گئے۔''

''میں نے اس غدار آنند کو عبرتناک سزا دے دی ہے مہاراج!'' کالی داس آہستہ سے بولا۔

''مجھے آنند کی سزا و جزا سے کوئی سروکار نہیں۔'' شنکر لال غرایا۔ ''شاستری کی بیٹی تمہاری گرفت سے نکل گئی ہے۔ اس طرح میں جیتی ہوئی آدھی بازی پھر ہار گیا۔ تمہیں پتا ہے وہ اب کہاں ہیں؟''

''ہاں۔ میں نے معلوم کر لیا ہے کہ وہ لال قلعے کی طرف گئی ہیں!''

''نہیں۔ اس وقت وہ بھابیہ سینما میں بیٹھی ہیں۔'' شنکر لال نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اور ہرنام چند کی روح ان کی رکھشا کر رہی ہے۔ شاستری کے حکم پر وہ انہیں لال قلعہ کی طرف لے جا رہا تھا کہ تمہارے ارادے کا علم ہونے پر شاستری نے انہیں وہاں جانے سے روک دیا۔''

''اوہ تو مجھے فوراً بھابیہ سینما پہنچنا چاہیے۔'' کالی داس تیزی سے بولا۔

''ہاں، شاستری اسی شہر میں ہے۔ میں اس کی کھوج میں جا رہا ہوں، تم ان دونوں کی چنتا کرو، جاؤ۔''

کالی داس پلٹ کر ٹیکسی کی طرف آیا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے شنکر لال کی طرف دیکھا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

پنڈت نارائن گوپال نے عادل کو تفصیل سے سمن اور رخسانہ کے اغوا کا قصہ بتایا۔ عادل غضبناک ہو کر بولا۔ ''اس کالی داس کی موت بہت بھیانک ہوگی۔ میں اس کی گردن اپنے ہاتھوں سے توڑوں گا۔''

''ملنگ پہلے تو تمہیں ان دونوں کے اغوا کا اُپائے کرنا چاہیے۔'' پنڈت نارائن نے سمجھایا۔ ''جب تک وہ ناریاں اس کے قبضے میں ہیں تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''تم کس مرض کی دوا ہو پنڈت جی؟'' عادل نے تلخی سے کہا۔

''میں اس مندر کی حد تک تم لوگوں کی حفاظت کر سکتا ہوں کیونکہ اس پر دیوی دیوتاؤں کا خاص کرم ہے اور اس کے اندر کسی انسانی جان کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔'' پنڈت نارائن نے بتایا۔ ''تم جا کر ان دونوں کو کالی داس کی گرفت سے نکال لاؤ۔ یہاں آنے کے بعد وہ ہر خطرے سے بے نیاز ہو جائیں گی۔''

''ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔ انتظار کرنا۔'' عادل کہہ کر پلٹا اور مندر سے نکل آیا۔ آبادی تک اسے پیدل چلنا پڑا۔ پھر اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھا اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی ٹیکسی ایک پٹرول پمپ پر رک گئی۔ ڈرائیور اس میں ڈیزل بھروانے لگا تو عادل کی چھٹی حس پھڑکنے لگی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پٹرول پمپ پر اس وقت ٹیکسی کے سوا کوئی گاڑی نہیں تھی اور عملہ بھی کم تھا۔ پمپ کے ایک گوشے میں سروس پلیٹ فارم تھا اور وہاں اندھیرے میں ایک انسانی آنکھ چمک رہی تھی جو غیر معمولی طور پر بڑی تھی۔ اسے دیکھ کر عادل چونکا اور سوچنے لگا کہ کیا اسرار ہے۔ اسی لمحے وہ آنکھ اس انداز میں جھپکی جیسے اسے قریب آنے کا اشارہ کر رہی ہو۔

تب وہ ٹیکسی سے اتر کر اس طرف بڑھ گیا۔ وہ قریب پہنچا تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ یہ وہی کھوپڑی تھی جو ایک بار اسے شاستری کا پیغام دینے آئی تھی۔ اس کے قریب پہنچتے ہی کھوپڑی سے آواز خارج ہونے لگی۔ ''شاستری مہاراج نے کہا ہے کہ سمن اور رخسانہ اس وقت بھاٹیہ سینما کے ہال میں موجود ہیں اور ہرنام چند کی روح ان کی حفاظت کر رہی ہے۔ وہاں پہنچو' اور انہیں لے کر پنڈت نارائن گوپال کے مندر میں چلے جاؤ۔''

اس کے ساتھ ہی کھوپڑی دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ عادل پلٹ کر ٹیکسی میں آ بیٹھا۔ ٹیکسی وہاں سے روانہ ہوئی تو اس نے ڈرائیور کو بھاٹیہ سینما میں چلنے کو کہہ دیا۔ تقریباً دس منٹ بعد ٹیکسی سینما کے سامنے رکی اس نے بل ادا کیا اور ٹیکسی سے اتر کر سینما میں داخل ہو گیا۔ ہال میں جانے کے لیے ٹکٹ لینا ضروری تھا۔ اس نے ٹکٹ خریدا اور ہال میں داخل ہو گیا۔ وہاں اندھیرا تھا لیکن رخسانہ اور سمن ہال کے آخری حصے میں بیٹھی نظر آ رہی تھیں۔ رش زیادہ نہ تھا۔ اس قطار کی آخری سیٹ خالی تھی۔ وہ اس طرف بڑھتا ہوا سمن اور رخسانہ کے آگے گزرتا ہوا ایک لمحہ کے لیے رکا اور انہوں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ انہیں ہاتھ سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں اُٹھ کر اس طرف آئیں جہاں وہ دیوار کے پاس کھڑا تھا۔

''آؤ...... ہمیں باہر چلنا ہے۔'' عادل نے آہستہ سے کہا۔

ہال سے باہر آ کر عادل نے ان سے کہا۔ ''مجھے تم پر گزرنے حالات کا پتہ چل گیا ہے اور شاستری مہاراج کا حکم ہے کہ تم دونوں کو یہاں سے پنڈت نارائن گوپال کے مندر میں لے جاؤں۔ آؤ۔''

چند لمحوں بعد وہ تینوں ایک ٹیکسی میں لال قلعے کی طرف روانہ ہوئے تو سمن اور رخسانہ نے اسے کالی داس اور اپنے اغوا کے بارے میں بتانے لگیں۔ تفصیلی واقعات سن کر عادل نے کہا۔

''پرانے مندر میں وہ ہم پر کوئی وار نہ کر سکے گا۔ ہرنام چند کی روح نے تمہیں کیسے سینما پہنچایا؟''

''پتا نہیں۔ دھوئیں سے ہم بے ہوش ہو گئی تھیں ہوش آیا تو سینما ہال میں بیٹھی تھیں۔'' رخسانہ نے بتایا۔

''بہر حال کل ہم وطن روانہ ہو جائیں گے۔'' عادل نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ شہر سے نکل کر لال قلعہ جانے والے ویران راستے پر پہنچے ہی تھے کہ اچانک ٹیکسی کا انجن گھر گھراہٹ کی تیز آواز خارج کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار کم ہوتی چلی گئی اور چند لمحوں بعد ٹیکسی رک گئی۔ انجن بند ہو چکا تھا۔ ڈرائیور ٹیکسی سے اترتا ہوا بولا۔ ''شاید انجن میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

وہ ٹیکسی کا بونٹ اٹھا کر چیک کرنے لگا۔ اب وہ بونٹ کی آڑ میں ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ تینوں بے چینی سے انجن ٹھیک ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ دو تین منٹ گزر گئے تو عادل بھی ٹیکسی سے اتر آیا لیکن پھر ڈرائیور کو انجن کے سامنے نہ پا کر حیران رہ گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہ گدھے کے سر سے سینگوں کی مانند غائب تھا۔

''کیا ہوا عادل؟'' رخسانہ ٹیکسی سے اترتی ہوئی بولی۔ ''ارے۔ یہ ڈرائیور کہاں چلا گیا؟''

''پتا نہیں۔'' عادل سٹپٹا کر بولا۔ ''اب کیا کریں؟''

اسی لمحے پیچھے سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ وہ بھی کوئی ٹیکسی معلوم ہوتی تھی کیونکہ اس کی چھت پر مخصوص روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ قریب آنے پر وہ ٹیکسی ہی ثابت ہوئی۔ عادل ہاتھ سے اسے رکنے کا اشارہ کرنے لگا لیکن رکنے کی بجائے اس کی رفتار ایکدم تیز ہو گئی۔ وہ فراٹے بھرتی ہوئی ان کے سامنے سے گزری اور پھر پندرہ بیس قدم آگے جا کر رک گئی۔ عادل جلدی سے اس کی طرف لپکا۔ رخسانہ وہیں کھڑی رہی۔ جونہی عادل اس ٹیکسی کے قریب پہنچا، اچانک اس کے سامنے ایک انسانی ڈھانچہ نمودار ہوا اور اس سے پہلے کہ عادل سنبھلتا، اس نے عادل کو اپنے استخوانی بازوؤں کی گرفت میں جکڑ کر زمین سے بلند کیا اور سڑک کے نشیب میں اچھال دیا۔

دھپ کی آواز کے ساتھ عادل سڑک کے نشیب میں کچی جگہ پر گرا اور کراہنے لگا۔ یہ دیکھ کر رخسانہ بے اختیار اس کی طرف لپکی اور قریب آ کر اسے سنبھالنے لگی۔ ٹیکسی میں بیٹھی سمن نے یہ سارا منظر دیکھا اور پریشان ہو گئی لیکن پھر ڈھانچے کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ بوکھلا گئی اور تیزی سے دروازہ کھول کر ٹیکسی سے نکل آئی۔ وہ ڈھانچہ سیدھا اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر اس سمت دوڑی جس طرف عادل اور رخسانہ تھے۔ مگر اسی لمحے ڈھانچے نے اس پر چھلانگ لگا دی۔

کمر میں چوٹ کے سبب عادل کے حلق سے کراہیں خارج ہو رہی تھیں۔ نشیب میں ہونے کے سبب یہاں سے سڑک کا منظر نظر نہ آ رہا تھا۔ رخسانہ نے اسے سہارا دے کر سیدھا کیا ہی تھا کہ سمن کی چیخ سنائی دی اور عادل اپنی تکلیف بھول کر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا اس ڈھانچے کا اصل نشانہ سمن ہے ورنہ وہ رخسانہ کو بھی اس کی طرف نہ آنے دیتا۔ وہ گرتا پڑتا اوپر پہنچا ہی تھا کہ ڈھانچے والی ٹیکسی روانہ ہوتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ بے ساختہ اس کی طرف دوڑا مگر وہ ٹیکسی آن کی آن میں نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

رخسانہ ہانپتی ہوئی اس کے قریب آئی ہی تھی کہ عادل پلٹ کر اپنی ٹیکسی کی طرف دوڑا۔ مگر قریب پہنچنے پر اس کے حلق سے گہرا سانس خارج ہو گیا۔ ٹیکسی خالی تھی۔ یقیناً وہ ڈھانچا سمن کو اپنی ٹیکسی میں ڈال کر لے گیا تھا۔

''ارے۔ یہ کون ہے؟'' دفعتاً رخسانہ ٹیکسی کے نیچے جھانکتی ہوئی بولی۔

عادل نے بھی نیچے جھانکا۔ کوئی شخص لیٹا ہوا تھا۔ عادل نے اس کی پتلون دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور تھا مگر اس کا جسم ساکت دکھائی دے رہا تھا۔ عادل نے اس کے دونوں پاؤں پکڑ کر اسے ٹیکسی کے نیچے سے باہر کھینچ لیا۔ اسے دیکھ کر رخسانہ خوف کی شدت سے چیخ پڑی۔ وہ ڈرائیور کی لاش تھی۔ اس کی گردن بری طرح کٹی ہوئی تھی اور آنکھیں کربناک انداز میں پھٹی ہوئی تھیں جیسے مرنے سے پہلے اس نے شدید اذیت برداشت کی ہو لیکن اس کی گردن یا لباس پر خون کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔

ڈرائیور کا دردناک انجام دیکھ کر غصے کے مارے عادل کا خون کھول اٹھا۔ یقیناً یہ سب کچھ کالی داس کا کمینہ پن تھا کہ اس نے ایک بے گناہ کو زندگی کی نعمت سے محروم کر دیا تھا۔

''آؤ رخسانہ۔ ہمیں اب پیدل سفر کرنا پڑے گا۔'' اس نے چند لمحوں بعد رخسانہ سے کہا جو خوف سے کانپ رہی تھی۔

''کک...... کہاں...... جائیں گے؟'' وہ خوف سے ہکلائی۔

''لال قلعہ۔ گھبراؤ مت۔'' عادل نے اس کی پشت پر تھپکی دی۔ ''تھوڑا سا فاصلہ ہے۔''

''مگر۔ سمن......!'' وہ اس کا ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔

''اس کی فکر مت کرو۔ شاستری مہاراج اس کے اغوا سے غافل نہ ہو گا۔ فی الحال ہم بے بس ہیں۔''

وہ دونوں پیدل ہی لال قلعے کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک گھنٹہ بعد وہ منزل کے قریب جا پہنچے۔ وہ پرانے مندر کے بند دروازے پر رکے ہی تھے کہ دروازہ ایک دم کھل گیا۔ کھولنے والا وہی بوڑھا اور مدقوق شخص پنڈت نرائن گوپال تھا۔ وہ انہیں اندر لے آیا۔ پوجا پاٹ والے کمرے میں پہنچ کر عادل اور رخسانہ اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر عادل نے پنڈت کے استفسار پر اسے سمن کے اغوا کا واقعہ بتایا۔

''سمجھ نہیں آتی، اب میں اسے کہاں تلاش کروں؟'' وہ آخر میں بڑبڑایا۔

''رام بھلی کرے گا۔ ملنگ تم چنتا مت کرو۔ ساتھ والے کمرے میں سکون سے آرام کرو۔ اس بے چاری کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ چاہو تو اس کے لیے الگ کمرہ بھی ہے۔''

''نہیں۔'' رخسانہ گھبرا کر بولی۔ ''تنہائی میں مجھے ڈر لگے گا۔ ہم دونوں ایک ہی کمرے میں رہیں گے۔''

''ملنگ، شاستری مہاراج کا پیغام آیا ہے تم ذرا باہر آؤ۔'' پنڈت نرائن گوپال نے عادل کو مخاطب کر کے کہا اور پلٹ کر باہر نکل گیا۔ عادل اٹھا تو رخسانہ بھی اُٹھ گئی۔ ''میں بھی چلتی ہوں۔''

عادل نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ وہ دونوں بڑے کمرے میں پہنچے تو پنڈت نرائن گوپال وہاں تنہا نہ تھا۔ اس کے پاس ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ چہرے اور لباس سے وہ شہر کا کوئی معزز آدمی دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ شاستری مہاراج کا سیوک رام دیال ہے۔'' پنڈت نے اس آدمی کے بارے میں بتایا۔

''ملنگ۔ مجھے شاستری مہاراج نے بھیجا ہے کہ تمہاری دوست لڑکی رخسانہ کو بہ حفاظت سرحد سے پار پہنچا دوں۔'' رام دیال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جبکہ تم یہاں......''

''نہیں!'' رخسانہ تیزی سے بولی۔ ''میں ملنگ کے بغیر نہیں جاؤں گی۔''

''مگر یہ شاستری مہاراج کا حکم ہے رخسانہ۔'' عادل نے اس کی طرف دیکھا۔

''مہاراج ہو گا تو تمہارے لیے۔ میں اس کے حکم کی پابند نہیں ہوں۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو رخسانہ۔ تم رام دیال کے ساتھ جاؤ۔ میں بھی کل شام تک......''

''ہرگز نہیں۔ میں تمہارے بغیر وطن واپس نہیں جاؤں گی۔'' رخسانہ نے حتمی انداز میں کہا۔

''رام دیال۔ تم اسے کیسے سرحد پار لے جاؤ گے؟'' عادل نے رام دیال سے پوچھا۔

''میں اسے امرتسر لے جاؤں گا۔ وہاں سے بارڈر کراس کر کے ہم پاکستان پہنچ جائیں گے۔''

''یوں کرو تم اسے امرتسر لے جاؤ اور کل شام تک میرا انتظار کرو۔'' عادل نے ہدایت کی۔ ''میرے آنے تک یہ وہیں رہے گی۔''

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' رام دیال اٹھتا ہوا بولا۔ ''تمہارے آنے تک میں اسے شیوا جی کے مندر میں رکھوں گا۔''

رخسانہ کو اس شرط پر آمادہ ہو گئی کہ عادل کے بغیر سرحد پار نہیں جائے گی۔ اس کے چند لمحوں بعد وہ رام دیال کے ہمراہ مندر سے رخصت ہو گئی۔ عادل پنڈت سے باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک کمرے میں ایک انسانی کھوپڑی نمودار ہوئی اور عادل کے سامنے ہوا میں معلق ہو گئی۔

''ملنگ۔ شاستری مہاراج قلعے کے مغربی کونے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' کھوپڑی سے انسانی

آواز خارج ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چھت کی طرف برق رفتاری سے بلند ہوئی اور غائب ہوگئی۔

عادل کھڑا ہوگیا۔ ''اچھا پنڈت جی۔ مجھے آگیا دیں۔ مہاراج میرا انتظار کر رہے ہیں۔'' اس نے پنڈت نرائن گوپال سے کہا۔

پھر وہ مندر سے باہر آیا اور پیدل ہی قلعے کے غربی گوشے کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔ قلعے کی اس نکڑ پر قدرے تاریکی تھی اور وہاں ایک انسانی ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔ عادل اس کے قریب پہنچا تو اسے پہچان لیا۔ وہ شاستری ہی تھا۔ عادل نے اسے سلام کیا۔

''ملنگ۔ شنکر لال میری تلاش میں یہاں پہنچ چکا ہے۔ وہ بھدرا دیوی کی سادھی سے نئی شکتی حاصل کر کے آیا ہے اس لیے مجھے اس کا قصہ تمام کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔'' شاستری نے کہا۔ ''سمن کالی داس کی گرفت میں ہے۔ وہ اسے اپنے آشرم لے گیا ہے۔ تم سمن کو آزاد کرا کے وطن لے جاؤ۔''

''بہت بہتر۔ مگر مجھے اس کے آشرم کا پتا معلوم نہیں ہے۔''

''اصل میں یہ آشرم اس کے دوست شیام بیوپاریہ کا ہے جو شہر کا بہت بڑا ساہوکار ہے۔ اسے ایک غریب آدمی سے دولت مند سیٹھ کالی داس نے ہی بنایا تھا اس لیے شیام اس کا بے دام غلام ہے۔ شہر میں اس کے کئی بنگلے ہیں جن میں سے ایک کو اس نے کالی داس کی عیاشیوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ اب تم روانہ ہو جاؤ'' اتنا کہہ کر شاستری مڑا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا تاریکی میں غائب ہوگیا۔

☆☆☆

ہوش میں آنے پر خود کو ایک نرم و گداز بستر پر پا کر اسے حیرت ہوئی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا جدید فرنیچر سے آراستہ اس کمرے میں وہ ایک کشادہ اور منقش پلنگ پر دراز تھی۔ چھت سے فانوس لٹک رہا تھا۔ جس کی روشنی سے پورا کمرہ منور ہو رہا تھا۔ کمرے کے درمیان میں ایک خوبصورت میز اور اس کے قریب ایک کرسی رکھی تھی۔ میز پر شیشے کا جگ اور گلاس رکھا تھا اور وہ جگ سرخ ارغوانی رنگ کے شربت سے بھرا ہوا تھا۔ بائیں جانب کی دیوار میں ایک دروازہ تھا جو بند نظر آ رہا تھا جبکہ سامنے والی دیوار میں واقع کھڑکی بھی بند تھی جس کے اوپر ایک روشندان کھلا تھا۔

اس نے ذہن پر زور دیا اور فوراً ہی اسے بے ہوشی سے پہلے کے واقعات یاد آ گئے۔ پھر وہ اٹھی اور بستر سے اتر آئی۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ قریب پہنچ کر اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ نہ کھلا شاید وہ باہر سے مقفل تھا۔ مایوس ہو کر وہ پلٹی اور بستر پر آ بیٹھی۔ چند لمحوں بعد اس کے خوفزدہ اعصاب کچھ پُرسکون ہوئے تو وہ سوچنے لگی کہ یہ کون سی جگہ ہے اور اسے اغوا کرنے والا ڈھانچا کون تھا؟ عادل کا کیا انجام ہوا؟ کیا رخسانہ کو بھی یہاں لایا گیا ہے؟

دفعتاً دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آ گئی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا تو بے ساختہ اچھل پڑی۔ اسے اغوا کرنے والا ڈھانچہ دروازے میں کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پورے چہرے پر اس کی صرف دو آنکھیں ہی سلامت تھیں جو انتہائی خوفناک تھیں۔

''لڑکی باہر آؤ۔ مہاراج نے تمہیں طلب کیا ہے۔'' ڈھانچے کے منہ سے تحکمانہ آواز خارج ہوئی۔

''تت۔ تم۔ تم کون ہو۔ یہ کون سی جگہ ہے؟'' وہ خوف سے ہکلانے لگی۔

''میں مہاراج کالی داس کا غلام بھگت سنگھ ہوں اور یہ مہاراج کا آشرم ہے۔'' ڈھانچے نے بتایا۔

''اس نے مجھے کیوں طلب کیا ہے؟ کیا چاہتا ہے وہ مردود؟'' کالی داس کا نام سن کر اسے غصہ آ گیا۔

''معلوم نہیں۔ میں صرف اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ جلدی کرو۔''

سمن باہر آئی تو بھگت سنگھ نے بائیں جانب اپنے پنجے سے اشارہ کیا۔ اس طرف راہداری میں کئی کمرے تھے جن میں سے بائیں جانب کا تیسرا کمرہ روشن تھا اور ڈھانچے کا اشارہ بھی اسی کمرے کی طرف تھا۔ وہ اس طرف بڑھی تو بھگت سنگھ اس کے پیچھے چل پڑا۔ روشن کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر سے کسی لڑکی کے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے قریب پہنچ کر اندر نظر ڈالی۔ اس کمرے میں شاندار آرام دہ صوفوں پر کل تین افراد موجود تھے۔ ان میں بائیں جانب کے صوفے پر ایک بھاری توند والا ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا جس کے ہاتھوں میں پہنی سونے کی انگشتریوں میں ہیرے جگمگا رہے تھے۔ سامنے والے صوفے پر کالی داس بیٹھا تھا۔ ایک خوبرو اور نوجوان حسینہ اس کی آغوش میں اس کے زانو پر سر رکھے دراز تھی۔ کالی داس کا ایک ہاتھ اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا اور لڑکی یوں مچل رہی تھی جیسے اسے گدگدی ہو رہی ہو۔

''اندر جاؤ!'' عقب سے بھگت سنگھ کی آواز ابھری۔

سمن کمرے میں داخل ہوئی۔ کالی داس نے اس کی طرف دیکھا اور لڑکی کو اپنی آغوش سے ایک طرف کر دیا۔ موٹا آدمی سمن کی طرف متحیرانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی بھی اس کی طرف متوجہ تھی۔

''یہ کون ہے مہاراج......!'' اس لڑکی نے کالی داس سے پوچھا۔

''اسی کے بارے میں تو تمہیں بتا رہا تھا۔'' کالی داس ہنسا۔ ''یہ شنکر لال کے دشمن کی بیٹی سمن ہے۔''

''سمن!'' موٹے آدمی نے مسکراتے ہوئے اس کا نام دہرایا۔ ''نام تو بہت خوبصورت ہے مہاراج!''

''کیا تمہیں یہ پسند ہے؟''

''پسند تو ہے مہاراج۔ مگر اسے تو آپ اپنے لئے لائے ہیں۔''

''درست ہے۔ مگر شیام تم جانتے ہو کہ میں دوستوں پر اپنی پسند کو بھینٹ چڑھا دیا کرتا ہوں۔''

''آپ کی کرپا ہے مہاراج لیکن آپ سے پہلے میں اسے چھونا گناہ سمجھتا ہوں۔'' موٹے نے ادب

سے کہا جس کا نام شیام تھا۔

''میں تمہیں یہ لڑکی دان کرتا ہوں شیام۔'' کالی داس نے ہنس کر کہا۔ ''میں کافی تھکا ہوا ہوں اور میرے لیے رشا ہی بہت ہے آج کے لیے۔ یوں بھی میں شنکر لال کی اجازت کے بغیر سمن سے لطف حاصل نہیں کر سکتا لیکن اس نے میری قید سے فرار ہو کر جس طرح مجھے خوار کیا ہے اس کی سزا بھی دینا ضروری ہے۔''

''شکریہ مہاراج۔'' شیام خوش ہو کر بولا۔ ''میں آپ کا یہ تحفہ قبول کرتا ہوں۔''

''بس تو اسے دوسرے کمرے میں لے جاؤ اور اس کی آبرو کا تار تار الگ کر دو۔'' اس نے سمن کی طرف دیکھا اور سخت لہجے میں بولا۔ ''سمن! اس کے ساتھ جاؤ۔ یہ میرا پرانا سیوک اور یار ہے۔ اسے پوری طرح خوش کرنا۔''

''بکواس مت کرو ذلیل کتے۔'' سمن ایک دم پھٹ پڑی۔ ''میں لعنت بھیجتی ہوں تمہارے دوست پر اور تم پر۔ تم اپنے شیطانی ارادوں میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ اس نے مجھے انگلی بھی لگائی تو میں اس کی توند پھاڑ دوں گی۔''

اس کی دھمکی سن کر شیام پریشان نظر آنے لگا۔ کالی داس نے سمن کو گھورتے ہوئے غضبناک لہجے میں کہا۔ ''زبان کو لگام دو حرافہ...... تم میری قید میں بے بس ہو اور میں جو چاہوں گا، وہی ہو گا۔''

''ہرگز نہیں۔ میں اتنی بے بس نہیں ہوں کہ اپنی آبرو کی حفاظت بھی نہ کر سکوں۔''

''مہاراج! یہ ناری تو بہت خطرناک معلوم ہوتی ہے۔'' شیام متفکر لہجے میں بولا۔

''فکر مت کرو۔ یہ خطرناک نہیں رہے گی۔'' کالی داس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس نے تالی بجائی اور باہر کھڑا ڈھانچا بھگت سنگھ اندر آ گیا۔ کالی داس نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''بھگت سنگھ۔ شاستری کی بیٹی کو شیام کے کمرے میں پہنچا دو۔ انکار کرے تو اس کا حسین چہرہ نوچ کر بدصورت بنا دینا۔''

بھگت سنگھ سمن کی طرف بڑھا اور اپنے ایک ہاتھ کے پنجے میں اس کی کلائی جکڑ لی۔ پھر وہ اسے گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ سمن چیخنے چلانے اور اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگی لیکن ڈھانچے نے اسے نہ چھوڑا۔ کمرے سے باہر آ کر وہ دائیں ہاتھ کے آخری کمرے کی طرف اسے گھسیٹنے لگا جس کے قریب ہی اوپر جانے والے زینے دکھائی دے رہے تھے۔ بھگت سنگھ اسے لیے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا اور ایک ہاتھ سے دروازے کے پاس نصب سوئچ آن کر دیا۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

سامنے والی دیوار کے پاس کافی بڑا پلنگ رکھا تھا جس پر ریشمی بستر بچھا ہوا تھا۔ سرہانے ایک میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھا تھا۔ میز کے قریب ہی ایک کرسی پڑی تھی۔ بھگت سنگھ کے ڈھانچے نے سمن کو

اٹھا کر بستر پر پٹخ دیا پھر پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ اسی لمحے شیام اندر آیا اور دروازہ بند کر کے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ سمن اٹھ کر بیٹھ گئی اور اسے خونخوار نگاہوں سے گھورنے لگی۔

''غصہ تھوک دو سمن۔ ورنہ لطف کرکرا ہو جائے گا۔'' شیام قریب آ کر بولا۔

''بکواس مت کرو کتیا کے بچے!'' وہ غضبناک ہو گئی۔ ''میں تمہاری ناپاک خواہش کبھی پوری نہ ہونے دوں گی۔''

''وقت ضائع مت کرو۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ غرائی۔ ''تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو میں تمہارا خون پی جاؤں گی خبیث آدمی۔''

شیام غضبناک ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور سمن کی قمیض کا گریبان پکڑ لیا۔

☆☆☆

رام دیال رخسانہ کے ساتھ امرتسر کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور اب عادل کو صرف سمن کی فکر تھی جس کے بارے میں شاستری نے بتایا تھا کہ وہ کالی داس کے سیوک سیٹھ شیام اچاریہ کے ایک بنگلے میں قید تھی۔ وہ اسے آزاد کرانے جا رہا تھا۔ ٹیکسی اس وقت دہلی کی ایک کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ جس کے دونوں اطراف میں بڑے بڑے بنگلے اور کوٹھیاں تھیں۔ شاستری کے بتائے پتے پر پہنچ کر اس نے ٹیکسی ایک گلی کی نکڑ پر رکوائی اور اتر کر کرایہ ادا کرنے کے بعد گلی میں داخل ہو گیا۔

گلی کشادہ تھی اور اس میں کئی بنگلے تھے۔ اس وقت گلی بالکل سنسان پڑی تھی۔ وہ بائیں ہاتھ کے تیسرے بنگلے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ بنگلے کا آہنی گیٹ بند تھا اور احاطے کی دیوار کم از کم پندرہ فٹ بلند تھی۔ اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ خفیہ طور پر اندر جانا چاہتا تھا تاکہ بنگلے کے مکینوں کو خبر نہ ہو سکے۔ گیٹ پر چوکیدار کی موجودگی کا امکان تھا چنانچہ اس نے دیوار پھاندنے کا فیصلہ کیا۔

وہ اس بنگلے کی نکڑ پر پہنچا جہاں دیوار کے ساتھ ہی ایک بلند درخت تھا۔ درخت کی ایک موٹی ڈال دیوار کے اوپر سے اندر کو جھکی ہوئی تھی۔ عادل درخت پر چڑھا اور اس ڈال کے ذریعے اندر اتر گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہاں روشنی پھیل گئی۔ روشنی میں اسے اپنے دائیں بائیں دو انسانی ڈھانچے کھڑے دکھائی دیئے۔ وہ ڈھانچے بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھے۔ عادل نے تیزی سے خود پر ایک سحر پھونکا اور آگے بڑھنے لگا۔ ڈھانچے قریب آ پہنچے۔ پھر ان میں سے ایک نے پنجہ بڑھا کر عادل کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن جونہی اس کے پنجے عادل کے بدن سے مس ہوئے، وہ چیختا ہوا پیچھے جا گرا اور ساکت ہو گیا۔ دوسرے نے عادل کو پکڑنا چاہا تو اس کا بھی وہی انجام ہوا۔

دوسرے کے گرتے ہی وہاں پھر اندھیرا پھیل گیا۔ روشنی میں عادل گیٹ کا جائزہ لے چکا تھا وہاں

کوئی چوکیدار یا دوسرا ذی روح موجود نہ تھا۔ چنانچہ وہ عمارت کے برآمدے کی طرف بڑھنے لگا برآمدے میں داخل ہوتے ہی ایک بار پھر روشنی ہوگئی اور سامنے واقع راہداری سے کئی کفن پوش مردے نکل کر اس کے گرد پھیل گئے۔ وہ زندہ مردے تھے اور ان کی کھلی آنکھیں بے نور تھیں۔ وہ تعداد میں پانچ تھے۔

ایک مردے نے کڑک کر عادل سے کہا۔ ''یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔''

اس کی دھمکی سن کر عادل نے جواب دینے کی بجائے ایک سحر پڑھ کر اس کی طرف پھونکا۔ دوسرے ہی لمحے اس مردے کے کفن میں آگ لگ گئی اور خشک لکڑی کی طرح جلتا ہوا چیخنے چلانے لگا۔ یہ دیکھ کر دوسرے مردے فوراً آگے بڑھے اور انہوں نے عادل پر حملہ کر دیا۔ عادل کو ان پر سحر پھونکنے کا موقع نہ ملا اور وہ فرش پر گر گیا۔ ٹھیک اسی لمحے برآمدے کی چھت کے پاس ایک کھوپڑی نمودار ہوئی جس کی آنکھیں روشنی کی لہریں خارج کر رہی تھیں۔ وہ لہریں ایک مردے پر پڑیں اور چشم زدن میں وہ راکھ بن کر فرش پر بکھر گیا۔ دوسرے مردے چیختے چلاتے باہر کو بھاگے مگر کھوپڑی نے انہیں مہلت نہ دی۔ وہ ان کے پیچھے لپکی اور اس کی آنکھوں سے خارج ہونے والی شعاعیں ان مردوں پر پڑیں نتیجے میں وہ بھی راکھ بن گئے۔

عادل فرش سے اٹھا اور راہداری میں داخل ہو گیا۔ آخری کمرے کے پاس پہنچ کر وہ رکا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے ایک سحر پڑھ کر اس پر پھونکا اور دروازہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھل گیا۔ اس نے اندر جھانکا اور فوراً ہی چیخ پڑا۔ ''رک جاؤ شیطان!''

سمن کا گریبان پھٹ چکا تھا۔ اس پر جھکے موٹے شخص نے جلدی سے اس کا گریبان چھوڑا اور پلٹ کر دیکھا۔ ''تم کون ہو!'' وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

سمن اپنا پھٹا ہوا گریبان پکڑ کر بستر سے اتری اور میز پر رکھی شراب کی بوتل اٹھا کر پوری قوت سے شیام کے سر پر دے ماری۔ شیام چیخا اور فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا اور وہاں سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔

''یہ کون ہے سمن؟'' عادل نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

ٹھیک اسی لمحے ایک غراہٹ گونجی۔ ''تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے مورکھ۔''

عادل نے پلٹ کر دیکھا تو دروازے میں ایک انسانی ڈھانچا کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ سمن نے بھگت سنگھ کے ڈھانچے کو دیکھا تو سہم کر عادل کی پشت سے چپک گئی۔ عادل نے تیزی سے ایک سحر پڑھ کر بھگت سنگھ کی طرف پھونکا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

''تمہارا کوئی منتر مجھ پر اثر نہیں کر سکتا پاپی۔ میں مہاراج کالی داس کا غلام بھگت سنگھ ہوں اور اس نے مجھ میں ناقابل تسخیر قوتیں بھر دی ہیں۔ بے شک اپنی ساری طاقت آزما کر دیکھ لو۔'' وہ ہنستا ہوا بولا۔

عادل نے اس پر ایک اور سحر پھونکا مگر وہ بھی بے اثر ثابت ہوا۔ تب وہ پریشان ہو گیا۔ بھگت سنگھ کے ڈھانچے نے قہقہہ لگایا اور آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''اب تم سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ کیونکہ قتل کا بدلہ قتل ہی ہوتا ہے۔''

عادل نے جواب دینے کی بجائے قریب پڑی ہوئی کرسی پر ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے کرسی اٹھا کر ڈھانچے پر حملہ کر دیا۔ کرسی اس کے شانے پر پڑی اور اس کے بازو کی ہڈی شانے سے ٹوٹ کر فرش پر گر گئی لیکن اس نے دوسرے ہاتھ کے پنجے سے عادل کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا اور عادل لڑکھڑاتا ہوا چند فٹ دور جا گرا۔ بھگت سنگھ کا ڈھانچہ دوبارہ اس کی طرف بڑھا۔ عادل پھرتی سے اٹھا اور دوبارہ کرسی اٹھا کر اس پر دے ماری۔ ڈھانچے کا دوسرا بازو بھی ٹوٹ گیا۔

سمن ایک طرف سہمی ہوئی کھڑی ان کی جنگ دیکھ رہی تھی۔ جونہی ڈھانچے کا دوسرا بازو ٹوٹ کر پنجر سے الگ ہوا، وہ ڈھانچا فرش پر گرا اور پلک جھپکنے میں ایک لحیم شحیم بھیڑیئے میں تبدیل ہو گیا۔ عادل نے دیکھا تو اس نے تیزی سے چند الفاظ زیر لب پڑھے۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک خونخوار شیر بن چکا تھا۔ اسی لمحے بھیڑیے نے غراتے ہوئے شیر پر حملہ کر دیا۔ عادل کو شیر کے روپ میں دیکھ کر سمن جلدی سے پلنگ پر چڑھ گئی اور ان کی لڑائی دیکھنے لگی۔ شیر اور بھیڑیا ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

جلد ہی شیر کے جبڑوں میں بھیڑیئے کی گردن آ گئی اور بھیڑیا تڑپنے لگا۔ شیر نے اپنے نوکیلے دانتوں سے بھیڑیئے کی گردن بھنبھوڑ ڈالی چند لمحوں بعد ہی بھیڑیئے نے دم توڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا جسم دوبارہ ڈھانچے میں تبدیل ہو گیا۔ شیر بھی دوبارہ انسانی جسم میں آ گیا۔ سمن نے اطمینان کا سانس لیا اور پلنگ سے اتر کر عادل کے قریب آ گئی۔ فرش پر شیام کا خون پھیلا ہوا تھا اور وہ مر چکا تھا۔

''کیا یہ کالی داس تھا؟'' عادل نے شیام کے بارے میں پوچھا۔

''نہیں۔ وہ دوسرے کمرے میں ایک فاحشہ کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔''

''اوہ...... میں سمجھا یہی کالی داس تھا۔'' عادل چونکتا ہوا بولا۔ ''تو وہ خبیث ابھی رہتا ہے۔''

''کالی داس کبھی نہیں مر سکتا شاستری کے غلام۔'' دفعتاً دروازے کی طرف سے ایک غضبناک آواز سنائی دی۔

سمن اور عادل نے بیک وقت اس طرف دیکھا تو دروازے پر کالی داس کھڑا انہیں خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

امرتسر جانے والی ٹرین اپنی مخصوص رفتار سے چل رہی تھی۔ رام دیال اور رخسانہ جس کمپارٹمنٹ میں

آمنے سامنے بیٹھے تھے اس میں خاصا رش تھا۔ دہلی سے انہیں ڈائریکٹ ٹرین نہ مل سکی تھی چنانچہ انہیں ڈیڑھ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے ایک ریلوے جنکشن سے اس ٹرین میں سوار ہونا پڑا تھا۔ اس وقت صبح کے پانچ بج رہے تھے اور تقریباً تمام ہی مسافر سو رہے تھے، یا غنودگی کے عالم میں تھے۔ صبح ہونے میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا اور ٹرین کے باہر ابھی تک رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

رام دیال جاگ رہا تھا لیکن رخسانہ اپنی نشست پر بیٹھی سو رہی تھی۔ اچانک گاڑی کی رفتار ماند پڑنے لگی۔ رام دیال نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ باہر دور دور تک کسی آبادی کا نام ونشان نہ تھا۔ آہستہ آہستہ گاڑی کی رفتار اتنی کم ہو گئی کہ جیسے رینگ رہی ہو۔ پھر ہلکا سا جھٹکا لگا اور ٹرین رک گئی۔ باہر کوئی اسٹیشن یا آبادی نہ تھی اس لیے رام دیال کو سوچنا پڑا کہ گاڑی کیوں رک گئی۔ چند لمحوں بعد وہ اٹھا اور سوئے ہوئے مسافروں کے پاس سے گزرتا ہوا دروازے میں جا پہنچا۔ اسی لمحے ایک ریلوے ٹکٹ چیکر اوپر آ گیا۔ اس نے رام دیال سے ٹکٹ دکھانے کو کہا۔

''گاڑی کیوں رک گئی ہے سرکار؟'' رام دیال نے اپنا اور رخسانہ کا ٹکٹ دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''ہو گی کوئی وجہ۔ بہر حال فکر کی کوئی بات نہیں۔ دوسرا ٹکٹ کس کا ہے؟'' چیکر نے ٹکٹ چیک کیے۔

''میری بھانجی کا۔'' اس نے کمپارٹمنٹ کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ ادھر کھڑکی کے پاس بیٹھی ہے۔''

چیکر سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ رام دیال دروازے سے چہرہ باہر نکال کر انجن کی سمت دیکھنے لگا۔ ٹرین اس وقت ایک ویرانے میں رکی ہوئی تھی اور انجن سے آگے ایک سگنل کی سرخ بتی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً سرخ بتی بجھ گئی۔ رام دیال سمجھ گیا کہ اب سبز بتی جلے گی اور ٹرین چل پڑے گی۔ چنانچہ وہ واپس اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

رخسانہ جاگ گئی تھی۔ اس نے رام دیال کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''آپ کہاں چلے گئے تھے؟ گاڑی کیوں رکی ہوئی ہے؟''

''سگنل بند تھا۔'' رام دیال اس کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔ ''پر گاڑی چلنے والی ہے۔''

رخسانہ کچھ نہ بولی۔ وہ عادل اور سمن کے بارے میں سوچنے لگی تھی کہ نجانے وہ اب کس حال میں ہوں گے۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ تین چار منٹ گزر گئے مگر ٹرین حرکت میں نہ آئی۔ رام دیال کو حیرت ہوئی۔ رخسانہ گرمی محسوس کر رہی تھی کیونکہ ٹرین رکنے پر برقی رو کمزور ہو جانے کے باعث پنکھے کی رفتار خاصی کم ہو گئی تھی۔

''نہ جانے کمبخت کب چلے گی۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''کہیں ڈرائیور سو تو نہیں گیا۔''

''ٹھہرو...... میں پھر دیکھتا ہوں۔ سرخ بتی تو بند ہو گئی تھی۔'' رام دیال اٹھتا ہوا بولا۔

''آپ بیٹھیں، میں دیکھ کر آتی ہوں۔'' وہ تیزی سے کھڑی ہو گئی۔

وہ درمیان میں فرش پر سوئے ہوئے مسافروں کو پھلانگتی ہوئی دروازے میں آ گئی اور باہر جھانکنے لگی۔ سامنے کچھ فاصلے پر گہری سیاہی کسی جنگل کا پتا دے رہی تھی۔ انجن کی سمت میں کسی سگنل کی سرخ یا سبز روشنی نظر نہ آ رہی تھی۔ چند ایک مسافر ٹرین سے اتر کر ٹہل رہے تھے۔ کچھ ٹرین کی مخالف سمت میں یعنی جنگل کی طرف منہ کئے رفع حاجت میں مشغول تھے۔ ٹرین کے اندر کی روشنی باہر پڑ رہی تھی۔ اس لیے ٹرین سے چند فٹ دور تک دکھائی دے رہا تھا۔ دروازے کے سامنے زمین پر ایک عورت کھڑی ساڑھی کے پلو سے پسینہ صاف کر رہی تھی۔ اس نے رخسانہ کو دیکھا تو ہاتھ لہرایا۔

''نیچے آ جاؤ بہن...... یہاں ہوا لگ رہی ہے۔ اندر تو بہت حبس ہو گیا ہے۔''

رخسانہ نے سوچا، نہ جانے ٹرین کب روانہ ہو، خواہ مخواہ گرمی میں بیٹھے رہنے کا کیا فائدہ؟ چنانچہ وہ نیچے اتری اور اس عورت کے پاس آ کر رک گئی۔ وہ اچھی خاصی قبول صورت اور جوان عورت تھی۔

''آپ کو کہاں جانا ہے؟'' اس نے رخسانہ سے پوچھا۔

''امرتسر......'' رخسانہ بولی۔ ''ابھی کتنی دور ہے؟''

''میں نے بھی امرتسر جانا ہے۔ کیا آپ پہلی بار جا رہی ہیں؟'' عورت نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ اسی لیے پتا نہیں کہ کتنا سفر باقی ہے۔'' رخسانہ مسکرائی۔

''آؤ ذرا۔ ادھر رفع حاجت کرنا چاہتی ہوں مگر تنہا جانے سے ڈر لگتا ہے۔'' عورت نے دوستانہ انداز میں رخسانہ کا ہاتھ تھام لیا۔

اخلاقاً وہ انکار نہ کر سکی اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ ٹرین سے چند قدم کے فاصلے پر گھنی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہاں پہنچ کر اس عورت نے رخسانہ کا ہاتھ چھوڑا اور ایک جھاڑی کی آڑ میں چلی گئی۔ رخسانہ اس کا انتظار کرتی ہوئی پلٹ کر ٹرین کی طرف دیکھنے لگی۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ عقب سے اچانک ایک ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا۔ دوسرے ہاتھ نے اس کی کمر کو گرفت میں لے لیا۔ رخسانہ تڑپ کر پلٹی اور گرفت میں لینے والے کو دیکھ کر اس کی خوف کے مارے چیخ نکل گئی لیکن منہ بند ہونے کے سبب چیخ حلق سے باہر نہ آ سکی۔

وہ کوئی انسانی ڈھانچا تھا جس نے اسے بازو کے حلقے میں جکڑا ہوا تھا اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا رکھا تھا۔ اندھیرے میں اس کی چمکتی سرخ سرخ آنکھوں سے انتہائی خونخواری جھانک رہی تھی۔ رخسانہ نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی اور ڈھانچا اسے گھسیٹتا ہوا جھاڑیوں کے

عقب میں لے آیا۔ اسی لمحے ٹرین نے وسل دی اور چل پڑی۔ مگر رخسانہ کو ٹرین کی طرف دیکھنے کا ہوش کہاں تھا۔ ڈھانچا اسے اپنی گرفت میں جکڑے ہوئے تھا۔ چند لمحوں بعد ڈھانچے نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا تو وہ چلانے لگی۔ ''بچاؤ۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔''

مگر اس کی چیخ و پکار سننے والا وہاں کوئی نہ تھا۔ ٹرین کافی آگے بڑھ چکی تھی اور سامنے سے اس کی آخری بوگی گزر رہی تھی۔

''خاموش ہو جاؤ فاحشہ......!'' دفعتاً قریب سے ہی ایک غراہٹ آمیز آواز اُبھری۔

اس کے ساتھ ہی ڈھانچے کی آنکھوں سے تیز روشنی خارج ہونے لگی جس سے وہاں اُجالا ہو گیا۔

رخسانہ نے سر گھما کر آواز کی سمت دیکھا اور خوف کی شدت سے اس کی روح فنا ہونے لگی۔ وہ شنکر لال کا گرگا سوامی راج کپور تھا جس نے اسے اپنے ایک غلام اننت دیو کے حوالے کیا تھا مگر رشی سوبھراج نے اسے اننت دیو کی گرفت سے آزاد کرا لیا تھا۔

''اسے چھوڑ دو...... یہ اب کہیں نہیں جا سکتی۔'' سوامی راج کپور نے ڈھانچے سے کہا۔

ڈھانچے نے رخسانہ کو اپنی گرفت سے آزاد کرا لیا۔ تب سوامی نے بڑھ کر رخسانہ کی کلائی پکڑ لی اور ریلوے لائن کی مخالف سمت میں بڑھتا ہوا ڈھانچے سے بولا۔

''اس کا محافظ رام دیال ٹرین سے اتر کر ادھر آ رہا ہے۔ اسے فنا کر دینا۔''

ڈھانچا وہیں کھڑا رہا۔ رخسانہ خوف سے لرزتی گھسٹنے والے انداز میں سوامی راج کپور کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ جنگل کا آغاز ہو گیا تھا۔ سوامی راج کپور نے دوسرے ہاتھ پر کچھ پھونکا اور اس کی درمیانی انگلی موم بتی کی مانند جلنے لگی۔ اس کی روشنی میں وہ تقریباً پچاس ساٹھ قدم چلنے کے بعد برگد کے ایک بہت بڑے درخت کے پاس رک گیا۔ اس درخت کا تنا کافی موٹا تھا۔ سوامی راج کپور نے چند الفاظ پڑھ کر برگد کے تنے پر پھونکا اور فوراً ہی تنے میں ایک دروازہ نما چوکور شگاف نمودار ہو گیا۔

''سنو حرافہ!'' سوامی راج کپور نے رخسانہ کو خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے غضبناک لہجے میں کہا۔

''تمہاری وجہ سے مجھے مہاراج شنکر لال کے سامنے بہت شرمندہ ہونا پڑا ہے لیکن اب تم یہاں سے قیامت تک فرار نہ ہو سکو گی۔ یہ بدروحوں کا کنڈل ہے جو انسانی خون کی پیاسی ہیں۔ تمہیں شنکر لال کے حوالے کر کے ہی میں اس کی نگاہوں میں سرخرو ہو سکتا ہوں۔ اس لیے اس کے آنے تک تمہیں اس کنڈل میں رہنا ہے۔ چلو اس میں داخل ہو جاؤ۔''

''نہیں۔ نہیں۔'' وہ خوف سے چیخی۔

لیکن سوامی راج کپور نے ایک دم اسے دونوں شانوں سے پکڑ کر اس شگاف میں دھکیل دیا۔ اس کے

ساتھ ہی شگاف بند ہو گیا اور خوفناک آوازیں ابھرنے لگیں جیسے ہزاروں بدروحیں بیک وقت چیخ رہی ہوں۔

رخسانہ نے دہشت سے لرزتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا تو اسے اپنے آس پاس بے شمار خوفناک اور سرخ سرخ آنکھیں دکھائی دیں۔ ان آنکھوں کو دیکھ کر خوف کی شدت سے اس کا جسم پسینے میں نہا گیا اور وہ لڑکھڑا کر اندھیرے میں گرتی چلی گئی۔

☆☆☆

عادل اور سمن کالی داس کو دیکھ کر ایک دم پریشان ہو گئے۔ وہاں اس کی آمد غیر متوقع تھی کیونکہ سمن کے خیال میں تو وہ رشنا نامی کال گرل کے ساتھ دوسرے کمرے میں دادِ عیش دے رہا تھا لیکن اب وہ اچانک وہاں پہنچ گیا تھا۔

''مجھے دیکھ کر تمہاری سٹی کیوں گم ہو گئی ملنگ؟'' وہ ایک دو لمحوں بعد طنزیہ لہجے میں عادل سے مخاطب ہوا۔ عادل جانتا تھا کہ وہ ماورائی طاقت کے اعتبار سے کالی داس سے بہت کمزور ہے اور اس وقت بہت ہوشیاری سے ہی وہ خود کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اگر اس نے ذرا بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا تو پھر یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہو گی۔

''کالی داس دروازے سے ہٹ جاؤ۔'' وہ غرایا۔ ''تم نہیں جانتے کہ اس وقت میں کتنے غصے میں ہوں۔''

''غصے میں!'' کالی داس نے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ ''جس پر تمہیں غصہ تھا اسے تو تم قتل کر چکے ہو۔ البتہ مجھے تمہارے غصے کی پرواہ نہیں۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ تم ایک دو لمحوں کے مہمان ہو۔ یہ کمرہ تمہاری قبر بننے والا ہے۔''

''بکواس مت کرو خبیث۔'' سمن غصے سے بولی۔ ''تم ملنگ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔''

''مجھے اس ملیچھ مسلمان کو ہاتھ لگانے کی ضرورت بھی نہیں ہے شاستری کی بیٹی۔'' کالی داس اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''میں اسے کھڑے کھڑے زمین میں زندہ دفن کر سکتا ہوں۔''

''کالی داس، شاید تم مجھے کمزور اور بے بس سمجھ رہے ہو۔'' عادل اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''لیکن جب میں تمہاری بوڑھی ہڈیوں سے گودا کشید کروں گا تب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں کتنا ناقابلِ شکست ہوں۔''

''اچھا!'' کالی داس نے طنزیہ انداز میں بھویں اچکائیں۔ ''چلو پھر وار کرو۔ ابھی تمہاری طاقت کا امتحان ہو جاتا ہے۔''

''نہیں، میں سمن کے سامنے تم پر وار نہیں کر سکتا۔ تمہارا حشر دیکھ کر خوف سے اس پر غشی طاری ہو جائے گی۔ کھلی جگہ پر یا برآمدے میں چلو۔'' عادل اس سے دو فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔

''تاکہ تمہیں وہاں سے فرار ہونے میں آسانی رہے، کیوں؟'' وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

”میں تمہاری طرح بزدل نہیں ہوں نابکار۔“ عادل نے اسے گھورا۔ ”کیا تمہیں باہر اپنی موت کا خطرہ ہے جو ڈر رہے ہو؟“

”بکومت، تم جیسے کل کے بچے سے ڈرنا حماقت ہے۔ بہر حال آؤ۔ تمہاری آخری خواہش سمجھ کر تمہاری بات مان لیتا ہوں۔“ وہ دروازے سے پیچھے ہٹ گیا۔ عادل نے پلٹ کر سمن کی طرف دیکھا اور آنکھ سے اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”سمن تم یہیں رہو۔ جب کالی داس کی آخری ہچکی سنو تو باہر آ جانا۔“

پھر وہ باہر نکل آیا۔ کالی داس برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت اس نے صرف ایک تہبند باندھ رکھا تھا۔ وہ عادل کے ساتھ چلتا ہوا راہداری کے سامنے سے نکل کر برآمدے میں پہنچا اور رکتا ہوا بولا۔

”لو۔ اب دکھاؤ اپنی طاقت۔“ عادل نے چھت کی طرف دیکھا اور اسے مایوسی نہ ہوئی۔ چھت کے پاس شاستری کے غلام کی کھوپڑی معلق تھی۔ کالی داس اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

”اب کیا اپنے بھگوان سے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہو مُسلے؟“ کالی داس نے ہنس کر کہا۔

”نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا انجام دیکھ کر چھت تو نہیں گر پڑے گی۔“ عادل مسکرایا۔ ”لو سنبھل جاؤ۔ میں وار کرنے لگا ہوں۔ موت کا فرشتہ تمہاری جان قبض کرنے آ رہا ہے۔“

وہ پیچھے ہٹ کر دیوار سے جا لگا۔ دوسرے ہی لمحے کھوپڑی سے دل دہلا دینے والی انتہائی بھیانک چیخ خارج ہوئی اور وہاں گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ کالی داس چونکا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اسی لمحے سامنے سے کسی جانور نے دھاڑتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی اور وہ چیختا ہوا فرش پر آ رہا۔ جانور کے پنجوں نے اس کے سینے پر گہرے گھاؤ ڈال دیئے تھے اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، اس درندے نے اس کی گردن اپنے جبڑوں میں دبوچ لی اور برآمدہ کالی داس کی چیخوں سے گونجنے لگا۔

درندے کے نوکیلے دانت اس کی گردن میں پیوست تھے اور وہ کربناک چیخیں خارج کرتا ہوا تڑپ رہا تھا۔ پھر اس درندے نے اگلے پنجوں سے اس کے جسم کو گرفت میں لیا اور اس کی گردن بری طرح چبا ڈالی۔ کالی داس کی چیخیں دم توڑ گئیں اور اس کے ساتھ ہی وہاں پھر روشنی پھیل گئی۔ سمن کالی داس کی چیخیں سن کر کمرے سے نکل آئی تھی اور راہداری میں کھڑی برآمدے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کالی داس کے مرتے ہی شیر نے عادل کی شکل اختیار کر لی۔

”ملنگ...... مبارک ہو۔“ دفعتاً کھوپڑی سے آواز خارج ہوئی۔ ”تم نے ایک بڑے دشمن کو فنا کر ڈالا ہے۔“ سمن نے کھوپڑی کی طرف دیکھا اور عادل کے قریب آتی ہوئی بولی۔ ”یہ کون ہے؟“

”مہاراج شاستری کا غلام۔ اگر یہ اندھیرا نہ کرتا تو میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔“

”ملنگ...... اب تم سمن کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ۔“ کھوپڑی نے کہا۔ ”کالی داس کی داشتہ نے

پولیس کو فون کر دیا ہے۔ باہر تمہارے لیے کار کا انتظام کر دیا گیا ہے۔“

”اوہ......“ عادل چونکا۔ ”لیکن ہم جائیں گے کہاں؟“

”ریلوے اسٹیشن۔ منزل کا پتا تمہیں شاستری مہاراج ہی بتا سکیں گے۔ میں ان کے پاس جا رہا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی کھوپڑی تیرتی ہوئی برآمدے سے نکل کر غائب ہو گئی۔

”آؤ سمن...... جلدی کرو۔ پولیس پہنچ گئی تو کافی دشواری ہو جائے گی۔“ عادل نے سمن کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”گاڑی تم ہی چلاؤ گی۔“

سمن نے آخری نظر کالی داس کی لاش پر ڈالی اور اس کے ساتھ برآمدے سے نکل آئی۔ وہ گیٹ سے باہر آئے تو وہاں سفید رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ یقیناً ان کے لیے اسی کار کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ دونوں تیزی سے کار میں بیٹھے اور سمن نے انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی۔

سمن نے رفتار میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ریلوے اسٹیشن کس طرف ہے؟“

”اگلے چوک سے بائیں جانب مڑ جانا۔ وہ سیدھی اسٹیشن جاتی ہے۔“

سمن کو اچانک رخسانہ یاد آ گئی۔ ”ارے رخسانہ کہاں ہے عادل؟“

”اسے واپس وطن بھیج دیا ہے شاستری مہاراج نے۔“ عادل نے بتایا۔

”اوہ۔ کیا وہ تنہا ہی چلی گئی؟“ سمن چونکی۔

”نہیں۔ پنڈت نرائن گوپال کے ایک سیوک رام دیال کے ساتھ۔ وہ اسے امرتسر لے جائے گا۔ پھر سرحد کے پار۔“ سمن خاموش ہو گئی۔ اسی لمحے عادل کو محسوس ہوا کہ کوئی چیز اس کی سیٹ پر گری ہے۔ اس نے پہلے اپنے پہلو کی طرف دیکھا تو وہاں شاستری کے غلام کی کھوپڑی پڑی تھی۔

”ملنگ۔ شاستری مہاراج نے ہدایت کی ہے کہ تم سمن کو لے کر اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں بیٹھو اور صبح پانچ بجے والی ٹرین سے امرتسر روانہ ہو جاؤ۔ وہاں سے دوسری گاڑی میں سرحد تک آسانی سے پہنچ جاؤ گے۔“ کھوپڑی سے آواز خارج ہوئی۔

عادل نے کچھ معلوم کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ کھوپڑی سیٹ سے بلند ہوئی اور کھڑکی کے راستے باہر نکل گئی۔ ”نہ جانے پتاجی خود کیوں نہیں ملتے؟“ سمن نے منہ بنایا۔

”مجھ سے تو ملے ہیں۔“ عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ کب...... کہاں......؟“ سمن نے آئینے میں اس کی طرف دیکھا۔

”جب میں تمہیں کالی داس کی گرفت سے آزاد کرانے آیا تو اس سے کچھ دیر قبل لال قلعہ کے پاس وہ ملے تھے۔“ عادل نے شاستری مہاراج سے ملاقات کی تفصیل بتائی۔ اتنے میں وہ اسٹیشن پہنچ گئے۔ انہوں

نے سٹیشن کے باہر ایک ہوٹل کے سامنے کار روکی اور اتر کر پیدل ہی اسٹیشن کی طرف بڑھ گئے۔ اسٹیشن کی طویل و عریض عمارت میں کئی ویٹنگ روم تھے وہ ایک ویٹنگ روم میں داخل ہوئے تو وہاں دو مسافر پہلے سے موجود تھے وہ بھی ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد پلیٹ فارم پر نصب سپیکر سے اناؤنسر کی آواز بلند ہوئی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آگرہ جانے والے مسافروں کے لیے پلیٹ فارم نمبر تین پر گاڑی آ چکی ہے۔

یہ اعلان سنتے ہی ویٹنگ روم میں موجود دونوں مسافر اٹھ کر باہر چلے گئے۔ اتنے میں کینٹین کا ویٹر آ گیا۔ عادل نے اس سے چائے اور بسکٹ منگوائے اور اسے ہدایت کر دی کہ اگر وہ سو بھی جائیں تو انہیں ساڑھے چار بجے جگا دے۔ ساتھ ہی اس نے دس کا ایک نوٹ ویٹر کے ہاتھ میں دے دیا۔

''یہ تمہارا انعام ہے۔ جاتے وقت بھی انعام دوں گا۔ کوشش کرنا کہ کوئی اور مسافر اس ویٹنگ روم میں نہ آئے۔'' اس نے ہدایت کی۔

''وہ فکر مت کریں۔ میں کہہ دوں گا کہ اندر پولیس آفیسر کی فیملی ہے۔'' ویٹر نے خوش ہو کر کہا۔ پھر وہ سلام کر کے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھول کر ایک ریلوے ملازم اندر آ گیا۔ یونیفارم سے وہ کنڈیکٹر گارڈ معلوم ہوتا تھا۔

''آپ لوگوں نے کہاں جانا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''امرتسر۔ صبح پانچ بجے والی گاڑی سے۔'' عادل نے بتایا۔

''ٹکٹ لے لیا ہے؟'' وہ قریب آ کر دوسرے بنچ پر بیٹھ گیا۔

''نہیں۔ گاڑی کے وقت پر لے لیں گے جناب۔''

''اوہ۔ تو آپ کو بغیر ٹکٹ یہاں بیٹھنے کی کس نے اجازت دی؟'' وہ چونکتا ہوا بولا۔

''تو کیا یہاں بیٹھنے کا بھی ٹکٹ لینا پڑتا ہے صاحب؟'' عادل نے حیرت سے اسے گھورا۔

''نہیں لیکن یہاں صرف وہی مسافر بیٹھ سکتے ہیں جنہوں نے گاڑی کا ٹکٹ لے رکھا ہو۔ بغیر ٹکٹ مسافروں کے لیے پلیٹ فارم سے باہر انتظار گاہ بنی ہوئی ہے۔'' گارڈ بولا۔ ''آپ یا تو اپنی منزل کا ٹکٹ لے آئیں یا پھر باہر جا کر تھرڈ کلاس انتظار گاہ میں بیٹھیں۔''

''معاف کر دیجئے جناب۔ مجھے اس قانون کا پتا نہ تھا۔'' عادل جلدی سے بولا۔

''میں تو معاف کر دوں لیکن ریلوے پولیس والے آ گئے تو پکڑ کر ساتھ لے جائیں گے۔'' وہ اپنا ہیٹ اتار کر میز پر رکھتا ہوا بولا۔ ''ابھی ابھی وہ ایک ویٹنگ روم سے ایک جوڑے کو بدکاری کے الزام میں پکڑ کر لے گئے ہیں۔ وہ بھی ٹکٹ کے بغیر وہاں بیٹھے تھے۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ پولیس والے رشوت حاصل کرنے کے لیے کس طرح لوگوں کو دھر لیتے ہیں۔''

''اوہ......'' ثمن اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔ ''تو کیا ہمیں بھی......''

''گھبرائیے مت۔ میں آپ کی اتنی مدد کر سکتا ہوں کہ ٹکٹ خرید لانے تک پولیس کو روک دوں۔''

''عادل۔ تم جلدی سے ٹکٹ لے آؤ۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔'' ثمن نے عادل سے کہا۔

''اور اگر وہ میرے آنے سے پہلے یہاں آ گئے تو پھر؟'' عادل بھی پریشان ہو گیا تھا۔

''میں سنبھال لوں گا معاملہ۔ تم ٹکٹ لے آؤ بھاگ کر۔'' گارڈ نے نرمی سے کہا۔

عادل اٹھا اور باہر آ گیا۔ پلیٹ فارم سے نکل کر وہ ٹکٹ گھر کی کھڑکی پر پہنچا۔ وہاں اس نے امرتسر کے لیے فرسٹ کلاس سلیپر کے دو ٹکٹ خریدے اور واپس آ گیا۔ لیکن جونہی وہ ویٹنگ روم میں داخل ہوا اندر کسی کو نہ پا کر بے ساختہ اچھل پڑا۔ ثمن اور گارڈ دونوں ہی غائب تھے۔

☆☆☆

ثمن عادل کے جانے کے بعد سوچنے لگی کہ اچھا ہوا گارڈ نے انہیں بروقت آ کر خطرے سے آگاہ کر دیا ورنہ پولیس کے آنے پر بڑی مصیبت بن جاتی کیونکہ نہ تو ان کے پاس شناختی کاغذات اور پاسپورٹ تھے اور نہ ہی ٹکٹ۔ پولیس والے انہیں قانون کی خلاف ورزی کے جرم میں حوالات میں پہنچا دیتے اور نہ جانے کب گلوخلاصی ہوتی۔

''آپ کی بڑی مہربانی جو آپ نے ہمیں مصیبت سے......'' ثمن نے کہا۔

''یہ تو میرا فرض ہے ثمن۔'' گارڈ نے ہنس کر اس کی بات قطع کی۔

اپنے نام پر اس نے چونکتے ہوئے گارڈ کی طرف دیکھا اور خوف سے اس کی رگوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ اس کے سامنے گارڈ کی بجائے ایک انسانی ڈھانچا بیٹھا تھا۔ اس کے جسم پر گارڈ کی وردی تھی جس میں سے صرف اس کی کھوپڑی اور ہاتھوں کے استخوانی پنجے دکھائی دے رہے تھے۔ کھوپڑی میں صرف آنکھیں سلامت تھیں جن سے خونخواریت جھلک رہی تھی۔

ڈھانچے نے بنچ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج شنکر لال نے تمہیں طلب کیا ہے۔ چلو۔''

''نہیں......نہیں۔'' وہ چیخ پڑی۔

پھر یکدم اچھل کر اٹھی اور دروازے کی طرف دوڑ پڑی۔ ڈھانچے نے فوراً ہی حرکت کی اور اس پر چھلانگ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ ثمن کو دبوچ چکا تھا۔ خود کو اس کی گرفت میں پا کر ثمن چیخنے لگی۔ مگر ڈھانچے نے فوراً ہی ایک پنجے سے اس کا منہ دبا ڈالا اور اس کی چیخیں حلق میں پھنس کر رہ گئیں۔ اگلے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

پھر ہوش آیا تو خود کو ویٹنگ روم کی بجائے ایک انجان جگہ پر دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھی۔ یہ ایک کمرے کا فرش

تھا جو کافی بوسیدہ تھا۔ دیواروں کا جگہ جگہ سے پلستر اکھڑا ہوا تھا اور مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے۔ ایک طاقچے میں چراغ جل رہا تھا کمرے کا واحد اور گھن کھایا دروازہ بند دکھائی دے رہا تھا۔ جلد ہی اس کی یادداشت کا سلسلہ بحال ہوگیا اور اسے یاد آگیا کہ ڈھانچے نے اسے دبوچ کر اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی مگر بائیں جانب نظر پڑتے ہی اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس طرف دیوار سے ایک کٹا ہوا انسانی سر لٹک رہا تھا جس سے خون کے قطرے فرش پر ٹپک رہے تھے۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور زبان ٹھوڑی سے نیچے تک لٹک رہی تھی اس کی بے نور آنکھیں اذیت ناک انداز میں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے پر انتہائی کرب آمیز تاثرات منجمد تھے۔ یقیناً اسے وحشت ناک انداز میں قتل کیا گیا تھا۔

سمن دہشت زدہ نگاہوں سے اس کٹے ہوئے سر کو دیکھتی ہوئی الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اسے اتنے خوفناک کمرے میں کیوں رکھا گیا تھا۔ ہٹتے ہٹتے وہ عقب میں واقع دیوار سے جا لگی۔ اس نے سر سے نگاہیں ہٹائیں اور چھت کا جائزہ لینے لگی جس کے ساتھ مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔ لگتا تھا وہ کمرہ سینکڑوں برس سے ویران اور بے آباد پڑا تھا۔ جالے میں مکھیاں جھینگر اور کئی دوسرے اُڑنے والے کیڑے مکوڑے پھنسے ہوئے تھے۔ نہ جانے کتنی مدت سے وہ دروازہ بند تھا۔

یہ سوچتے ہوئے اسے اچانک خیال آیا کہ اسے کس راستے سے کمرے میں لایا گیا ہوگا۔ ابھی وہ اس کا اندازہ نہ لگا پائی تھی کہ اچانک اسے اپنے کانوں کے پاس ہلکی سی پھنکار سنائی دی اور وہ ایک دم اچھل کر دیوار سے دو قدم دور ہٹ گئی پھر اس نے پلٹ کر دیوار کی طرف دیکھا تو دیوار کے ایک سوراخ سے سفید رنگ کا ایک سانپ پھن سمیت ایک فٹ تک باہر نکلا ہوا پھنکار رہا تھا۔ سانپ کو دیکھ کر خوف سے اس کا دل دھک دھک چلنے لگا۔ چند لمحوں بعد سانپ واپس بل میں سمٹنے لگا حتیٰ کہ پھن سمیت پورا ہی غائب ہوگیا۔

اس کا خوف قدرے کم ہوگیا۔ کمرے میں بھیانک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ وہ باہر نکلنے کی ترکیب سوچنے لگی وہ ایک بار پھر شنکر لال کی گرفت میں آچکی تھی لیکن وہاں پھیلی خاموشی سے محسوس ہوتا تھا کہ کمرے کے آس پاس کوئی ذی روح موجود نہیں پھر بھی اس نے کوشش کرنے کا فیصلہ کرلیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ابھی وہ دروازے سے چند قدم پیچھے ہی تھی کہ اچانک چھت سے کوئی چیز نیچے آگری اور وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ اسی لمحے پھر کوئی چیز اس کے قریب فرش پر آگری اور اسے دیکھ کر وہ خوف سے اچھل پڑی۔ وہ بہت ہی موٹا تازہ چوہا تھا جو فرش پر گرتے ہی سامنے والی دیوار کی طرف دوڑا تھا۔ اس نے دیوار کی طرف دیکھا اور خوف سے کپکپانے لگی۔ کٹے ہوئے انسانی سر سے ٹپکنے والا خون فرش پر پھیلا ہوا تھا اور وہ چوہے وہاں بیٹھے خون چاٹ رہے تھے۔ یقیناً وہ آدم خور تھے۔ وہ چند لمحوں تک کھڑی دہشت زدہ نگاہوں سے چوہوں کی طرف دیکھتی رہی پھر ایک دم تیزی سے دروازے کی طرف لپکی قریب آکر جونہی اس نے کنڈی

کا جالا توڑنے کے ہاتھ بڑھایا مکڑی کرر کرر کی آواز خارج کرتی ہوئی اپنی جگہ سے اچھلی اور سمن پر آپڑی۔ سمن کے حلق سے خوفزدہ سی چیخ خارج ہوئی اور اس نے مکڑی کو اپنے سر سے نوچ کر فرش پر پھینک دیا۔ پھر فوراً ہی اس پر پاؤں رکھ کر اسے مسل ڈالا مگر دوسرے ہی لمحے کمرہ بھیانک چیخ سے گونج اٹھا۔

☆☆☆

بدروحوں کے کنڈل میں وہ کب تک بے ہوش رہی اس کا اسے کچھ اندازہ نہ تھا لیکن ہوش میں آنے پر اس نے خود کو ایک مندر کے ننگے فرش پر پایا۔ سامنے لکشمی دیوی کا بہت بڑا مجسمہ ایستادہ تھا جس کے سامنے ایک بوڑھا پجاری بیٹھا تھا۔ وہ ہاتھ باندھے پوجا میں مشغول دکھائی دے رہا تھا۔

فوری طور پر رخسانہ کی سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ یہاں کب اور کیسے پہنچی۔ سوامی راج کپور نے اسے بدروحوں کے کنڈل میں قید کیا تھا جو برگد کے درخت کے اندر تھا لیکن اب وہ کسی مندر میں تھی۔ وہ اٹھ بیٹھی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ مندر کی چھت کے طاقچوں سے سورج کی روشنی اندر پہنچ رہی تھی۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر گر پڑی۔ اس کے دونوں پاؤں رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے حلق سے کراہ خارج ہوگئی۔ بوڑھے پجاری نے اس کی کراہ سن کر اس کی طرف دیکھا پھر جلدی سے پوجا ختم کر کے اس کی طرف رخ کرلیا۔ رخسانہ نے اس کی طرف دیکھا اور چونک پڑی۔ اس بوڑھے کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مگر ان میں ڈھیلوں کی بجائے سوراخ تھے گویا وہ اندھا تھا۔

’’میں کہاں ہوں؟‘‘ وہ آہستہ سے بولی۔

’’تم اس وقت امرتسر کے کالے جنگل میں ہو ناری۔‘‘ اندھے نے یوں پلکیں جھپکائیں جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہو۔ ’’یہ لکشمی دیوی کا مندر ہے اور میں یہاں کا مہا پجاری پورن لال ہوں۔‘‘

’’مگر مجھے یہاں کون لایا؟ میں تو بدروحوں کے کنڈل میں بے ہوش ہوگئی تھی۔‘‘

’’تمہاری بے ہوشی ہی یہاں لانے کا سبب بنی ہے۔ مہاراج راجکپور کو خطرہ تھا کہ تم بدروحوں کے کنڈل میں خوف کی شدت سے مر جاؤ گی جبکہ وہ تمہیں زندہ حالت میں شنکر لال کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے چنانچہ وہ تمہیں وہاں سے نکال کر یہاں میرے حوالے کر گیا۔ اب تم میری قید میں ہو۔‘‘

مہا پجاری پورن لال کی بات سن کر رخسانہ خوفزدہ ہوگئی۔ اسے گزرے ہوئے واقعات یاد آنے لگے۔ سوامی راج کپور نے اسے اپنے غلام انت دیو کی قید میں دیا تھا لیکن رشی سوبھراج نے اسے انت پور کی گرفت سے آزاد کرالیا تھا۔ مگر اب پھر وہ سوامی راجکپور کے ہتھے چڑھ گئی تھی اور اس بار اسے بچانے والا وہاں کوئی نہ تھا۔

’’میں تمہارے لیے کھانا لاتا ہوں۔ یقیناً تمہیں بھوک لگی ہوگی۔‘‘ اسے سوچوں میں گم پا کر پورن لال

اٹھتا ہوا بولا۔ رخسانہ خاموش رہی۔ وہ بائیں جانب ایک چھوٹے دروازے کی طرف بڑھا۔ رخسانہ کو حیرت ہوئی کہ اندھا ہونے کے باوجود وہ کسی سہارے بغیر دروازے سے گزر گیا تھا۔ وہ اپنے پیروں میں بندھی رسی کھولنے لگی۔ رسی کھول کر وہ کھڑی ہوگئی۔ پورن لال جس دروازے میں غائب ہوا تھا وہ بند تھا۔ جبکہ دیوی کے مجسمے کے سامنے والا بڑا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ رخسانہ نے موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

وہ دروازے کے پاس پہنچی ہی تھی کہ اس طرف سے پورن لال اندر آیا اور وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

''اوبدکار۔ کہاں بھاگ رہی تھی؟'' پورن لال اندھی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا غرایا۔

''کک۔ کہیں۔ نہیں۔'' وہ گھبرا گئی۔ ''یونہی پاؤں سیدھے کرنے کے لیے ٹہل رہی تھی۔''

''جھوٹ مت بول بدبخت لڑکی۔'' وہ غضبناک ہوگیا۔ ''میری آنکھیں نہیں ہیں اس لیے مجھے اندھا سمجھ کر تو بھاگ رہی تھی مگر یاد رکھ۔ میری ہزاروں آنکھیں ہیں۔ میں انسان کے دماغ میں جھانکنے کی شکتی رکھتا ہوں۔ مجھ سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر میں اتنا ہی غافل ہوتا تو سوامی راج کپور تمہیں میری تحویل میں نہ دیتا۔ یہاں سے بھاگنے کا خیال ذہن سے نکال دے۔ سوامی راج کپور کے آنے تک تو اس مندر سے نہیں نکل سکتی۔''

اس نے خاموش ہو کر ہاتھ میں موجود چھابی اس کی طرف بڑھائی اور دوبارہ بولا۔ ''لے۔ آرام سے بیٹھ کر کھانا کھا اور سوامی جی کے آنے کا انتظار کر۔''

''وہ۔ وہ کب آئے گا؟'' اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

''معلوم نہیں، لیکن امید ہے کہ دوپہر سے پہلے ہی آئے گا۔ اس وقت تک میں بھی واپس آجاؤں گا۔'' یہ کہہ وہ پلٹ اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ رخسانہ فرش پر بیٹھ کر اس کے دور ہوتے قدموں کی آہٹیں سننے لگی چند لمحوں بعد وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔ مصیبت میں کھانے کو دل نہ چاہ رہا تھا مگر اس نے یہ سوچ کر کھالیا کہ حرکت کرنے کے لیے جسمانی توانائی ضروری ہے۔ کھانے کے بعد وہ دوبارہ فرار ہونے کا منصوبہ بنانے لگی۔ تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا اور پورن لال واپس نہ آیا تو اسے یقین ہوگیا کہ وہ مندر سے باہر کسی کام سے گیا ہے اور جلدی واپس نہ آئے گا چنانچہ وہ اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازے کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ دروازہ باہر سے مقفل معلوم ہوتا تھا۔ مایوس ہو کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر اس چھوٹے دروازے کی طرف بڑھ گئی جس سے پورن لال پہلے دوسری طرف گیا تھا۔ دروازہ کھلا تھا مگر اندر تاریکی تھی وہ اندر آئی تو آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہونے لگیں وہ ایک راہداری تھی جس میں دائیں بائیں اور کمروں کے دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ بائیں جانب کے

کمرے میں روشنی تھی۔ شاید اس میں چراغ جل رہا تھا اس نے آگے بڑھ کر کمرے میں جھانکا اندر کوئی نہ تھا اور ایک طاقچے میں چراغ جل رہا تھا۔ پھر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھی۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس نے اندر جھانکا اور فوراً ہی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اندر فرش پر ایک انسانی ڈھانچا پڑا تھا جس سے ہزاروں حشرات الارض چمٹے ہوئے تھے۔ یہ سرخ رنگ کے چیونٹے تھے جو عام چیونٹوں سے تین گنا بڑے تھے۔ وہ اس طرح ڈھانچے کی ہڈیوں سے چمٹے ہوئے تھے جیسے شہد کی مکھیاں چھتے سے اور آزادانہ طور پر اس کی کھوپڑی کے سوراخوں سے اندر باہر آ جا رہے تھے۔ یہ منظر اتنا ہولناک تھا کہ رخسانہ پر خوف سے کپکپی طاری ہوگئی۔ اس کمرے میں کسی سوراخ سے سورج کی روشنی پڑ رہی تھی لیکن اس روشنی میں فرش پر ایک بھی چیونٹا نظر نہ آ رہا تھا۔ سب کے سب اس بے جان ڈھانچے سے چمٹے ہوئے تھے۔ رخسانہ دوبارہ اندر جھانکنے کی جرأت نہ کرسکی اور پلٹ کر واپس پوجا والے کمرے میں آگئی۔ اس نے بیرونی دروازے کی مضبوطی کا اندازہ لگایا پھر کمرے میں گھوم پھر کر کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگی جس سے دروازے پر ضرب لگائی جاسکتی۔ اسے یقین تھا کہ وہ گھن کھایا ہوا دروازہ چند ضربوں سے ٹوٹ سکتا ہے۔ آخر دیوی کے مجسمے کے عقب میں دیوار پر ٹنگی ایک چوڑے پھل والی کلہاڑی دکھائی دی اور اس نے جلدی سے کلہاڑی دیوار سے اتار لی۔ کلہاڑی کا پھل بھاری اور زنگ آلود تھا۔ وہ کلہاڑی دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑے دروازے کے پاس آئی اور پوری قوت سے دروازے پر ضربیں لگانے لگیں۔ چند ضربوں سے دروازہ ٹوٹ گیا اور وہ باہر نکل آئی اب وہ تاریک راہداری میں تھی جس کے اختتام پر ایک دروازہ کھلا ہوا تھا اور باہر گھنے درخت دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کلہاڑی لیے اس طرف بڑھنے لگی۔ راہداری میں دائیں بائیں چار کمرے تھے جن کے دروازے بند تھے۔ وہ کسی خطرے کے بغیر ان کمروں کے سامنے سے گزر کر بیرونی دروازے کے پاس پہنچی ہی تھی کہ اچانک عقب سے ایک غراہٹ بلند ہوئی۔ ''رک جاؤ لڑکی ورنہ فنا ہو جاؤ گی۔''

رخسانہ نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا اور اپنی جگہ یوں ساکت ہو کر رہ گئی جیسے پتھرا گئی ہو۔ چند فٹ کے فاصلے پر وہی ڈھانچہ کھڑا تھا اور چیونٹے اب بھی اس سے چمٹے ہوئے تھے۔

☆☆☆

سمن کو غائب پا کر عادل پاگل سا ہوگیا۔ وہ تیزی سے باہر آیا۔ ویٹنگ روم کے پہلو میں ٹی اسٹال تھا اس وقت وہاں صرف دو ملازم اور ایک قلی بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک وہی ویٹر تھا جسے عادل نے دس کا نوٹ انعام میں دیا تھا۔

''تم نے میری پتنی کو باہر نکلتے تو نہیں دیکھا؟'' عادل نے اس ویٹر سے پوچھا۔

''نہیں صاحب۔ وہ کب باہر نکلی تھی؟'' ویٹر نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ابھی میں اسے اندر چھوڑ کر ٹکٹ خریدنے گیا تھا۔ گارڈ صاحب بھی اندر بیٹھے تھے۔''

''تو پھر ان سے پوچھو۔'' قلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی غائب ہے۔'' عادل پلیٹ فارم پر دور تک نگاہیں دوڑاتا ہوا بولا۔

''مگر ہم نے دونوں میں سے ایک کو بھی باہر آتے نہیں دیکھا صاحب۔'' ویٹر بولا۔

''ہوسکتا ہے وہ بھی آپ کے پیچھے ٹکٹ گھر کی طرف گئی ہو اور وہاں آپ کو تلاش کر رہی ہو۔'' دوسرے ویٹر نے کہا۔ عادل تیزی سے پلیٹ فارم کے خارجی گیٹ کی طرف لپکا اور باہر آ کر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سمن کہاں چلی گئی اور وہ اسے کس طرف تلاش کرے۔ کاش وہ گارڈ کی باتوں میں آ کر ٹکٹ خریدنے نہ جاتا۔ وہ اسٹیشن کے باہر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ سمن اور گارڈ دونوں کے غائب ہونے کا مطلب تھا کہ وہ گارڈ اسے کہیں لے گیا تھا۔ شاید اس نے پولیس کا خوف اسی لیے دلایا تھا کہ عادل ٹکٹ خریدنے جائے اور اس کی غیر موجودگی میں سمن کو اغوا کر کے لے جائے۔

اسی لمحے کسی نے اسے پکارا۔ ''ملنگ۔ یہاں آؤ۔''

اپنا نام سن کر وہ چونکا۔ آواز بھی مانوس سی لگتی تھی اس نے آواز کی سمت دیکھا تو گودام کے ایک تاریک کونے میں کوئی شخص کھڑا اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ عادل اس کی طرف بڑھ گیا قریب پہنچ کر اس نے غور سے دیکھا۔

''اوہ۔ مہاراج۔ آپ......'' وہ اسے پہچان کر حیرت سے اچھل پڑا۔

''ہاں بالک۔ مجھے ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ سمن کو اغوا کر لیا گیا ہے۔'' شاستری نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں مہاراج۔ ایک بدبخت گارڈ اسے......'' عادل ٹپٹا کر بولا۔

''نہیں۔'' شاستری نے فوراً اس کی بات کاٹ ڈالی۔ ''وہ گارڈ کے روپ میں شنکر لال کا گرگا تھا۔''

''اوہ۔'' عادل بے ساختہ اچھل پڑا۔ ''تو گویا اسے شنکر لال نے اغوا کرایا ہے؟''

''ہاں۔ جب تم ٹکٹ لینے گئے تھے؛ اس وقت میں نے اپنے غلام کو تمہاری طرف بھیجا تھا کہ تمہیں رخسانہ کے اغوا کی خبر دے۔''

''کیا!'' عادل کے دماغ کو جھٹکا لگا۔ ''تو اسے بھی اغوا کر لیا گیا ہے؟''

''پوری بات سن لو۔'' شاستری تیزی سے بولا۔ ''لیکن جب میرا غلام اسٹیشن کے پاس پہنچا تو اس نے شنکر لال کے گرگے کو دیکھا جو غائبانہ طور پر سمن کو بے ہوش کر کے لیے جا رہا تھا۔ میرا غلام اس کے مقابلے میں کافی کمزور تھا اس لیے وہ سمن کو اس کی گرفت سے آزاد نہ کرا سکتا تھا چنانچہ اس نے تعاقب کیا اور شنکر لال کے گرگے کا ٹھکانا دیکھنے کے بعد واپس آ کر مجھے اطلاع دی۔ چنانچہ اب ہمیں نہ صرف سمن کو

بازیاب کرنا ہے بلکہ رخسانہ کو بھی تلاش کرنا ہے۔''

''مگر رخسانہ کو کس نے اغوا کیا ہے مہاراج؟'' عادل نے پوچھا۔

''اسے شنکر لال کے سیوک سوامی راج کپور نے ٹرین رکوا کر اغوا کیا اور امرتسر کے کالے جنگل میں واقع بدروحوں کے کنڈل میں قید کر دیا ہے۔ جبکہ سمن کو دہلی کے نواحی قصبے میں لے جایا گیا ہے۔'' شاستری نے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ تم رخسانہ کی مدد کو جاؤ۔ سمن کے لیے میں خود کچھ کرتا ہوں۔''

''بہت بہتر مہاراج۔ ویسے میرا خیال ہے کہ پہلے سمن......'' عادل نے کہنا چاہا۔

''نہیں ملنگ۔ پہلے رخسانہ کو آزاد کرانا ضروری ہے کیونکہ وہ تمہاری محبت میں اور تمہارے بھروسے پر مصیبتوں کا شکار ہوئی ہے۔'' شاستری نے تیزی سے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے دشمنوں کے ہاتھوں ماری جائے۔ اس کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے۔''

''جیسے آپ کا حکم مہاراج۔ تو کیا میں پانچ بجے والی ٹرین سے روانہ ہو جاؤں؟''

''ہاں۔ امرتسر سے پیچھے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر اترنا ہوگا تمہیں۔ وہاں سے آگے تمہیں بہت محتاط ہو کر سفر کرنا پڑے گا۔'' شاستری نے اسے ہدایات دیں۔ ''شنکر لال فی الحال دہلی میں ہی ہے۔ اس لیے اس کا خاتمہ ہونے تک میں یہیں رہوں گا۔ البتہ تمہاری طرف سے بھی غافل نہیں رہوں گا۔''

شاستری خاموش ہو کر پلٹا اور گودام کی عمارت میں غائب ہو گیا۔ عادل نے طویل سانس لیا اور اسٹیشن کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ بقیہ وقت اس نے پلیٹ فارم پر گزارا اور صبح کی ٹرین میں سوار ہو کر امرتسر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوپہر کے قریب ٹرین کالے جنگل کے قریبی اسٹیشن پر رکی تو وہ اتر کر اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ چھوٹا سا گاؤں تھا اس لیے وہاں رکشہ ٹیکسی یا تانگے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اسٹیشن کے باہر ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد وہ گاؤں سے نکلا اور جنگل کی طرف جانے والے راستے پر ہو لیا۔ چند میل کا فاصلہ طے کر کے وہ جنگل کے قریب جا پہنچا۔

''سنو جوان......'' دفعتاً بائیں جانب سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

اس نے ٹھٹک کر اس طرف دیکھا تو ایک درخت کے سائے میں ایک نوجوان دیہاتی دوشیزہ کھڑی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک پوٹلی اور سر پر چھوٹا سا مٹکا تھا۔ گرمی کے سبب وہ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی۔ اس کا رنگ گورا اور چہرے کے نقوش بہت دلکش تھے۔ عادل اس کے قریب آ گیا۔

''کیا تم جنگل میں جاؤ گے؟'' دوشیزہ نے پوچھا اس کی آواز بڑی شیریں تھی۔

''ہاں، مگر تم کون ہو اور تپتی دوپہر میں یہاں کیوں کھڑی ہو؟''

''میں بانو ہوں بابو جی۔'' وہ مٹکا اتار کر زمین پر رکھتی ہوئی بولی۔ ''بابو کو دوپہر کا کھانا دینے جا رہی

تھی۔ تھک گئی تھی اس لیے یہاں ٹھہر گئی۔ لسی پیو گے؟''

''نہیں۔'' عادل نے لسی کے مٹکے کی طرف دیکھا۔ ''تمہارا باپ کہاں ہے؟''

''جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا ہے۔'' بانو نے کہا۔ ''آج اماں کی طبیعت خراب تھی اس لیے مجھے آنا پڑا۔ اب معلوم نہیں وہ جنگل کے کسی حصے میں ہوگا۔ میں تو پہلی بار ادھر آئی ہوں۔ جانے جنگل میں کیسے کیسے درندے ہوں گے۔''

''ہوں......'' عادل نے اس کے سراپا کا بھرپور جائزہ لیا۔ ''مجھے تم نے کیوں روکا ہے؟''

''مجھے اکیلے میں ڈر لگتا ہے جانوروں سے۔'' وہ مسکرائی۔ ''تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو گے؟''

عادل انکار نہ کرسکا۔ اس نے کہا۔ ''اگر تم میرے ساتھ چلنا چاہتی ہو تو چلو۔''

''اچھا۔'' وہ ایکدم خوش نظر آنے لگی۔ ''تم ذرا یہ روٹی پکڑو۔ میں مٹکا اٹھاتی ہوں۔''

جلد ہی وہ جنگل کے قریب پہنچ گئے۔ ابتدائی درختوں کے سائے میں بانو رک گئی۔

''کیا ہوا؟'' عادل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اب تم آگے چلو۔ مجھے جنگلی جانوروں سے خوف آتا ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''جانور کچھ نہیں کہتے جب تک انہیں مجبور نہ کیا جائے۔'' عادل نے کہا۔

''تم نے جنگل میں کہاں تک جانا ہے؟'' بانو نے پوچھا۔

''کچھ پتا نہیں کہاں تک جانا پڑے۔ آؤ۔'' عادل آگے بڑھتا ہوا بولا۔ بانو اس کے پیچھے چلنے لگی۔ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے جنگل گھنا ہوتا جارہا تھا۔ چند منٹ بعد بانو نے اسے رکنے کا کہا۔ عادل نے پلٹ کر دیکھا۔ ''اب کیا ہے؟''

''میں تھک گئی ہوں۔'' وہ سر سے مٹکا اتار کر زمین پر رکھتی ہوئی بولی۔ ''تھوڑی دیر آرام کرتے ہیں۔''

عادل نے سوچا، اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ کہیں وہ بے چاری کسی درندے کا شکار نہ بن جائے۔ اس نے بانو کے چہرے کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ وہ ان میں ڈوب گیا۔

''اچھا۔ جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''کیا تمہاری مرضی نہیں ہے۔'' وہ اس کے ساتھ لگ کر بیٹھتی ہوئی شوخ لہجے میں بولی۔ اس کی قربت سے عادل کے بدن میں سنسناہٹ سی پھیل گئی۔ اس نے بے اختیار بانو کی کمر کے گرد اپنا بازو حمائل کردیا۔ اس کا ہاتھ بہکنے لگا۔

''آؤ۔ اس جھنڈ میں چلتے ہیں۔'' بانو نے اٹھتے ہوئے درختوں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کیا وہاں چند

گھنے درختوں کے گرد قد آدم جھاڑیاں تھیں۔ عادل سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتی ہے اور اسے حیرت تھی کہ وہ دیہاتی لڑکی شہری لڑکیوں سے زیادہ بے باک تھی۔ بات چیت میں اس نے ایک بار بھی شرم و جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''نہیں بانو۔'' عادل کا ذہن ایک دم پلٹ گیا۔ ''میں گناہ نہیں کرنا چاہتا۔''

''محبت کرنا گناہ تو نہیں ہے بابو۔ آخر میں بھی انسان ہوں۔'' وہ ہنسی۔ ''اور تم بھی۔''

''لیکن میں انسان سے شیطان نہیں بننا چاہتا۔'' عادل نے نرمی سے کہا۔

''انسان کو دوسروں کی ضرورت کا خیال بھی تو رکھنا چاہیے نا بابو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔

''نہیں بانو۔ میں تمہاری ضرورت پوری نہیں کرسکتا۔'' عادل نے ہاتھ چھڑا لیا۔ ''یہ گناہ ہے۔''

''تمہیں میری خواہش پوری کرنی پڑے گی بابو۔ یہاں ہمیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہے، آؤ۔'' عادل نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے بدن میں خون کی گردش ایک دم تیز ہوگئی۔ بانو اس کے سامنے قدرتی لباس میں کھڑی دعوت آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے حیران ہوتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن اسے بانو کا لباس کہیں پڑا نظر نہ آیا جو چند لمحے پہلے اس کے بدن پر موجود تھا۔

''آؤ نا بابو۔ اب اور کتنا ترساؤ گے۔'' وہ مخمور لہجے میں بولی۔

''اچھا، تم چلو۔ میں آتا ہوں۔'' عادل نے کچھ سوچ کر کہا۔ اس کے ذہن میں اچانک ایک اندیشے نے جنم لیا تھا۔ وہ پلٹی اور درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ گئی۔ عادل نے تیزی سے چند الفاظ زیر لب دہرائے اور اس کی طرف پھونک دیئے۔ دوسرے ہی لمحے بانو اس طرح اچھلی جیسے سانپ نے کاٹ کھایا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ کسی خونخوار جانور کی طرح غراتی ہوئی پلٹی اور عادل مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ اس کا اندیشہ درست ثابت ہوا تھا اب اس کے سامنے نوجوان اور حسین وجمیل دیہاتی دوشیزہ کی بجائے ایک بھیانک شکل بڑھیا کھڑی اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''یہ تم نے کیا کیا ہے ملنگ؟'' وہ غضبناک لہجے میں بولی۔ ''میں تمہیں لطف دینا چاہتی تھی۔''

''تم جیسی خبیث چڑیل سے مجھے کیا لطف مل سکتا تھا۔'' عادل ہنسا۔ ''البتہ اب میں تمہیں جو لطف دوں گا وہ تمہیں جہنم پہنچا دے گا۔ سنبھل جاؤ۔''

پھر وہ ایک خاص منتر پڑھنے لگا۔ چڑیل گھبرا گئی اور پلٹ کر چیختی ہوئی دوڑی۔ ''بچاؤ۔ سوامی مہاراج بچاؤ۔'' وہ گھنے درختوں کی طرف بھاگ رہی تھی۔ عادل نے جلدی سے اس کی طرف پھونک ماری اور دوسرے ہی لمحے وہ نصف دھڑ تک زمین میں دھنس گئی۔ عادل مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔

''مجھے معاف کردو ملنگ۔'' وہ تکلیف سے بلبلائی۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ سوامی راج کپور کہاں ہے اور اس نے تمہیں میرے پیچھے کیوں لگایا ہے؟" عادل نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"پہلے مجھے باہر نکالو۔ کیڑے میرے جسم کو کاٹ رہے ہیں۔" وہ کربناک آواز میں بولی۔

"ہرگز نہیں۔ جب تک مجھے سب کچھ نہ بتاؤ گی، یونہی رہو گی۔"

"اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تمہیں پورن لال کے مندر تک نہ جانے دوں۔"

"کیوں۔ پورن لال کون ہے؟" عادل چونک پڑا۔

"وہ لکشمی دیوی کے مندر کا مہا پجاری ہے اور رخسانہ وہاں قید ہے۔ بس مجھے اس قدر معلوم ہے۔ اب مجھے باہر نکالو۔"

"ابھی نکالتا ہوں۔" عادل نے غضبناک ہو کر کہا۔ "وہ مندر ابھی کتنی دور ہے؟"

"یہاں سے دو میل آگے جنگل کے وسط میں ہے۔ آں۔ جلدی کرو۔" وہ تکلیف سے کراہی اور عادل نے لباس سے خنجر نکال کر اس کے سینے میں گھونپ دیا۔ اس کا زمین سے باہر نصف دھڑ تڑپنے لگا۔ عادل نے خنجر سے چند وار اور کیے اور چڑیل نے دم توڑ دیا۔ مرتے ہی اس کا زمین میں گڑا جسم نکل کر گر گیا۔ عادل پلٹا اور جنگل میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

چیخ سن کر سمن بوکھلا گئی۔ اس نے فوراً فرش پر نظر ڈالی اور دہشت کے مارے اچھل کر دو قدم پیچھے جا گری۔ فرش پر جہاں اس نے پاؤں تلے مکڑی کو کچلا تھا وہاں مکڑی کی بجائے ایک بھیانک شکل کا ننھا سا بچہ پڑا تھا۔ وہ نوزائیدہ بچہ معلوم ہوتا تھا جس کا جسم بہت چھوٹا مگر چہرہ کافی بڑا تھا جو کچلا ہوا تھا اور خون آلود تھا اور اس کی پیشانی میں صرف ایک آنکھ تھی جو کھلی اور متحرک تھی مگر باقی جسم بے جان اور ساکت تھا۔ وہ آنکھ خونخوار نظروں سے سمن کو گھور رہی تھی۔

سمن اس سے دو قدم کے فاصلے پر بیٹھی دہشت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور خوف کی شدت سے اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس کے ہوش وحواس مکمل طور پر رخصت ہو گئے۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو وہ ایک نرم بستر پر دراز تھی اور چھت کا پنکھا چل رہا تھا۔ اس نے نگاہیں گھما کر ادھر اُدھر دیکھا وہ ایک کمرے میں پلنگ پر موجود تھی کمرے میں ایک میز پر پانی کا جگ گلاس اور ناشتے کا سامان رکھا تھا کمرے کا واحد دروازہ بند تھا۔ دروازے کے بائیں جانب والی دیوار میں بلندی پر ایک روشندان تھا جس سے دن کی روشنی اندر پہنچ رہی تھی اگرچہ کمرہ کسی پختہ عمارت کا تھا لیکن جدید طرزِ تعمیر کا نہ تھا۔ شاید پرانی عمارت تھی جس کا دروازہ دو پاٹ والا تھا اور اس میں ایک جھری اوپر سے نیچے تک موجود تھی۔

سمن کو گزشتہ واقعات یاد آئے اور وہ خوفزدہ ہو کر ایک دم اٹھ بیٹھی۔ وہ بستر سے اتر کر میز کے پاس آئی۔ وہاں تازہ پراٹھے اور ساگ کا سالن دیکھ کر اسے بھوک کا احساس ہوا۔ اس نے ذہن سے خوف کو جھٹکا اور میز کھینچ کر پلنگ کے پاس لے آئی۔ پراٹھے گرم تھے جس کا مطلب تھا کہ اسی کے لیے وہاں رکھے گئے تھے۔ وہ کھانا کھانے لگی۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ اٹھی اور دروازے کے پاس آ گئی۔ اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی دروازہ باہر سے مقفل معلوم ہوتا تھا۔ تب اس نے زور سے دروازے پر دستک دی۔ پھر دروازے میں موجود جھری سے آنکھ لگا دی۔ سامنے مکان کا صحن تھا جس کا فرش کچا تھا۔ چند قدم دور صحن کا دروازہ تھا وہ بھی بند نظر آ رہا تھا۔ چار دیواری کچی مگر دس بارہ فٹ بلند تھی اس کے پار چند درخت دکھائی دے رہے تھے۔

سمن کے اندازے کے مطابق وہ کسی گاؤں میں تھی۔ باہر سے ابھرنے والی آہٹیں سن کر وہ پیچھے ہٹی اور پلنگ پر بیٹھ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ چند لمحوں بعد دروازے کی زنجیر کھلنے کی آواز بلند ہوئی پھر دروازہ کھلا اور ایک دبلا پتلا اور مریل سا بوڑھا اندر آ گیا۔ لباس سے وہ کوئی زمیندار شخص معلوم ہوتا تھا اس نے سر پر بھاری پگڑی باندھی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے چھوکری؟" بوڑھے سے سخت لہجے میں پوچھا۔ "میں مہاراج شنکر لال کا ادنیٰ سیوک پنڈت وشوا ناتھ ہوں اور یہ میری حویلی ہے۔"

"شنکر لال کہاں ہے۔ اس خبیث اپرادھی کو بلاؤ۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"زبان کو لگام دے کتیا۔" وہ غضبناک ہو کر دھاڑا۔ "کیا میں تیرا غلام ہوں؟ اپنی حیثیت دیکھ۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میں تمہاری مہمان ہوں۔" سمن نے کہا "اور تم میرے خدمت گار ہو۔"

"خدمت گار۔" وہ جبڑے بھینچتا ہوا بولا۔ "اگر وہ تمہیں میری قید میں نہ دیتا تو میں تمہاری ایسی خدمت کرتا کہ مرنے کے بعد بھی بلبلاتی اور میرے نام سے ڈرتی رہتیں۔"

"بکواس بند کرو اور شنکر لال کو بلاؤ اسے پیغام دو کہ تمہاری ماں بلا رہی ہے۔" سمن نے اسے ڈانٹا۔

"تم۔ تم شنکر لال کی ماں ہو۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور ہنسنے لگا۔

"ہاں اور تمہاری بیٹی ہوں۔" سمن مسکرائی۔ وہ دراصل اسے دانستہ غصہ دلا رہی تھی تاکہ وہ شنکر لال کو جلد بلائے یا پھر غصے میں کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جس سے اسے فرار ہونے میں آسانی رہے۔

"تم جیسی بدکار ناری میری بیٹی کیسے ہو سکتی ہے؟" وہ غرایا۔

"جب میں شنکر لال جیسے اپرادھی کی ماں ہو سکتی ہوں تو تمہاری بیٹی کیوں نہیں بن سکتی!"

پنڈت وشوا ناتھ نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے سمن کو گندی سی گالی دی اور بڑے جارحانہ انداز میں

اس کی طرف لپکا۔ جونہی وہ قریب پہنچا سمن نے فوراً ہی تانبے کا بھاری جگ اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارا۔ پنڈت چیختا کراہتا ہوا لڑکھڑایا اور ناک پکڑے فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔ اس کے سر سے پگڑی گر گئی۔ سمن نے اسے سنبھلنے کی مہلت نہ دی اور اٹھتے ہوئے جگ کا پیندا پوری قوت سے اس کے سر پر رسید کر دیا جو بالوں سے بے نیاز تھا۔ جگ کے پیندے کا تیز کنارہ پنڈت وشوا ناتھ کے سر کو چاقو کی طرف کاٹ گیا اور وہ تڑپتا ہوا فرش پر لڑھک گیا۔ اس کے سر سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔ سمن نے اسی پر بس نہ کی اور جھک کر بار بار جگ کے پیندے سے اس کے سر پر ضربیں لگانے لگی۔

پنڈت وشوا ناتھ کا بدن ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا تب وہ جگ پھینک کر اٹھی اور دروازے کی طرف لپکی۔ اس نے باہر جھانکا۔ اس کمرے کے دائیں بائیں دو اور کمرے تھے۔ ان میں سے ایک کا دروازہ کھلا تھا مگر وہاں پھیلے سناٹے سے اس نے اندازہ لگایا کہ ان میں کوئی نہیں ہے ورنہ پنڈت وشوا ناتھ کی چیخیں سن کر کوئی نہ کوئی وہاں ضرور آتا۔ اس نے قریب جا کر کھلے دروازے سے کمرے میں جھانکا۔ اندر ایک چارپائی رکھی تھی اور اس پر بستر بچھا ہوا تھا۔ ایک جانب فرش پر گیان دھیان کے لیے کنڈل بنا ہوا تھا اور وہیں ایک تیز دھار چھری کے ساتھ چند کوڑیاں اور موٹے منکوں کی مالا پڑی تھی۔ کنڈل کے باہر جمی ہوئی راکھ کا ڈھیر دکھائی دے رہا تھا۔

سمن نے اندر آ کر چھری اٹھائی اور اپنے لباس میں چھپا کر باہر آ گئی پھر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازے پر پہنچ کر ہلکی سی دستک دی اور کوئی جواب نہ پا کر دروازہ کھول دیا۔ اس میں بھی کوئی ذی روح نہ تھا البتہ ایک پلنگ، دو کرسیاں، ایک میز اور دیوار کے ساتھ تنی ہوئی رسی پر چند زنانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے جو شاید دھونے کے بعد وہاں ڈالے گئے تھے۔ دروازے کے سامنے والی دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی جو بند دکھائی دے رہی تھی۔

سمن نے کمرے میں داخل ہو کر زنانہ لباس کا جائزہ لیا۔ پھولدار سوتی ساڑھی اور سرخ رنگ کی چولی کے ساتھ ایک بنارسی لہنگا سوٹ تھا۔ اس نے سوچا کہ لباس بدل لے۔ مگر پھر خیال آیا کہ اس سے اس کی شکل میں فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ اس نے صرف ساڑھی لی اور چادر کی طرح خود پر لپیٹ لی تاکہ ضرورت کے وقت پلو سے چہرہ چھپایا جا سکے۔ پھر اس نے بائیں دیوار میں واقع الماری کا رخ کیا الماری کھولی تو اس میں زنانہ استعمال کی اشیاء چند برتن اور کپڑے کی ایک تھیلی میں کچھ رقم ملی۔ اس نے رقم نکالی اور کھڑکی کے پاس آ گئی۔ کھڑکی کھول کر اس نے باہر کا جائزہ لیا۔

اس طرف حویلی کا عقب تھا۔ دور تک گھنے درختوں کا باغ پھیلا ہوا تھا وہ پلٹی اور کمرے سے نکل کر صحن کے دروازے کی طرف چل دی۔ اس نے صحن کا دروازہ کھولا تو باہر نگاہ در نگاہ کھیتوں کے سلسلے تھے جن میں

کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں سے ایک پگڈنڈی دائیں سے بائیں جا رہی تھی۔ بائیں جانب کافی فاصلے پر کسی قصبے کی عمارتیں نظر آ رہی تھیں وہ باہر نکل آئی۔ اس حویلی کے قرب و جوار میں اور کوئی عمارت نہ تھی۔ اس نے قصبے میں جانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہیں سے پتہ چل سکتا تھا کہ وہ کون سا علاقہ ہے۔ چنانچہ وہ پگڈنڈی پر قصبے کی سمت بڑھنے لگی۔

نصف گھنٹہ بعد وہ قصبے کے قریب پہنچی تو سامنے سے ایک آدمی کو آتا دیکھ کر رک گئی۔ اس نے سر پر ساڑھی کا پلو ڈال کر اتنا جھکا لیا کہ نصف چہرہ چھپ گیا۔ وہ آدمی ادھیڑ عمر دیہاتی تھا اور سمن کی طرف سے غور سے دیکھتا قریب آ رہا تھا۔

''چاچا، دہلی یہاں سے کتنی دور پڑتا ہے؟'' اس نے سر جھکا کر اس آدمی کو مخاطب کیا۔

''دہلی یہاں سے پندرہ بیس کوس دور ہے۔'' وہ رکتا ہوا بولا ''مگر تم کون ہو اور کہاں جانا ہے؟''

''میں اپنے گاؤں سے آ رہی ہوں دہلی میں میرا پتی رہتا ہے۔ اس کے بارے میں پتا چلا ہے کہ حادثے میں زخمی ہے اور اسپتال میں داخل ہے۔ کیا قصبے سے کوئی لاری جاتی ہے دہلی کو؟''

''بالکل جاتی ہے۔ قصبے کی دوسری طرف پکی سڑک سے بروقت لاری مل جاتی ہے۔ کیا تم پنڈت وشوا ناتھ کے ڈیرے پر رہتی ہو؟''

''ہاں۔ اسی نے تو مجھے خبر دی ہے میرے پتی کی۔'' سمن نے کہا۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ آدمی اور کوئی سوال کرتا وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ قصبے میں داخل ہوئی تو دوپہر ہو چکی تھی۔ لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ وہ سنسان راستوں سے گزرتی ہوئی قصبے سے باہر سڑک پر پہنچ گئی۔ وہاں چند اور مسافر بھی لاری کے انتظار میں تھے۔ ان میں ہندو عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی۔ چند منٹ بعد ایک لاری آئی۔ اس پر دہلی کی تختی دیکھ کر وہ اس میں سوار ہو گئی۔ جلد ہی لاری دہلی پہنچ گئی۔ سمن سوچ رہی تھی کہ کہاں اترے پھر اس نے لاری اڈے پر اترنے کا فیصلہ کر لیا لیکن جونہی لاری شہر میں ایک جگہ مسافر اتارنے کے لیے رکی اس کے عقب سے ایک سرگوشی سنائی دی۔

''یہیں اتر جاؤ سمن۔'' اپنا نام سن کر وہ چونکی پھر چہرہ موڑ کر دیکھا تو حیرت سے اچھل پڑی۔ عقبی نشست پر وہی ادھیڑ عمر بوڑھا بیٹھا تھا جس سے اس نے لاری کا پوچھا تھا۔ اسے حیرت زدہ دیکھ کر وہ بوڑھا مسکراتا ہوا اٹھا اور لاری سے اتر گیا۔ وہ بھی لاری سے اتری اور لاری آگے بڑھ گئی۔

''تم کون ہو اور مجھے کیونکر جانتے ہو؟'' سمن نے بوڑھے سے سوال کیا۔

''میں شاستری مہاراج کا ادنیٰ سیوک مُرلی چند ہوں پتری۔'' بوڑھے نے بتایا۔ ''مجھے مہاراج نے بھیجا تھا کہ تمہیں پنڈت وشوا ناتھ کی قید سے آزاد کرا کے اس کے پاس لے آؤں۔ تم نے چہرہ چھپا رکھا تھا

اس لیے میں تمہیں نہ پہچان سکا۔ ٹھیک اسی وقت مجھے مہاراج کا پیغام ملا کہ تم سمن ہو اور تمہاری رکھشا کروں۔ چنانچہ میں تمہارے پیچھے چلا آیا۔ آؤ میں تمہیں مہاراج کے پاس پہنچا دوں۔'' سمن نے اطمینان کا سانس لیا اور مرلی چند کے ساتھ چل دی۔

☆☆☆

ڈھانچا زندہ تھا اور رخسانہ خوف سے لرزتی ہوئی سوچ رہی تھی کہ کیا کرے۔ وہ پورن لال کے آنے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی جبکہ ڈھانچا اسے روکنے آیا تھا۔ دفعتاً ڈھانچے نے اس کی طرف اپنا پنجہ پھیلایا۔ ''آؤ۔ واپس چلو۔''

رخسانہ جلدی سے پیچھے ہٹتی ہوئی خوفزدہ آواز میں بولی۔ ''نہیں۔ نہیں۔''

''مجھے پورن لال مہاراج نے تمہاری نگرانی پر مامور کیا ہے لڑکی۔'' ڈھانچا غرایا۔ ''اگر تم خود نہ واپس چلیں تو میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا اور یہ آدم خور چیونٹے تم پر چڑھ جائیں گے، پھر تم بھی میری طرح بن جاؤ گی۔''

اس کی دھمکی سن کر رخسانہ کے حواس گم ہونے لگے۔ وہ آدم خور چیونٹیوں کی غذا بننے کا تصور تک برداشت نہ کرسکتی تھی چنانچہ وہ الٹے قدموں دروازے کی بڑھنے لگی۔

''اچھا۔ تو تم یوں نہیں مانو گی۔'' ڈھانچے کے منہ سے غضبناک آواز خارج ہوئی۔ پھر وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ رخسانہ سوچ چکی تھی کہ اپنا دفاع کیسے کرے گی جونہی ڈھانچے نے اسے پکڑنے کے لیے اپنا پنجہ آگے بڑھایا رخسانہ نے پھرتی سے کلہاڑی گھما کر اس کے پنجے پر ماری اور اس کا کہنی تک بازو ٹوٹ کر فرش پر جاگرا۔ اس کے منہ سے دھاڑ خارج ہوئی اور اس نے غضبناک ہو کر رخسانہ پر جھپٹا مارا۔ رخسانہ نے تیزی سے پھر کلہاڑی گھمائی اور اس بار ڈھانچے کا دوسرا بازو بھی کہنی سے اکھڑ کر دور جاگرا۔

ڈھانچہ کربناک چیخ خارج کرتا ہوا رک گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے رخسانہ پر چھلانگ لگادی رخسانہ غافل نہیں تھی وہ اچھل کر اس کی زد سے بائیں طرف ہٹی اور ڈھانچہ منہ کے بل فرش پر آرہا۔ رخسانہ نے فوراً ہی اس کی کھوپڑی پر کلہاڑی کی ضرب لگائی اور اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ساکت ہوگیا مگر رخسانہ بوکھلا گئی۔ ڈھانچے سے جھڑنے والے چیونٹے فرش پر رینگ رہے تھے۔ اس نے خوفزدہ ہو کر فوراً دروازے کی طرف دوڑ لگادی وہ باہر آ کر رکے بغیر سامنے والے درختوں کی طرف لپکی اور وہاں پہنچ کر ایک درخت کی آڑ میں رک گئی۔ اس نے ہانپتے ہوئے مندر کے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر پلٹ کر چل دی تھوڑی دیر بعد اسے بائیں جانب سے ایک تیز آواز سنائی دی۔ ''رخسانہ!''

اس نے جلدی سے اس طرف دیکھا اور ایک اجنبی بوڑھے کو آتا دیکھ کر رک گئی۔ وہ بوڑھا قریب آیا تو

رخسانہ نے کلہاڑی بلند کرلی۔

''خبردار۔ وہیں رک کر بات کرو۔'' وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔

''رخسانہ۔ یہ میں ہوں، عادل۔'' بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور رخسانہ حیرت سے اچھل پڑی۔ ''مگر تمہاری شکل......''

''میں نے حلیہ اس لیے بدلا ہے کہ کوئی دشمن پہچان نہ لے۔'' عادل قریب آ کر بولا۔ رخسانہ کلہاڑی پھینک کر اس سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔ عادل نے اس کی پشت تھپکی۔ ''میں تمہیں آزاد کرانے آیا تھا مجھے شاستری مہاراج نے خبر دی تھی کہ تمہیں سوامی راج کپور نے اغوا کر کے بدروحوں کے کنڈل میں قید کر دیا ہے۔ سوامی کہاں ہے؟''

''اس نے مجھے کنڈل سے نکال کر پورن لال کے مندر میں قید کر دیا تھا۔'' وہ سسکتی ہوئی بولی۔ پھر اس نے مندر سے فرار کا واقعہ بیان کیا اور بولی۔ ''اب خطرہ ہے کہ راستے میں پورن لال یا سوامی راجکپور نہ پکڑ لے۔''

''بے فکر رہو، میرے جیتے جی وہ تمہیں ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔'' عادل نے کہا۔ ''آؤ چلیں۔''

عادل نے کلہاڑی اٹھالی اور رخسانہ کا ہاتھ پکڑ کر اس سمت چل دیا جدھر سے آیا تھا۔ چلتے ہوئے وہ بہت محتاط تھا اور منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہا تھا۔ رخسانہ اسے ٹرین سے اترنے کا واقعہ بتا رہی تھی اور وہ سمجھنے والے انداز میں سر کو جنبش دیتا جا رہا تھا۔ وہ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ اچانک سامنے والے درختوں سے ایک خوفناک سی چیخ بلند ہوئی اور وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ چیخ بڑی کربناک تھی اور کسی عورت کی معلوم ہوتی تھی۔ درختوں کے پاس قد آدم جھاڑیوں کی موجودگی کے سبب چیخنے والی نظر نہ آ رہی تھی۔ چند لمحوں بعد دوبارہ چیخ ابھری۔

''یہ تو کسی لڑکی کی چیخ معلوم ہوتی ہے۔'' عادل نے کہا۔ ''تم ٹھہرو میں معلوم کرتا ہوں۔''

''نہیں نہیں۔'' وہ جلدی سے عادل کا ہاتھ پکڑتی ہوئی خوفزدہ لہجے میں بولی۔ ''کوئی آسیبی چکر نہ ہو۔''

اسی لمحے تیسری بار چیخ بلند ہوئی پھر کسی کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔ لگتا تھا رونے والی کسی اذیت میں مبتلا تھی۔

''رخسانہ۔ وہ کوئی مظلوم لگتی ہے۔ شاید کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہے میں دیکھ کر آتا ہوں۔ گھبرانا مت۔'' یہ کہہ کر عادل آگے بڑھنے لگا۔ وہ گھنی جھاڑیوں سے گزر کر دوسری طرف پہنچا اور وہاں کا منظر دیکھ کر بے اختیار کانپ اٹھا۔ زمین پر ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی پڑی رو رہی تھی اور ایک کالا پھنیر ناگ اس کی ٹانگوں کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ لڑکی دہشت زدہ نگاہوں سے ناگ کی طرف دیکھ رہی تھی پھر اس ناگ

نے رخ بدلا اور عادل کی طرف دیکھنے لگا۔ عادل نے کلہاڑی سیدھی کی اور جارحانہ انداز میں ناگ کی طرف بڑھا۔ ٹھیک اسی لمحے عقب سے رخسانہ کی چیختی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ ''بچاؤ۔ بچاؤ۔''

رخسانہ کی آواز سن کر وہ یکدم رکا پھر پلٹا اور دوڑتا ہوا جھاڑیوں سے نکل آیا۔ اس طرف رخسانہ ایک بوڑھے شخص کی گرفت میں مچل رہی تھی وہ اسے مندر کی سمت کھینچ رہا تھا۔

''او نابکار...... چھوڑ دے اسے۔'' عادل نے اسے للکارا۔

اس بوڑھے نے پلٹ کر عادل کی طرف دیکھا اور عادل چونک پڑا۔ وہ اندھا تھا۔ رخسانہ کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق وہی پورن لال تھا۔

''بدبخت آدمی۔ بھاگ جا۔ ورنہ جلا کر راکھ کر ڈالوں گا۔'' بوڑھے نے غصے سے کہا۔

عادل نے اس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں کہتا ہوں چھوڑ دے اسے خبیث بڈھے۔''

پورن لال نے رخسانہ کو اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے غضبناک لہجے میں کہا۔ ''ٹھہر جا۔ پہلے میں تجھے مزہ چکھاتا ہوں۔'' پھر اس نے کچھ پڑھ کر عادل کی طرف پھونکا۔ فوراً ہی عادل کے گرد دو انسانی ڈھانچے نمودار ہو گئے انہوں نے عادل کو پکڑنا چاہا لیکن عادل نے کلہاڑی پر پھونک مارتے ہوئے کلہاڑی گھمائی اور کلہاڑی کے پھل سے شعلے نکلنے لگے۔ آگ دیکھ کر ڈھانچے چیختے ہوئے پیچھے ہٹے اور غائب ہو گئے۔ رخسانہ دوڑ کر عادل کے پاس آ گئی۔

''عادل۔ یہ بوڑھا شیطان پورن لال ہے۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''میں ابھی اس پورن لال کو چورن لال بناتا ہوں۔'' عادل غرایا۔

پھر وہ تیزی سے آگے بڑھا ہی تھا کہ پورن لال نے زمین سے چٹکی اٹھا کر عادل کی طرف پھینک دی۔ مٹی کے ذرات دہکتے ہوئے انگارے بن کر عادل پر آن گرے لیکن عادل کے جسم پر گرتے ہی بجھ گئے۔ عادل نے وقت ضائع کیے بغیر کلہاڑی سے پورن لال پر وار کیا۔ ضرب اس کے سر پر پڑی اور وہ چیختا ہوا زمین پر آ رہا۔ اس کا سر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ عادل نے دوسرا وار اس کے سینے پر کیا اور وہاں سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ ایک دو لمحوں میں اس کا تڑپتا ہوا جسم ہمیشہ کے لیے ساکت ہو چکا تھا۔

''آؤ رخسانہ۔'' عادل نے کلہاڑی پر پھونک ماری اور اس سے شعلوں کا اخراج بند ہو گیا۔ ٹھیک اسی لمحے عقب سے ایک غضبناک سی آواز بلند ہوئی رخسانہ نے پلٹ کر دیکھا اور تیزی سے عادل سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

مرلی چند سمن کے ساتھ چلتا ہوا ایک گلی میں داخل ہوا۔ اس گلی کا اختتام ایک سڑک پر ہوا اس نے سڑک پار کی اور چند قدم بائیں طرف چلنے کے بعد پھر ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گیا۔ گلی سنسان پڑی

تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ کے پانچویں مکان کے سامنے قدم روکے اور دروازے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ دباؤ پڑتے ہی کھل گیا اس نے سمن کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ سمن کے بعد وہ خود بھی اندر آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ یہ ایک دو کمروں کا مکان تھا۔ سامنے برآمدہ تھا اور اس میں دونوں کمرے برابر برابر تھے دونوں کے دروازے بند تھے وہ بائیں کمرے کی طرف بڑھا اور دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

''آ جاؤ مرلی چند۔'' اندر سے آواز آئی اور سمن نے پہچان لی۔ وہ اس کے باپ شاستری کی آواز تھی۔

مرلی چند نے دروازہ کھولا اور سمن کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر فرش پر بچھی چٹائی پر شاستری بیٹھا تھا۔ سمن کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سمن دوڑ کر اس سے لپٹ گئی اور خوشی سے بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ شاستری پدرانہ شفقت نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ سمن بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ایک عرصہ بعد باپ کو دیکھ کر سارے زخم ہرے ہو گئے تھے۔

''دھیرج پتری دھیرج۔ تمہاری آواز کوئی باہر سے سن لے گا۔'' شاستری نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''صبر کرو بیٹی۔''

''بہت صبر کیا ہے بابا۔'' وہ سسکتی ہوئی بولی۔ ''آپ کے دشمنوں نے مجھے بہت اذیتیں دی ہیں۔ بہت دکھ اٹھائے ہیں آپ کی جنم بھومی میں۔''

''اب سب مصیبتیں ختم ہو گئی ہیں۔ امن و سکون کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔'' شاستری نے شفقت سے اس کی پیشانی چومی۔ ''تمہاری وجہ سے میں بھی بے سکون رہا۔ تم اس پاپی شنکر لال کی گرفت میں تھیں اور میں اس لیے کھل کر اس کا مقابلہ نہ کر سکا کہ کہیں وہ انتقاماً تمہیں جان سے نہ مار دے یا اس سے مقابلے میں تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچ جائے لیکن اس کے باوجود میں تمہاری طرف سے ایک لمحہ کے لیے غافل نہ رہا اور ہر قدم پر تمہاری آبرو کی حفاظت کا سامنا کرتا رہا۔''

''بابا۔ وہ نابکار شنکر لال کب ختم ہو گا۔ آپ کب تک اس سے مقابلہ کرتے رہیں گے؟''

''بس پتری۔ اب آخری مقابلہ ہو گا پھر اس کے بعد دنیا میں وہ رہے گا یا میں۔'' شاستری نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''اگر وہ گزشتہ رات تمہیں اسٹیشن سے اغوا نہ کر لیتا تو شاید آج اس کا دنیا میں وجود باقی نہ ہوتا۔ بہرحال اب تم آ گئی ہو اس لیے آنے والی رات اس کی زندگی کی آخری رات ثابت ہو گی۔''

سمن اس سے الگ ہو کر اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔ مرلی چند ہاتھ باندھے دوازے کے پاس کھڑا تھا۔ شاستری نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''مرلی چند۔ میری بیٹی کو بھوک لگی ہو گی۔ کھانے کا انتظام کرو۔''

''بہت بہتر مہاراج۔ ابھی کھانا لے آتا ہوں۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ سمن کو عادل کا خیال آ گیا۔ ''بابا۔ ملنگ کہاں ہے؟''

''وہ یہاں نہیں ہے۔ وہ تمہارے اغوا کے بعد صبح والی گاڑی سے روانہ ہو گیا تھا۔'' شاستری نے بتایا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے قریب رکھی ہوئی پانی کی گڑوی اٹھا کر بولا۔ ''میں ابھی آتا ہوں۔''

وہ صحن میں نکل گیا اور سمن بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد شاستری مرلی چند کے ہمراہ آ گیا۔ مرلی چند کھانا لایا تھا۔ اس نے کھانا سمن کے سامنے رکھ دیا۔

''مرلی چند۔ تم ذرا میری بیٹی کا دھیان رکھو۔ میں ایک ضروری کام سے قریبی مندر میں جا رہا ہوں۔ ایک دو گھنٹے بعد واپس آؤں گا۔ میرے آنے تک اس کی حفاظت سے غافل نہ ہونا۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔ مرلی چند سمن کے سامنے بیٹھ گیا۔ کھانا کھانے کے بعد سمن ہاتھ دھونے کے لیے اٹھی اور کمرے سے نکل آئی۔ پانی کا نل صحن کے ایک کونے میں تھا۔ مگر جونہی وہ نل کے پاس پہنچی اچانک عقب میں آہٹ ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور خوف سے اپنی جگہ ساکت ہوتی چلی گئی۔ اس کے عقب میں اس کے باپ کا ازلی دشمن شنکر لال کھڑا اسے غضبناک نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

☆☆☆

چند لمحے پہلے جہاں اجنبی لڑکی سے ناگ لپٹا ہوا تھا وہاں اب ایک خوفناک شکل کا سادھو کھڑا شعلہ بار نگاہوں سے عادل کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی کلائی پر کالا ناگ لپٹا پھنکار رہا تھا جبکہ لڑکی غائب تھی۔

''عادل، یہی سوامی راجکپور ہے۔'' رخسانہ نے خوف زدہ لہجے میں بتایا اور عادل چونک پڑا۔

''ملنگ۔'' دفعتاً سوامی راجکپور اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''میں نے تمہارے بارے میں سنا ضرور تھا لیکن یہ پتا نہ تھا کہ تم اتنے طاقتور ہو کہ پورن لال جیسے خطرناک آدمی کو بھی ہلاک کر سکتے ہو۔''

''میں تمہاری گردن بھی مروڑ سکتا ہوں خبیث آدمی۔'' عادل نے غصے سے کہا۔ ''تم نے رخسانہ کو بہت اذیتیں دی ہیں جن کا حساب لینے کے لیے میں بے قرار تھا۔ اچھا ہوا تم خود ہی میرے سامنے آ گئے ورنہ مجھے تمہاری تلاش میں جانا پڑتا۔''

''واہ بھئی واہ!'' سوامی راجکپور استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ ''شاستری کا بالک ابھی زمین سے پورا نہیں نکلا اور چیلنج کر رہا ہے اس آدمی کو جس نے چالیس سال شنکر لال مہاراج کے پاؤں چھونے میں گزار دیئے۔ تمہاری مثال اس چیونٹی کی ہے جو ہاتھی سے انتقام لینے چلی تھی۔''

''بکواس مت کرو۔'' عادل غرایا۔ ''مطلب کی بات کرو۔ کیسے آئے ہو؟''

''آیا تو میں اس لڑکی کو لینے تھا لیکن اب تم سے پورن لال کا انتقام لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔''

اس کی بات سن کر عادل ہتھے سے اکھڑ گیا۔ اس نے غضبناک آواز میں کہا۔ ''دوبارہ اس لڑکی کا نام نہ لینا پاپی بڈھے۔ ورنہ تمہاری زبان کتوں کو ڈال دوں گا۔ یہ اب میری پناہ میں ہے۔ اسے اب تمہارا باپ بھی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔''

''او نابکار۔ کل کا چھوکرا ہو کر مجھے ڈراتا ہے۔ میں لڑکی سے تو بعد میں نمٹوں گا پہلے میں تمہیں نشٹ کرتا ہوں۔'' سوامی راجکپور غصے سے سرخ ہوتا ہوا بولا۔ ''لے سنبھل جا اور اپنے اپرادھی گرو شاستری کے سارے حربے آزما ڈال لیکن موت تیرا مقدر بن چکی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے کلائی سے لپٹا ہوا سیاہ ناگ کلائی سے نوچا اور عادل پر پھینک دیا۔ رخسانہ چیخ کر عادل سے الگ ہو گئی اور ناگ سیدھا عادل کے سینے پر آ پڑا۔ اگلے ہی لمحے وہ اس کے گرد لپٹ گیا۔ عادل پر ایک لمحے کے لیے بوکھلاہٹ طاری ہو گئی اور کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ناگ نے آن کی آن میں اس کی گردن اپنے بلوں میں جکڑ لی اور عادل کا دم گھٹنے لگا۔ اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا تو اس نے جلدی سے کالے ناگ کا پھن اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا اور اسے گردن سے دور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ رخسانہ دو قدم کے فاصلے پر کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے عادل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دم گھٹنے سے عادل کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

''او فاحشہ۔ اپنے یار کو چھوڑ و اور میرے ساتھ آؤ۔'' سوامی راجکپور نے قریب آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''یہ اب نہیں بچ سکے گا۔''

''چھوڑو مجھے خنزیر کے بچے۔'' رخسانہ چلائی اور اس نے دوسرے ہاتھ سے سوامی راجکپور کو دھکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا وہ لڑکھڑاتا ہوا پیٹھ کے بل زمین پر جا پڑا۔ رخسانہ تیزی سے کلہاڑی کی طرف لپکی مگر سوامی راجکپور نے فوراً ہی اس کی طرف پھونک ماری۔ اگلے ہی لمحے وہ کراہتی ہوئی پیچھے جا پڑی اور زمین پر گرتے ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا پورا جسم نادیدہ زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہو۔ اس نے زمین سے اٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

عادل ناگ کا پھن گرفت میں لیے تیزی سے ایک عمل پڑھ رہا تھا اور اس کی گردن کے گرد ناگ کے بل سخت ہوتے جا رہے تھے عادل کا سانس حلق میں اٹک رہا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ اس کے سانسوں کی ڈور ٹوٹتی اس نے سانپ کے پھن پر پھونک مار دی۔ اگلے ہی لمحے ناگ کے منہ سے ایک کربناک انسانی چیخ خارج ہوئی اور درختوں پر بیٹھے پرندے خوف سے چیختے ہوئے درختوں کو چھوڑ گئے۔ اس کے ساتھ ہی ناگ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اس کے بل کھلتے چلتے گئے وہ بے جان ہو چکا تھا۔ عادل نے اسے گردن سے نوچ کر زمین پر پھینک دیا اور پھر اپنی کلہاڑی کی طرف لپکا۔ سوامی راجکپور ناگ کا حشر دیکھ کر ایک لمحے کے لیے سن ہو کر رہ گیا۔ عادل نے تیزی سے کلہاڑی اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور سوامی راجکپور نے فوراً

ہی زمین سے چٹکی بھر خاک اٹھا کر اس کی طرف اچھال دی۔ دوسرے ہی لمحے عادل گرد و غبار کے ایک بہت بڑے مرغولے میں پھنس گیا اور تیزی سے دائرے میں چکرانے لگا۔ اس کے پاؤں بار بار زمین سے اٹھ رہے تھے مگر وہ کوشش کر کے فوراً زمین پر پاؤں جما دیتا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ایک بار بھی اس کا بدن غیر متوازن ہو گیا تو مرغولہ اسے بلندی پر لے جائے گا اور جب مرغولہ ہوا میں منتشر ہو گا تو وہ پتھر کی طرح زمین پر آ گرے گا اور اس کے جسم کے ہزاروں چیتھڑے ہو جائیں گے۔

☆☆☆

شنکر لال کو دیکھ کر سمن کے اوسان خطا ہو گئے اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ شنکر لال اس کے باپ شاستری کی رہائش گاہ تک آ پہنچے گا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے چیخ ماری اور پلٹ کر کمرے کی طرف بھاگی۔ مگر شنکر لال نے جست لگائی اور اس کی کلائی پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ اسی لمحے مرلی چند اس کی چیخ سن کر تیزی سے باہر آیا۔ شنکر لال کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے وہ بھونچکا رہ گیا پھر اس نے حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر شنکر لال کو للکارا۔

''اس لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دے نابکار ملعون۔ یہ میری پناہ میں ہے۔''

''او نابکار۔ تو کون ہوتا ہے مجھے حکم دینے والا۔ کیا تو مجھے نہیں جانتا؟'' شنکر لال غضبناک ہو گیا۔

''تو جو کوئی بھی ہے میں تجھے ٹھینگے پر لکھتا ہوں۔ یہ میرے گرو کی امانت ہے۔'' مرلی چند غرایا۔

''اچھا۔ تو اپنے اس پاپی گرو کو بتا دینا کہ اپنی چھوکری کی زندگی چاہتا ہے تو سرحد کے پار چلا جائے۔'' شنکر لال اسے گھورتا ہوا بولا۔

''تو اسے چھوڑتا ہے یا......'' مرلی چند نے مشتعل ہو کر کہا۔

لیکن اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی شنکر لال نے اس کی طرف پھونک ماری اور مرلی چند کے دونوں پاؤں پنڈلیوں تک فرش میں دھنس گئے۔ اس نے جلدی سے ایک منتر پڑھ کر شنکر لال کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے آگ کا شعلہ نکل کر شنکر لال کی طرف لپکا مگر اس کے جسم کو چھونے سے پہلے ہی بجھ گیا۔ شنکر لال نے جوابی وار کیا اور مرلی چند کے منہ سے اس کی زبان نکل کر ٹھوڑی پر لٹکنے لگی اب وہ کوئی عمل پڑھنے سے یکسر معذور تھا۔ شنکر لال نے سمن کو دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ''شرافت سے چلی آؤ سمن۔ مرلی چند تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ اگر تم نے مزاحمت کی تو پھر میری غلام روحیں تمہیں اٹھا کر لے جائیں گی۔''

''میں نہیں جاؤں گی خبیث آدمی تمہارے ساتھ۔'' سمن چیخی۔

شنکر لال نے اس کے چہرے پر پھونک ماری اور اس کی زبان تالو سے چپک گئی اور ذہن سے

مزاحمت کا خیال تک محو ہو گیا۔ شنکر لال اسے بازو سے پکڑے مکان سے باہر آیا اور ایک طرف چل دیا۔ سڑک پر آ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر سڑک کے کنارے سفید رنگ کی ایک کار کھڑی تھی اس نے کچھ الفاظ بدبداتے ہوئے ہاتھ سے کار کی طرف اشارہ کیا کار فوراً حرکت میں آئی اور ان کی طرف بڑھنے لگی۔ سمن سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر سمجھ نہ پا رہی تھی وہ سن سکتی تھی مگر بول نہ سکتی تھی۔

سفید کار خالی تھی اس میں ڈرائیور یا کوئی اور ذی روح نظر نہ آ رہی تھی اور وہ خود بخود چلتی ہوئی ان کے سامنے آ رکی۔ شنکر لال نے پچھلا دروازہ کھول کر اس میں سمن کو بٹھایا پھر اس کے برابر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔

''کہاں چلنا ہے مہاراج؟'' کار میں ایک غیبی آواز گونجی۔

''میرے نئے آشرم کی طرف چلو۔'' شنکر لال نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور کار خود بخود چل دی۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ شنکر لال کے پہلو میں بیٹھی سمن کا چہرہ کسی قسم کے تاثر سے عاری تھا وہ خاموش بیٹھی ساکت آنکھوں سامنے دیکھ رہی تھی کار خود بخود دوڑتی ہوئی سڑکیں اور راستے تبدیل کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر کے مغربی حصے میں واقع آخری آبادی میں داخل ہوئی اور ایک دو گلیوں میں گھومنے کے بعد سرخ گیٹ والے ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ شنکر لال نے بند گیٹ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور گیٹ خود بخود کھلتا چلا گیا۔ گیٹ کھولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا شاید کسی نادیدہ وجود نے گیٹ کھولا تھا۔ کار دوبارہ حرکت میں آ کر گیٹ سے اندر گئی اور عمارت کے وسیع برآمدے کے قریب پہنچ کر رک گئی اس کا انجن خاموش ہو گیا۔ شنکر لال دروازہ کھول کر کار سے اترا اور اس نے سمن کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکالا۔ سمن کسی پس و پیش کے بغیر کار سے اتری تھی۔ اس کے ذہن کی پلیٹ اب بھی سادہ تھی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے مفقود تھی، شنکر لال اس کا ہاتھ پکڑے برآمدے میں داخل ہوا اور آگے بڑھنے لگا۔ کافی وسیع عمارت تھی اور اس میں آمنے سامنے کئی کمرے بنے ہوئے تھے۔ راہداری کے اختتام پر بھی ایک دروازہ تھا۔

وہ سمن کو لیے اس دروازے پر پہنچا اور باہر لگا ایک بٹن دبایا۔ فوراً ہی دروازہ کھل کر بائیں جانب دیوار میں گھس گیا۔ یہ ایک کیبن نما کمرہ تھا وہ سمن کے ساتھ اس میں داخل ہوا اس کے ساتھ ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا اور کیبن کا فرش لرزنے لگا۔ چند لمحوں بعد فرش کی لرزش بند ہو گئی اور دروازہ کھل گیا۔ شنکر لال سمن کا ہاتھ پکڑ کر کیبن سے باہر آیا۔ یہ ایک چھوٹی راہداری تھی جس میں صرف تین چار کمرے تھے وہ سمن کو ساتھ لیے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ کمرے کے اندر فرش کی بجائے گہرا خلا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سمن کو پکڑ کر اندر دھکیلا اور وہ خلا میں گرتی چلی گئی۔

☆☆☆

نادیدہ زنجیروں میں جکڑی رخسانہ دہشت زدہ نگاہوں سے گردوغبار کے مرغولے کی طرف دیکھ رہی تھی جس میں عادل کا جسم پوشیدہ تھا اور مرغولہ زمین پر کسی گرداب کی طرح گردش کر رہا تھا۔ سوامی راجکپور اٹھ کر اس کے قریب آیا اور اس کے سر کے بال مٹھی میں جکڑتا ہوا غرایا۔

''ابھی تیرے یار کا جسم ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا۔ پھر میں تجھے لے جاؤں گا۔ اپنی آنکھوں سے اس کا حشر دیکھ لے پھر تو تیری اس کے ساتھ ملاقات جہنم میں ہو سکے گی۔'' رخسانہ کچھ نہ بولی۔ وہ حرکت کرنے سے معذور تھی۔ وہ دل ہی دل میں عادل کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی کہ اے زندگی اور موت کے مالک رب! عادل کو ظالم کے شر سے بچالے یا پھر اس کا انجام دیکھنے سے پہلے مجھے اندھا کر دے۔ یہ دعا کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آئے اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''آنکھیں کھول ناپاک لڑکی اور اپنے یار کا انجام دیکھ ورنہ میں تیری آنکھیں نکال لوں گا۔'' سوامی راجکپور نے اس کے بال چھوڑتے ہوئے غضبناک لہجے میں کہا اور رخسانہ کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ کمزور بدن ہونے کے باوجود اس کا ہاتھ کافی بھاری تھا۔ رخسانہ کے ملائم اور صبیح رخسار پر اس کی انگلیوں کے سرخ نشان ابھر آئے اور اس نے چیختے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ سوامی راجکپور اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر مکروہ انداز میں ہنسا۔ ''ہاں، اب ٹھیک ہے۔ دوبارہ آنکھیں بند کیں تو دوسرا گال بھی سرخ کر دوں گا۔''

''پاپی کتے۔ تم ایک بے بس لڑکی کو زیادہ سے زیادہ ہلاک کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔''

''لیکن میں تمہیں ابھی ہلاک نہیں کروں گا پہلے اپنے سارے ارمان پورے کروں گا۔ اب تک تمہیں شنکر لال مہاراج کی امانت سمجھ کر میں......''

دفعتاً ایک خوفناک دھاڑ سے جنگل کانپ اٹھا اور سوامی راجکپور کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا گردوغبار کا مرغولہ عادل سمیت غائب تھا اور وہاں ایک جسیم شیر کھڑا خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عادل کو نہ پا کر رخسانہ بھی چونکی۔ سوامی راج کپور نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ٹھیک اسی لمحے شیر نے اس پر جست لگا دی۔ سوامی راجکپور نے بوکھلا کر بچنے کے لیے بائیں جانب چھلانگ لگائی لیکن شیر پینترا بدل کر اس پر آ پڑا۔ وہ منہ کے بل گرا اور فوراً ہی اٹھنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے ہی شیر نے اس کی گردن اپنے جبڑوں کی گرفت میں لے لی۔ سوامی راجکپور کے حلق سے کربناک چیخیں خارج ہونے لگیں اور وہ بری طرح ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ شیر کے تیز دانت اس کی گردن میں پیوست تھے۔ اسی حالت میں وہ اپنے دفاع کے لیے کوئی منتر پڑھنا تو درکنار اپنی بے ساختہ اور اذیت آمیز چیخوں پر بھی قابو نہ پا سکا۔

رخسانہ اس کی حالت پر خوش ہونے کی بجائے خوفزدہ ہو گئی کہ سوامی راجکپور کے بعد شیر اسے بھی شکار

کر سکتا تھا۔ اس نے عادل کی تلاش میں تیزی سے اِدھر اُدھر دیکھا مگر عادل کا وہاں کوئی نشان تک نہ نظر آیا۔ دفعتاً شیر نے اپنی گرفت میں تڑپتے سوامی راج کپور کی گردن کو دائیں سے بائیں جھٹکا دیا اور اس کی گردن کئی انچ تک لمبی ہو گئی اس کے ساتھ ہی اس کی چیخیں بند ہو گئیں اور جسم ہمیشہ کے لیے ساکت ہوتا چلا گیا۔ شیر نے اس کی چبائی ہوئی گردن چھوڑ دی اور رخسانہ کی طرف دیکھا۔ اس کا خون میں لتھڑا ہوا منہ دیکھ کر رخسانہ دہشت زدہ ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی اسے محسوس ہوا کہ وہ حرکت کر سکتی ہے۔ سوامی راجکپور کے مرتے ہی وہ نادیدہ زنجیروں کی گرفت سے آزاد ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور پلٹ کر چیختی ہوئی شیر کی مخالف سمت دوڑ پڑی۔ ''بچاؤ۔ بچاؤ۔ بچاؤ''

''رک جاؤ رخسانہ۔'' دفعتاً عقب سے ایک نرم آواز بلند ہوئی۔

وہ آواز سن کر رخسانہ کے دوڑتے قدم یکدم رک گئے اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا اور بے اختیار اچھل پڑی۔ عقب میں سوامی راجکپور کی لاش کے پاس عادل کھڑا مسکرا رہا تھا اور وہ خونی شیر غائب تھا جس نے اس کے سامنے راجکپور کی گردن ادھیڑی تھی۔ عادل کو زندہ سلامت پا کر رخسانہ پر خوشی سے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ بے ساختہ عادل کی طرف دوڑی اور اس کے سینے سے آ لگی۔ اس نے عادل کو بانہوں میں جکڑ لیا۔

''عادل۔ عادل۔ تم زندہ ہو۔ مجھے یقین تھا میرا عادل نہیں مر سکتا کہ میں نے اپنے پیار کے مرنے سے پہلے اپنی موت کی دعا کی تھی۔''

پھر وہ پیچھے ہٹی اور اس طرح عادل کا جائزہ لینے لگی جیسے دیکھ رہی ہو کہ وہ پورا ہی ہے کہیں سے ٹوٹا پھوٹا تو نہیں۔ اس کے انداز پر عادل بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''بے فکر رہو۔ مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' وہ آگے بڑھ کر اسے بازوؤں میں لیتا ہوا بولا۔ ''تمہاری دعا میں واقعی اثر تھا۔ دل سے جو دعا نکلے وہ یقیناً قبول ہوتی ہے ورنہ سوامی راجکپور نے درست کہا تھا کہ تم میرے بدن کو ریزہ ریزہ دیکھو گی۔''

''میں اس لمحے سے پہلے ہی اپنی آنکھیں پھوڑ لیتی ڈیئر۔'' وہ اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''اس مردود نے جادو سے میرے جسم کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا ورنہ میں خود بھی اس مرغولے میں کود پڑتی۔ مگر شیر کے آتے ہی تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

''کہیں بھی نہیں۔ مرغولہ مجھے زمین سے بلندی کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی گردش میں، میں بمشکل خود کو شیر کی ہیئت میں لا سکا۔ ہیئت بدلتے ہی مرغولہ خود بخود ختم ہو گیا تھا۔''

اس کی بات سمجھ کر رخسانہ نے سوامی راجکپور کی لاش پر تھوک دیا۔ ''اس شیطان کا انجام اس سے بھی زیادہ برا ہونا چاہیے تھا۔''

"خیر......" عادل بولا "مر گیا مردود۔ پھر کیسی فاتحہ اور درود۔"

ٹھیک اسی لمحے فضاء میں ایک گونج سی سنائی دی۔ عادل نے بے اختیار آواز کی سمت دیکھا اور چونک پڑا۔ اس سمت آسمان پر بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تیرتا آ رہا تھا اور وہ گونج اسی سے خارج ہو رہی تھی۔ رخسانہ نے بھی بادل کی سمت دیکھا۔

"رخسانہ۔ ہوشیار رہو۔ یہ بادل کوئی ماورائی چیز ہے۔" عادل نے کہا۔

"تمہارے ہوتے ہوئے مجھے ہوشیار رہنے کی کیا ضرورت ہے ڈیئر۔ تم بھی تو ماورائی شے ہو۔" وہ اسے مخمور نگاہوں سے دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ بادل کا ٹکڑا بتدریج ان کی سمت آتا ہوا زمین سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ عادل نے حفاظت کے خیال سے فوراً ہی اپنے اور رخسانہ کے گرد انگلی کے اشارے سے حفاظتی حصار کھینچ دیا۔ چند لمحوں بعد وہ بادل ان کے سروں کے اوپر پہنچ کر ہوا میں رک گیا پھر اس میں سے ایک ایسا چہرہ نمودار ہوا جسے دیکھ کر خوف کی شدت سے رخسانہ پر کپکپی طاری ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

تاریک خلاء میں اس کا بدن کسی پتھر کی طرح گرتا جا رہا تھا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس کی زبان تالو سے چپکی ہوئی تھی اس لیے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ چند لمحوں بعد اسے محسوس ہوا کہ جسم کسی بے حد گداز اور نرم چیز پر ٹک گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی زبان کھل گئی اور جکڑے ہوئے اعصاب آزاد ہو گئے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور حیران رہ گئی وہ اس وقت ایک خوبصورت اور جدید لوازمات سے آراستہ خوبصورت کمرے میں گداز اور آرام دہ بستر پر پڑی تھی۔ کمرے میں برقی روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کے سوا وہاں کوئی ذی روح موجود نہ تھا۔

اس کی یادداشت کا سلسلہ بحال ہو گیا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کمرے کا واحد دروازہ بند تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک میز اور کرسیاں رکھی تھیں۔ وہ بستر سے اتر کر دروازے کے پاس آئی اور اسے کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ دروازہ شاید باہر مقفل تھا اس نے یادداشت پر زور دیا کہ وہ کہاں ہے تو اسے یاد آیا کہ شنکر لال نے اسے اغوا کیا تھا۔ یقیناً یہ اسی کا کوئی ٹھکانا تھا اس کے باپ شاستری بابا کے سیوک مرلی چند نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی لیکن شنکر لال جیسے زبردست شخص کا مقابلہ اس کا باپ ہی کر سکتا تھا۔

دفعتاً دروازہ یکدم کھل گیا۔ اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دروازے میں ایک خوفناک اور عجیب الخلقت مخلوق کھڑی تھی اس کا چہرہ ریچھ سے مشابہ تھا جس پر سیاہ بال تھے اور تھوتھنی سے رال ٹپک رہی تھی۔ دونوں کندھے، بازو اور ہاتھ بھی ریچھ کی طرح تھے اور جسم پر

کمر تک بال دکھائی دے رہے تھے لیکن کمر سے نیچے کا جسم انسانی تھا اور اس نے دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ خوفناک اس کی آنکھیں تھیں جو بیل کی آنکھوں جتنی بڑی مگر سرخ تھیں اور ان سے خونخواری ٹپک رہی تھی۔

سمن اس ریچھ نما شخص کو دیکھ کر خوف سے لرزتی ہوئی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ریچھ نما آدمی رال بہاتا کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر سمن اور بھی گھبرا گئی۔ اس نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر عقب میں میز رکاوٹ بن گئی۔

"کک۔ کون۔ ہو تم؟" وہ بوکھلا کر بولی۔

"نابکار شاستری کی بیٹی سمن تم ہی ہو؟" اس کے منہ سے غیر انسانی آواز خارج ہوئی۔

سمن نے اثبات میں سر ہلایا۔ تب اس ریچھ شخص کی تھوتھنی سے ہنسنے کی آواز نکلی۔ "میرا نام بگھیلا رام ہے اور مجھے مہاراج شنکر لال نے تمہاری سیوا کے لیے بھیجا ہے۔ کیا تم مجھے سیوا کرنے کا موقع دو گی؟"

"بکواس مت کرو ذلیل کمینے۔" سمن اس کا مطلب سمجھ کر چیخ پڑی۔ "میں تھوکتی ہوں تمہاری شکل پر۔"

بگھیلا رام کی آمد سے اس پر فوری طور پر جو خوف طاری ہوا تھا وہ اس کی باتوں سے زائل ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر شنکر لال کیا چاہتا ہے اس نے بگھیلا رام کو کیوں بھیجا۔ اسے ڈرانے کے لیے یا اس کی آبرو پامال کرنے کے لیے؟ جبکہ وہ اسے یرغمال بنا کر رکھنے کے لیے اغوا کر کے لایا تھا اور چاہتا تھا کہ اس کا باپ یہاں سے اپنے ملک چلا جائے۔ اس نے مرلی چند کو بھی یہی پیغام دیا تھا پھر اب اس کی نیت میں کیوں فتور آ گیا تھا؟

بگھیلا رام ہنستا ہوا اس کی طرف بڑھا تو پیچھے میز ہونے کی وجہ سے وہ ہٹ نہ سکی۔

"شیطان کے بچے۔ اگر تم نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو انجام برا ہو گا۔" وہ غرائی۔

"انجام کچھ بھی ہو مجھے تو اپنی صدیوں کی پیاس بجھانی ہے چھوکری۔ تین سو سال تک عورت کے بغیر سسکتا رہا ہوں۔" بگھیلا رام نے پیش قدمی روکے بغیر لاپرواہی سے کہا۔ "مجھے تین صدیوں بعد یہ بدن ملا ہے تو میں کیوں نہ اپنے من کی آگ کو ٹھنڈا کروں۔"

اس کی حقیقت جان کر سمن ایک لمحے کے لیے لرز اٹھی۔ یقیناً وہ کوئی بدروح تھی جسے شنکر لال نے اپنی ماورائی طاقت سے جسم عطا کیا تھا اور اب وہ اپنے خوفناک جسم کا استعمال کرنے اس کے قریب آ رہا تھا۔ اس نے قریب پڑی کرسی پر ہاتھ رکھتے ہوئے غصے سے کہا۔ "رک جاؤ خبیث!"

"خاموش رہو چھوکری۔" بگھیلا رام دھاڑا۔ "مجھے مہاراج کے حکم کی تعمیل کرنی ہے اور تمہارا......"

بگھیلا رام کو جملہ پورا کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ سمن نے اچانک ہی کرسی اٹھائی اور پوری قوت سے

اس کے سر پر دے ماری۔ بگھیلا رام کے حلق سے تیز کراہ خارج ہوئی اور وہ لڑکھڑاتا پیچھے جا پڑا۔ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ سمن جانتی تھی اس ریچھ نما بد روح کے لیے ایک ضرب کافی نہیں ہوگی اور وہ سنبھل گیا تو پھر اس کے جسم کو نوچنے اور روندنے سے اسے کوئی نہ روک سکے گا۔ چنانچہ اس نے بگھیلا رام کے سنبھلنے سے پہلے دوسری کرسی اٹھائی اور اس کے سر پر رسید کر دی۔ بگھیلا رام کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ فرش پر لڑھک گیا۔ سمن نے ہاتھ نہ روکا اور پے در پے اس کے سر پر ضربیں لگانے لگی۔ بگھیلا رام کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اور وہ چیختا ہوا دائیں سے بائیں پہلو بدلتا کرسی پکڑنے کی کوشش کرتا رہا لیکن سمن پینترے بدل بدل کر اس پر وار کر رہی تھی۔ کبھی سر پر کبھی ٹانگوں پر اور کبھی ہاتھوں پر۔

پھر اس کی چیخیں بند ہو گئیں اور اس کا لہولہان جسم ساکت ہوتا چلا گیا۔ سمن کرسی پھینک کر بستر پر آ بیٹھی اور ہانپنے لگی لیکن ابھی اس کی سانسیں متوازن نہیں ہوئی تھیں کہ اچانک بگھیلا رام کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس سے پہلے کہ سمن کچھ سمجھتی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ سمن بوکھلا کر کرسی کی طرف لپکی لیکن بگھیلا رام نے تیزی سے اس پر چھلانگ لگائی اور اسے دبوچ لیا۔

☆☆☆

اس چہرے کو دیکھ کر عادل بھی ایک لمحہ کے لیے گنگ رہ گیا۔ ایسا خوفناک چہرہ وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا جس پر منہ تھا نہ ناک تھی۔ حتیٰ کہ کان بھی نہیں تھے اور پیشانی پر صرف ایک آنکھ تھی۔ وہ بھی خون کبوتر کی مانند سرخ ہو رہی تھی جبکہ ٹھوڑی پر بکرے جیسی چھوٹی سی داڑھی دکھائی دے رہی تھی اس کی واحد آنکھ پلکوں اور بھنوؤں سے محروم تھی۔

''ملنگ۔'' دفعتاً اس چہرے سے ایک سنسناتی ہوئی آواز آئی۔

''اوہ۔ کون ہو تم؟'' اس کے منہ سے اپنا نام سن کر عادل اچھل پڑا۔

''میں کھانڈا مرہٹہ کی روح ہوں۔ مجھے مہاراج شاستری نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔'' یک چشم چہرے سے آواز آئی۔

''کیوں۔ خیریت تو ہے؟'' عادل بے اختیار چونکتا ہوا بولا۔

''شاستری مہاراج نے پیغام دیا ہے کہ سمن کو شنکر لال اغوا کر کے غائب ہو گیا ہے اور اس کا پتا نہیں چل رہا تم رخسانہ کو لے کر فوراً پہنچو۔''

سمن کے اغوا کی خبر سن کر عادل بے چین ہو گیا۔ ''شاستری بابا اس وقت کہاں ہے؟''

''وہ دہلی کے نواح میں چماروں کی بستی میں ہیں اور تمہیں بستی کے باہر کوئی رہنما مل جائے گا جو تمہیں مہاراج کے پاس پہنچا دے گا۔'' کھانڈا مرہٹہ نے بتایا۔ ''تمہیں آج ہی وہاں پہنچنا ہے اور اس کے لیے

میں تمہاری مدد کروں گا تاکہ تم جلد وہاں پہنچ سکو۔''

''اوہ۔ تم کیا کرو گے؟'' عادل نے چونک کر پوچھا۔

''تم بائیں سمت سفر کرو تو نصف گھنٹہ میں ریل کی پٹڑی پر پہنچ جاؤ گے اس وقت وہاں سے ایک گاڑی گزر رہی ہوگی۔'' کھانڈا مرہٹہ بتانے لگا۔

رخسانہ بھی سمن کے اغوا کی خبر سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ وہ کھانڈا مرہٹہ کے خوفناک چہرے کی طرف دیکھے بغیر سوچ رہی تھی کہ اس بار شنکر لال سمن کا نجانے کیا حشر کرے گا۔ چند لمحوں بعد کھانڈا مرہٹہ کا چہرہ بادل میں روپوش ہو گیا اور بادل بلندی کی طرف اٹھتا ہوا بتدریج دور ہونے لگا۔

''آؤ رخسانہ۔ ہمیں فوری طور پر دہلی پہنچنا ہے۔'' عادل نے رخسانہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''ذرا تیز چلنا۔ ایسا نہ ہو کہ گاڑی گزر جائے۔''

رخسانہ تیزی سے قدم اٹھانے لگی۔ نصف گھنٹہ بعد ہی وہ جنگل سے نکل آئے۔ کچھ فاصلے پر ریلوے لائن تھی وہ ریلوے لائن پر پہنچ کر گاڑی کا انتظار کرنے لگے چند منٹ بعد ہی بائیں جانب سے ریل گاڑی آتی دکھائی دی۔ وہ قریب آئی تو مسافر گاڑی کی بجائے مال گاڑی تھی اس میں زیادہ تر تیل کے ٹینکر تھے یا پھر شہتیروں سے لدے ہوئے چھکڑے۔ انجن کے اوپر بادل کا ایک ٹکڑا تیرتا چلا آ رہا تھا عادل سمجھ گیا کہ اس میں کھانڈا مرہٹہ کی روح پوشیدہ ہے۔

مال گاڑی کی رفتار کم ہوتی جا رہی تھی پھر اس کا انجن ان کے سامنے سے گزرا۔ اس میں صرف دو افراد سوار تھے جو ڈرائیور تھے اور تیزی سے انجن کے مختلف آلات کا جائزہ لے رہے تھے شاید وہ سسٹم میں اس خرابی کو چیک کر رہے تھے جس کے سبب انجن کی رفتار اتنی زیادہ گھٹ گئی تھی کہ وہ رکنے کے قریب تھا۔ رخسانہ اور عادل جانتے تھے کہ مرہٹہ کی روح اپنی غیر مرئی طاقت سے گاڑی کو روک رہی ہے پھر آٹھ دس بوگیاں گزرتے ہی گاڑی رک گئی۔ عادل نے رخسانہ کا ہاتھ پکڑا اور مال گاڑی کے ڈبے کی طرف لپکا جو شاید لوڈنگ کے وقت بوریوں کی کمی کی وجہ سے پُر نہ کی جا سکی تھی۔

عادل نے پہلے رخسانہ کو سہارا دے کر اس میں سوار کرایا پھر خود بھی سوار ہو گیا۔ ان کے تین اطراف میں چھت تک بوریاں اوپر تلے رکھی ہوئی تھیں۔ دروازے کے قریب خالی جگہ اتنی کشادہ تھی کہ وہ آرام سے اُٹھ بیٹھ سکتے تھے ان کے اندر آتے ہی گاڑی ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ حرکت میں آئی اور اس کی رفتار بڑھنے لگی۔ عادل نے احتیاطاً دروازے کا ایک پٹ بند کر دیا تھا تاکہ باہر سے انہیں دیکھا نہ جا سکے جلد ہی گاڑی پوری رفتار سے بھاگنے لگی۔ عادل اور رخسانہ فرش پر بیٹھے تھے۔ دروازہ قدرے اونچائی پر تھا اور وہ زمین پر کھڑے کسی شخص کو اس وقت تک نظر نہ آ سکتے تھے جب تک کہ وہ پائیدان پر چڑھ کر اندر نہ جھانکتا

دفعتاً بادل کا ٹکڑا کھلے دروازے کے قریب تیرتا دکھائی دیا۔ پھر اس میں سے کھانڈا مرہٹہ کی روح کی آواز ڈبے میں پہنچنے لگی۔

"ملنگ۔ یہ نان اسٹاپ مال گاڑی ہے اس میں دہلی کی فوجی چھاؤنی کے لیے ڈیزل لے جایا جا رہا ہے جس کی وہاں فوری طور پر ضرورت ہے اس لیے یہ راستے میں کہیں اسٹاپ کیے بغیر چلتی رہے گی۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"فی الحال کچھ نہیں چاہیے۔ مگر تم ظاہر کیوں نہیں ہوئے کیا ہمارے علاوہ بھی تمہیں کوئی دیکھ سکتا ہے؟"

"نہیں" مرہٹہ کی ہنسی گونجی۔ "دراصل مجھے رخسانہ کا خیال ہے وہ جنگل میں مجھے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔"

"سمجھ گیا۔ کیا تم بھی ہمارے ساتھ رہو گے سفر کے دوران؟" عادل نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں اب تم سے جدا ہونے لگا ہوں کیونکہ مجھے واپس شاستری مہاراج کے پاس پہنچنا ہے اور تم لوگوں کے بارے میں بتانا ہے اس لیے تو میں نے پوچھا ہے کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مہیا کر دوں۔"

"ہمیں کھانے پینے کے لیے کچھ چاہیے۔ یہ گاڑی کس وقت منزل پر پہنچے گی؟"

"شام کو اندھیرا پھیلنے تک بشرطیکہ راستے میں نہ رکے تو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے کسی اسٹیشن پر روک لی جائے۔"

"اوہ۔ اتنی دیر ہم اس ڈبے میں کیسے وقت گزاریں گے کھانڈا راؤ" عادل متفکر لہجے میں بولا۔ "کیا اس کی رفتار نہیں بڑھ سکتی۔"

"رفتار تو میں اتنی بڑھا سکتا ہوں کہ یہ ہوائی جہاز معلوم ہونے لگے۔" کھانڈا مرہٹہ کی آواز آئی۔ "لیکن اس سے ریلوے کا سارا نظام گڑبڑ ہو جائے گا اور وہ کسی اسٹیشن پر وقت سے پہلے پہنچے گی تو کانٹا تبدیل نہ ہونے کے سبب حادثے کا شکار ہو جائے گی۔"

پھر وہ بادل دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ چند منٹ بعد گاڑی ایک اسٹیشن سے گزری اور اسی لمحے دروازے سے بسکٹ کے کئی ڈبے اندر آ پڑے۔ ان میں کپڑے کا ایک تھیلا بھی تھا عادل نے تھیلا کھول کر دیکھا تو اس میں پانی کی ایک بوتل کے علاوہ چند نان اور کباب بھی تھے۔

مال گاڑی پوری رفتار سے سفر کر رہی تھی۔ راستے میں ایک دو اسٹیشنوں پر اسے رکنا بھی پڑا لیکن یہ اسٹاپ ایک دو منٹ سے زیادہ نہ تھا۔ شام کا اندھیرا پھیل گیا تو ان کے ڈبے میں بھی تاریکی چھا گئی عادل نے پورا دروازہ کھول دیا تاکہ رخسانہ پریشان نہ ہو جو بیٹھے بیٹھے اس کی آغوش میں پڑ کر سو گئی تھی اور ابھی ابھی بیدار ہوئی تھی اس وقت گاڑی ایک ویرانے سے گزر رہی تھی اور باہر ستاروں کی مدھم روشنی میں کھیتوں اور درختوں کے سلسلے دکھائی دے رہے تھے۔

"عادل۔ کیا دہلی ابھی دور ہے؟" رخسانہ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، ہم پہنچنے والے ہیں ابھی جو اسٹیشن گزرا تھا وہ غالباً دہلی سے دو اسٹیشن پیچھے تھا۔ ایک اسٹیشن اور آئے گا اور اس کے بعد دہلی چھاؤنی تک۔"

پانچ منٹ بعد مال گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی۔ عادل نے باہر جھانکا ایک اسٹیشن کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ جلد ہی گاڑی اسٹیشن کی حدود میں داخل ہوئی اور وہاں سے گزرنے کے بعد اس کی رفتار پھر بڑھنے لگی۔ چند منٹ بعد عادل نے پھر باہر کا جائزہ لیا۔ گاڑی دہلی کے نواحی علاقے میں پہنچ چکی تھی جن کی روشنیاں دور تک دکھائی دے رہی تھیں۔

"رخسانہ تیار ہو جاؤ۔ دہلی چھاؤنی آنے والی ہے اور ہمیں پہلی فرصت میں اتر جانا ہوگا تاکہ کوئی ہماری طرف متوجہ نہ ہو سکے۔"

رخسانہ بوریوں سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ کچھ دیر بعد گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی۔ عادل نے باہر دیکھا۔ ریلوے لائن کے دونوں طرف کچی آبادیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس نے دروازے سے سر پیچھے ہٹایا اور ایک پٹ بند کر دیا۔ چند لمحوں بعد گاڑی نے ٹریک بدلا اور اس کی سمت تبدیل ہو گئی وہ اب مین لائن کے پاس لائن پر جا رہی تھی جو فوجی چھاؤنی کی طرف جاتی تھی۔ عادل بار بار باہر جھانک رہا اس طرف آبادی نہیں تھی۔ لائن کے پار بڑے بڑے میدان تھے۔ گاڑی کی رفتار بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی مزید ایک منٹ بعد وہ رک گئی۔ عادل نے باہر کا جائزہ لیا اسٹیشن کافی فاصلے پر تھا اور اس کے اگلے ڈبے پلیٹ فارم تھے جبکہ ان کے ڈبے کے سامنے آئل ڈپو کی عمارت تھی۔ عمارت کے شیڈ میں فوجی آ جا رہے تھے عادل تشویش میں پڑ گیا۔ اگر وہ اس جگہ اترتے یقیناً کسی نہ کسی کی ان پر نظر پڑ سکتی تھی اور وہ دھر لیے جاتے یا فرار ہونے کی کوشش میں گولیوں کا نشانہ بن جاتے۔ ان کے پاس شناختی کاغذات بھی نہ تھے کہ وہ فوجیوں سے کسی مجبوری کا بہانہ کرتے۔

وہ فرش پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ کیا کیا جائے۔ رخسانہ نے آہستہ سے پوچھا۔ "کیا بات ہے کوئی خطرہ ہے باہر؟"

"ہاں۔" عادل نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے باہر کی پوزیشن بتا کر خدشات سے آگاہ کیا رخسانہ بھی پریشان ہو گئی۔

چند منٹ بعد عادل نے پھر باہر جھانکا تو شیڈ خالی تھا۔ عمارت کے دروازے بھی بند ہو چکے تھے اور وہاں کوئی ذی روح نظر نہ آ رہا تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور رخسانہ کے ساتھ ڈبے سے اتر آیا۔ نیچے آ کر وہ گاڑی کے آخری ڈبے کی طرف بڑھنے لگے۔ اس طرف تاریکی تھی جبکہ لائن کی دوسری جانب

چھوٹی سی سڑک دکھائی دے رہی تھی جس پر بہت کم ٹریفک تھی۔ آخری بوگی کے پاس پہنچ کر انہوں نے سڑک کا رخ کیا اور لائن عبور کر کے سڑک کے کنارے پہنچ گئے وہاں الیکٹرک پول کی روشنی میں ایک بورڈ پر کچھ تحریر تھا۔ عادل نے قریب جا کر دیکھا تو اس پر سمتوں کی نشاندہی کی گئی تھی جس سے پتا چلا کہ بائیں جانب دہلی شہر دو میل کے فاصلے پر تھا۔ عادل کے خیال میں وہاں کسی پبلک سواری کا ملنا ممکن نہ تھا چنانچہ وہ پیدل ہی رخسانہ کے ساتھ شہر کی طرف چل پڑا۔

کبھی کبھی کوئی فوجی ٹرک یا جیپ ان کے پاس سے گزر جاتے تھے مگر کسی نے ان پر توجہ نہ دی۔ ابھی انہوں نے ایک میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک سامنے سے آنے والی ایک فوجی جیپ ان کے قریب پہنچ کر رک گئی اور اس کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ایک فوجی کیپٹن اتر آیا۔

''ٹھہرو۔'' کیپٹن نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور وہ دونوں رک گئے۔

کیپٹن قریب آیا اور انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ ''تم لوگ کون ہو اور اس علاقے میں کیا کر رہے ہو؟''

''ہم میاں بیوی ہیں۔ دہلی سے پچھلے اسٹیشن پر مال گاڑی میں سوار ہوئے تھے ہمیں شہر جانا ہے۔'' عادل نے سادگی سے جواب دیا۔

''اوہ۔'' کیپٹن نے اسے گھورا۔ ''مال گاڑی میں سوار ہونے کی تمہیں کس نے اجازت دی تھی؟ شناختی کارڈ دکھاؤ۔''

''دراصل مسافر گاڑی آنے میں دیر تھی اور ہمیں جلدی دہلی پہنچنا تھا جہاں پر میرا بھائی جنرل ہسپتال میں آخری سانسیں لے رہا ہوگا۔'' عادل نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''چنانچہ اسٹیشن پر مال گاڑی رکی تو وہاں کے ایک قلی نے ہمیں اس میں سوار کرا دیا۔''

''اچھا۔ اچھا۔ بہانے مت بناؤ۔ شناختی کارڈ دکھاؤ۔'' کیپٹن نے سخت لہجے میں کہا۔

''کارڈ تو جلدی میں گھر پر ہی رہ گیا ہے جناب۔ ہم بہت پریشان ہیں اگر آپ ہمیں اپنی جیپ پر شہر تک پہنچا دیں تو احسان ہوگا۔''

''حوالدار......'' کیپٹن نے جیپ کی طرف منہ کر کے آواز دی۔

فوراً ہی جیپ کے پچھلے حصے سے دو فوجی اتر آئے ان میں ایک حوالدار تھا اور دوسرا سپاہی۔

''انہیں گاڑی میں بیٹھاؤ۔'' کیپٹن نے انہیں حکم دیا۔

چند لمحوں بعد وہ جیپ کے عقبی حصے میں حوالدار اور سپاہی کے سامنے بیٹھے تھے اور جیپ شہر کی طرف دوڑ رہی تھی۔ عادل اور رخسانہ خوش تھے کہ وہ مصیبت میں پڑنے سے بچ گئے تھے اور انہیں پیدل سفر کی تکلیف سے بھی نجات مل گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جیپ شہر کی حدود میں داخل ہوئی۔ شہر میں پہنچ کر عادل نے

فرنٹ سیٹ پر بیٹھے کیپٹن سے کہا۔

''آفیسر۔ ہمیں یہاں اتار دیں یہاں سے ہم ٹیکسی لے لیں گے۔''

''نہیں۔ میں تمہاری مکمل مدد کرنا چاہتا ہوں۔ جنرل ہسپتال پہنچا کر دم لوں گا۔ ہسپتال دیکھا ہوا ہے؟''

''نہیں جناب پہلی بار جا رہا ہوں۔ ابھی کتنی دور ہے ہسپتال؟''

''بس قریب ہی ہے۔ ہم تمہیں ہسپتال کے عقبی گیٹ سے اندر پہنچائیں گے کیونکہ مین گیٹ رات کو بند کر دیا جاتا ہے۔'' کیپٹن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر دو منٹ بعد اس نے ایک عمارت کے گیٹ پر جیپ روک دی اس نے جیپ سے اترتے ہوئے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''انہیں اندر لے چلو۔'' حوالدار نے انہیں اشارہ کیا اور وہ جیپ سے اتر آئے۔ عادل کا خیال تھا کہ ہسپتال پہنچ کر فوجیوں سے پیچھا چھوٹ جائے گا لیکن عمارت دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا وہ کسی طرح بھی ہسپتال کی عمارت نہ تھی۔ وہ کوئی بنگلہ تھا اور عمارت کے اندر تاریکی معلوم ہوتی تھی کیپٹن نے آگے بڑھ کر گیٹ کھولا۔ پھر عادل اور رخسانہ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا مگر عادل نے کوئی حرکت نہ کی تب کیپٹن نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے فوراً ہی اپنی اسٹین گنیں عادل اور رخسانہ کی پشت سے لگا دیں حوالدار نے سخت لہجے میں حکم دیا۔

''اندر چلو۔ ورنہ چھلنی کر دوں گا۔''

صورتِ حال تبدیل ہونے پر رخسانہ پریشان ہو گئی۔ عادل کو بھی حیرت ہوئی کہ فوجی انہیں وہاں کیوں لائے ہیں اور انہیں کس لیے دھوکا دیا گیا ہے۔

''آفیسر۔ یہ کیا مذاق ہے!'' اس نے کیپٹن سے کہا۔ ''تم ہمیں......''

''خاموشی سے اندر چلو۔'' کیپٹن اس کی بات قطع کرتا ہوا غرایا۔ ''پاکستانی جاسوسوں سے پوچھ گچھ کے لیے یہیں لایا جاتا ہے۔''

''ہم پاکستانی نہیں ہیں آفیسر۔'' عادل نے بھڑک کر کہا۔

لیکن حوالدار اور سپاہی انہیں دھکیلتے ہوئے اندر لے آئے اور کیپٹن نے گیٹ بند کر دیا۔ اسی لمحے تاریک برآمدے سے ایک آواز بلند ہوئی۔

''انہیں میرے کمرے میں لے آؤ۔''

عادل وہ آواز سن کر بے اختیار چونکا۔ آواز کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھی اس نے غور کیا اور پھر بے ساختہ اچھل پڑا۔ وہ اس آواز کو مکمل طور پر پہچان گیا تھا۔

☆☆☆

بگھیلا رام کی گرفت ایک غضبناک زخمی درندے کی گرفت تھی اس لیے سمن کی کوئی پیش نہ چل رہی تھی۔ وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ اسے اپنے بالوں بھرے خون آلود سینے سے لگائے اپنی خون ٹپکاتی تھوتھنی اس کے چہرے کے قریب لانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ سمن ہاتھوں کو اس کی گردن پر جمائے اس کی مکروہ اور غلیظ تھوتھنی کو اپنے چہرے سے دور رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس ریچھ نما آدمی یا آدمی نما ریچھ کے خون سے اس کا لباس تر ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اسے اپنے دفاع کی ایک تدبیر سوجھ گئی۔ اس نے بگھیلا رام کی گردن سے ایک ہاتھ ہٹایا اور تیزی سے اپنی دو انگلیاں سیدھی کر کے اس کی آنکھوں میں گھونپ دیں۔ انگلیوں کے لمبے ناخن بگھیلا رام کی آنکھوں میں پیوست ہوئے اور اس کی غضبناک چیخ سے کمرے کی فضا لرزنے لگی۔ اس کے ہاتھ سے اس کی گرفت خود بخود ڈھیلی گئی اور سمن اس کے بازوؤں کے حلقے سے نکل گئی۔ بگھیلا رام خوفناک غراہٹ آمیز چیخیں خارج کرتا اور دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھتا ہوا فرش پر بیٹھتا چلا گیا اس کی آنکھوں سے بھی خون جاری ہو گیا تھا۔

سمن نے ہانپتے ہوئے ٹوٹی ہوئی کرسی کی پشت کا حصہ اٹھا لیا جس کے ساتھ کرسی کی عقبی دو ٹانگیں بھی تھیں۔ پھر اس سے پہلے بگھیلا رام سنبھلتا وہ ایک بار پھر اس کے سر پر کرسی سے ضربوں کی بارش کرنے لگی۔ بگھیلا رام چیختا ہوا فرش پر لڑھک گیا اور تڑپنے لگا۔ اس کی غضبناک غیر انسانی دھاڑ نما چیخوں سے کمرہ گونج رہا تھا۔ سمن نے اسے سنبھلنے اور اٹھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ چند لمحوں بعد ہی اس کا سر پھٹے ہوئے تربوز کا منظر پیش کر رہا تھا اور اس کی چیخیں معدوم اور حرکت موقوف ہوتی جا رہی تھی پھر اس کا جسم ایکدم تڑپ کر فرش سے چند انچ تک بلند ہوا اور وہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہوتا چلا گیا۔

سمن ایک طرف کھڑی ہانپتی ہوئی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحہ بعد ہی بگھیلا رام کی لاش سے دھواں اٹھنے لگا۔ سمن گھبرا گئی کیونکہ وہ دھواں بگھیلا رام کے مردہ جسم کے علاوہ فرش پر پھیلے اس کے خون سے اور جہاں خون کے چھینٹے اور دھبے تھے ان سے بھی دھواں اٹھ رہا تھا۔ سمن نے اپنے لباس پر نظر ڈالی تو جہاں جہاں بگھیلا رام کا خون لگا تھا وہاں سے بھی دھواں نکل رہا تھا۔ مگر چند لمحوں بعد ہی سمن کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا دھواں ختم ہو گیا تھا اور اس کا لباس پہلے کی طرح صاف دکھائی دے رہا تھا۔ پھر اس نے فرش پر نظر ڈالی تو بے اختیار اچھل پڑی۔ بگھیلا رام کی لاش سمیت فرش سے خون بھی غائب ہو چکا تھا۔ سمن حیرت کے دریا میں غوطے لگاتی بستر پر آ بیٹھی۔ بگھیلا رام کی کمرے میں آمد اور ہنگامے کا کوئی ثبوت نہ رہا تھا۔ سوائے ان ٹوٹی کرسیوں کے جن سے سمن نے دفاع کا کام لیا تھا۔ چند منٹ بعد وہ اٹھی۔ بگھیلا رام کو اس نے اندر سے دروازہ بند کرتے دیکھا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا باہر ایک راہداری تھی جس میں نیم تاریکی تھی۔ اس میں چند کمرے تھے جن کے دروازے بند تھے ان کے اندر بھی

اندھیرا معلوم ہو رہا تھا۔ راہداری کے ایک سرے پر سپاٹ دیوار تھی اور دوسری طرف بند دروازہ دکھائی دے رہا تھا جو غالباً باہر آنے جانے کے لیے تھا۔ سمن نے سن گن لی کسی قسم کی کوئی آواز نہ سنائی دی تب وہ کمرے سے باہر آئی اور اس آخری دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ قریب پہنچ کر اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ جونہی اس نے دروازہ کھولا انتہائی تیز بدبو کا بھبکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا اور اس نے بوکھلا کر ناک پر ہاتھ رکھ لیا اس کمرے میں تاریکی تھی اور ایسی بدبو اٹھ رہی تھی جیسے اندر گلے سڑے گوشت کا ڈھیر پڑا ہو۔ اس نے چٹکی سے ناک دباتے ہوئے اندر جھانکا تو بائیں جانب تاریکی میں وہ خوفناک بلوری آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اسی لمحے وہ آنکھیں اپنی جگہ سے بلند ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی ہی ہی کی مکروہ آواز سنائی دی جیسے کوئی چڑیل ہنسی ہو۔

سمن کا دہشت کے مارے خون رگوں میں جمنے لگا۔ اس نے تیزی سے دروازہ بند کر کے واپس پہلے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔ عقب سے خوفناک ہنسی اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ سمن گرتی پڑتی پہلے کمرے میں داخل ہوئی اور اندر آ کر اس نے پھرتی سے دروازہ بند کرتے ہوئے بولٹ چڑھا دیا۔ پھر ہانپتی ہوئی بستر پر آ گری۔

''ہی ہی ہی......'' دفعتاً دروازے کے باہر سے خوفناک ہنسی ابھری۔ ''دوبارہ باہر آنے کی کوشش کی تو کچا چبا ڈالوں گی۔''

یقیناً وہ کوئی چڑیل ہی تھی۔ سمن کا دہشت کے مارے دل دھک دھک کر رہا تھا اور حواس معطل ہوئے جا رہے تھے۔

☆☆☆

دفعتاً اس کے عقب میں کھڑے گن بردار حوالدار نے عادل کو آگے دھکیلا۔ ''آگے بڑھو۔''

''ذرا آرام سے۔ یہ میرے پیارے مہمان ہیں۔'' وہی آواز دوبارہ سنائی دی جو یقیناً شنکر لال کی تھی۔

عادل اور رخسانہ برآمدے کی طرف بڑھے۔ کیپٹن ان کے آگے چل رہا تھا اور عادل سوچ رہا تھا کہ اچھا ہوا شنکر لال نے اسے خود ہی اپنے ٹھکانے پر منگوا لیا ورنہ شاید وہ اتنی جلدی اسے تلاش نہ کر پاتا۔ کھانڈا مرہٹہ کی روح نے بتایا تھا کہ شنکر لال نے سمن کو اغوا کر لیا ہے اور شاستری کو اس کے ٹھکانے کا پتا نہیں چل رہا۔ شاید شنکر لال کو علم ہو گیا تھا کہ وہ مال گاڑی کے ذریعے دہلی پہنچنے والا ہے یا فوجی چھاؤنی میں پہنچ چکا ہے اس لیے اس نے لوگوں کو فوجیوں کے روپ میں اسے پکڑنے کے لیے بھیجا تھا۔

تاریک برآمدے میں داخل ہوتے ہی سامنے کی جانب ایک بلب جلنے لگا۔ وہ بلب راہداری کی

چھت میں نصب تھا مگر طویل راہداری خالی دکھائی دے رہی تھی۔ اس میں متعدد کمرے تھے اور درمیان کے کمرے کے سوا تمام کمروں کے دروازے بند دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کیپٹن کے پیچھے قدم اٹھاتے ہوئے اس کمرے میں داخل ہوئے تو اندر ٹیوب لائٹ کی روشنی میں ایک صوفے پر براجمان شنکر لال کو دیکھ کر غصے سے عادل کی ہڈیاں تک سلگنے لگیں۔

''آؤ شاستری کے بالک۔'' شنکر لال نے طنزیہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ''تم ٹھیک تو ہو ناں!''

''مطلب کی بات کرو نابکار۔'' اس کا طنز محسوس کر کے عادل بھتے سے اکھڑ گیا۔ رخسانہ سہمی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔

''وہ بعد میں کر لوں گا۔ اب تم آ ہی گئے ہو تو جلدی کیسی!'' شنکر لال ہنسا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ سفر کیسا گزرا۔ کھانڈا مرہٹہ کی روح سے خوف تو نہیں آیا؟''

''اوہ.....'' عادل نے چونکتے ہوئے اسے گھورا۔ ''تمہیں اس سے کیا.....؟''

''مطلب یہ کہ میں نے اسے ہدایت کی تھی کہ تمہیں بحفاظت یہاں تک پہنچائے۔''

''کیا.....'' عادل کا دماغ گھوم گیا۔ ''اسے تم نے بھیجا تھا۔''

''ظاہر ہے۔'' شنکر لال ہنسا۔ ''تمہارا گرو شاستری تو میری تلاش میں ابھی تک ٹامک ٹوئیاں مارتا پھر رہا ہے میں نے معلوم کیا تو پتا چلا کہ تم نے سوامی راجکپور اور اس کے سیوک پورن لال کو ختم کر کے رخسانہ کو آزاد کرا لیا ہے۔ تب میں نے سوچا کہ اب مجھے خود ہی تمہارا سامنا کرنا چاہیے۔ اس کے لیے مجھے کھانڈا راؤ کی روح کو تمہارے لیے پیغام دے کر بھیجنا پڑا۔ نتیجے میں تم کچے دھاگے سے بندھے چلے آئے۔''

اس انکشاف پر رخسانہ بھی خوفزدہ ہو گئی عادل بھی حیرت زدہ تھا وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ سفر کے دوران ہی کھانڈا راؤ مرہٹہ کی اصلیت جان لیتا تو اس طرح شنکر لال کے شکنجے میں نہ آ پھنستا۔

''شنکر لال۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' دفعتاً عادل ہنس پڑا۔ ''چلو میں تو بچہ تھا، کھانڈا راؤ کی حقیقت نہ جان سکا اور اس کے دیئے ہوئے پیغام کو شاستری مہاراج کا پیغام سمجھ کر وہاں سے آنے کی غلطی کر بیٹھا۔ لیکن تم تو کافی تجربہ کار شکاری تھے تم نے یہ غلطی کیسے کر لی؟''

''کون سی غلطی؟'' شنکر لال چونک کر بولا۔

''مجھے دھوکے سے یہاں بلوانے کی۔ تم نے سوچے سمجھے بغیر.....''

''سنو بچے۔ میرے پتر۔ میرے لال۔'' شنکر نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں اسے چمکارا۔ ''تم جسے میری غلطی خیال کر رہے ہو اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔ مجھے تم سے نہ صرف سوامی راج کپور کی موت کا انتقام لینا تھا بلکہ ہمیشہ کے لیے تمہارا ٹنٹا ختم کرنا تھا۔''

''مر گئے انتقام لینے والے۔'' عادل نے لاپروائی سے کہا۔ ''تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہ ہو سکے گی شنکر لال۔''

''تمہیں یہ یقین کیوں ہے۔'' اس نے چونکتے ہوئے عادل کو گھورا۔ رخسانہ کو عادل کی بات پر حیرت ہو رہی تھی۔

''اس لیے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔'' عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں۔ آخری کیوں؟'' شنکر لال نے قدرے حیرت سے کہا۔

''اس لیے کہ اس ملاقات کے بعد تم نے مر جانا ہے یا میں نے۔ دونوں میں سے ایک کی یہ آخری رات ہے۔''

''اوہ۔ تمہیں اس قدر یقین ہے تو سمجھ لو کہ تم کل کا سورج نہیں دیکھ سکو گے۔'' شنکر لال غصے سے بولا۔ ''میں چاہوں تو اسی وقت تمہیں جہنم پہنچا دوں۔''

''اچھا۔ پھر دیر کیوں کر رہے ہو؟'' عادل نے بے خوف لہجے میں کہا۔

''شاید تمہیں اپنے جنتر منتر پر بھروسا ہے کہ تم بچ جاؤ گے اس لیے اتنی جرأت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔'' شنکر لال نے اسے گھورا۔ ''لیکن میں تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے تم پر کوئی منتر نہیں کروں گا۔ اس کے لیے کیپٹن کی گن ہی کافی ہے۔''

''کیوں۔ مجھے دیکھ کر سارے جادو ٹونے بھول گئے ہو؟'' عادل نے طنز کیا۔

''مہاراج۔'' دفعتاً کیپٹن غرایا۔ ''یہ نابکار آپ کی توہین کر رہا ہے۔ اجازت دیں کہ میں اس کا سینہ چھلنی کر دوں۔''

''ٹھیک ہے اسے سامنے دیوار کے پاس کھڑا کر دو حوالدار۔'' شنکر لال نے سر ہلا کر کہا۔

سپاہی رخسانہ کے پیچھے کھڑا تھا وہ صورت حال دیکھ کر گھبرا گئی۔ عادل کی موت کا منظر دیکھنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ حوالدار نے عادل کو دیوار کی طرف دھکیلا اور اسے دیوار کے پاس لے گیا پھر خود ایک طرف ہٹ گیا۔ کیپٹن نے اس کے ہاتھ سے اسٹین گن لے لی اور عادل سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے گن کا رخ عادل کی طرف کر کے شنکر لال کی طرف دیکھا۔

''ملنگ۔ کوئی آخری خواہش ہو تو بتا دو۔'' شنکر لال عادل کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ حوالدار اور سپاہی عادل کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی جرأت پر حیران تھے۔

''بچ گیا تو خواہش بھی بتا دوں گا اپرادھی۔'' عادل نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے کیپٹن۔ میں اس کے آخری سانس لینے کے لیے تین تک گنوں گا پھر فائر کر دینا۔'' شنکر

لال نے ہنس کر کہا۔

پھر وہ عادل کی طرف دیکھتا ہوا گننے لگا جبکہ عادل اپنے دفاع کے لیے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتا ہوا کیپٹن کی اسٹین گن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ایک۔ دو۔'' شنکر لال بول رہا تھا۔

''نہیں......'' رخسانہ یکدم ہذیانی انداز میں چیخی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پلٹ کر عقب میں کھڑے سپاہی کے ہاتھ سے اسٹین گن چھینی اور کیپٹن پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ شنکر لال بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اس لمحے سپاہی نے پھرتی سے رخسانہ کے ہاتھ سے گن چھین لی اور حوالدار نے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر رخسانہ پر فائر کر دیا۔ گولی رخسانہ کے سینے میں لگی اور وہ چیخ کر فرش پر آ رہی۔ کیپٹن خون میں لت پت فرش پر تڑپ رہا تھا۔

صورتِ حال کی اس تبدیلی پر شنکر لال بھونچکا رہ گیا۔ عادل تڑپ کر رخسانہ کے قریب پہنچا جو سینے کے خون اگلتے سوراخ پر ہاتھ رکھے بمشکل اپنی چیخیں ضبط کر رہی تھی اس کے چہرے پر شدید کرب پھیلا ہوا تھا۔ عادل نے قریب بیٹھ کر اس کا سر اپنے بازو پر لے لیا۔

''اوہ۔ یہ تم نے کیا کیا رخسانہ؟'' اس نے کربناک لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں مرتا نہیں دیکھ سکتی تھی عادل۔'' رخسانہ کے لبوں پر تکلیف کے باوجود تبسم پھیل گیا۔

''مگر۔ مگر تم نے موت اپنے گلے لگا لی رخسانہ۔'' وہ زور سے بولا۔

''اس لیے کہ شاید میری قربانی تمہاری موت ٹال دے کیونکہ تمہارے مرنے کے بعد میرا جینا بیکار تھا۔'' وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔ ''اب یہ سکون تو رہے گا کہ میری زندگی کی آخری سانسوں تک تم زندہ تھے۔''

''تم نے بہت ظلم کیا ہے مجھ پر رخسانہ۔'' عادل جذباتی ہوگیا۔ ''میں نے تو ویسے ہی بچ جانا تھا اپنی ماورائی قوت کے ذریعے۔ میں دفاعی منتر پھونکنے والا تھا مگر تم نے جلدی بازی سے کام لیا دیکھتی تو سہی کہ تمہارا عادل کیسے خود کو بچا کر کیپٹن کی گن کی گولیاں بیکار کرتا ہے۔''

اس کی بات سن کر رخسانہ کربناک انداز میں ہنس پڑی۔ ''میں جانتی ہوں کہ تم میرے نہیں سمن کے ہو۔ کھانڈا مرہٹہ کی روح سے سمن کے اغوا کی خبر سن کر تمہاری جو کیفیت ہوئی تھی اسے میں نے محسوس کر لیا تھا کہ میں نے تم سے جو اُمیدیں وابستہ کر رکھی ہیں وہ کبھی پوری نہیں ہوسکیں گی اور میری محبت یکطرفہ ہے چنانچہ نا اُمید زندگی بسر کرنے سے یہی بہتر تھا جو میں نے کیا۔''

''اوہ۔ پاگل......'' عادل نے جبڑے بھینچے۔ ''تم سے کس نے کہہ دیا کہ مجھے تم سے محبت نہیں تھی!؟''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ڈیئر۔ میں ہی پاگل تھی جو کراچی کے چند گھنٹوں کے سفر میں تمہیں پسند کر کے زندگی بھر کا ہمسفر بنانے کا فیصلہ کر بیٹھی تھی۔ تمہاری محبت میں بلوچستان کے سنگلاخ پہاڑوں میں بھٹکتی رہی اور اپنی آبرو کو تمہارے پیار کی امانت سمجھ کر تاریک اور خوفناک جنگلوں میں ہوس کے پجاریوں سے بچاتی رہی۔'' رخسانہ کی آواز کمزور اور سانس تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ''میں دہشت اور اذیت کے ماحول میں صرف اس آس پر زندہ رہی کہ جب ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے تو پھر مجھے ہمیشہ کے لیے تمہاری بانہوں کا سہارا مل جائے گا۔ لیکن یہ آس، آس ہی رہی حقیقت نہ بن سکی کیونکہ تمہارا جسم میرے ساتھ تھا تو تمہاری روح پر کسی اور کی حکمرانی تھی۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''تم۔ تم غلط سمجھیں رخسانہ۔'' عادل سٹپٹا گیا۔

''ہاں۔ میں غلط سمجھتی رہی تھی لیکن جب میرے ساتھ تھانے سے سمن کو کالی داس کے نرغے سے نکال کر لائے تو میں نے تم دونوں کو جس انداز میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ پایا اس وقت میں سمجھ گئی تھی کہ تم دونوں ایک دوسرے کی چاہت میں مبتلا ہو۔''

''نہیں رخسانہ۔'' عادل تڑپ کر بولا۔ ''بے شک وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، مجھے ٹوٹ کر چاہتی ہے لیکن میں نے کبھی اس کی محبت کا......''

''چھوڑو ڈیئر......'' اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی رخسانہ نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ ''میں خوش ہوں اس لیے تمہیں عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کرے تم ہمیشہ سمن کے رہو۔ میں نے تو پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ تم میرے نہیں بن سکتے تو کم از کم سمن کے راستے سے تو ہٹ جاؤں وہ تو میری طرح بے مراد بے منزل نہ رہے اس لیے تمہارا عذر یا پچھتاوا بیکار ہے......''

آخری لفظوں پر رخسانہ کا سانس اُکھڑ گیا اور آواز بالکل نحیف ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر تشنج کی کیفیت طاری ہوگئی۔

''سنو۔ سنو رخسانہ میں تمہارے پُرخلوص جذبوں اور انمول و بے پایاں محبت کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ جب تک زندہ رہوں گا اپنے سینے میں تمہاری یادوں کے چراغ روشن رکھوں گا۔''

رخسانہ کی بند ہوتی آنکھیں ایک ثانیہ کے لیے کھلیں اس نے عادل کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میری قربانی رائیگاں نہیں گئی ساتھ ہی اس کے لبوں پر تبسم کی ہلکی سی لہر پیدا ہوئی پھر اس نے آخری ہچکی لی اور عادل کی آغوش میں دم توڑ دیا۔

عادل کے دل پر بڑی زور کا گھونسا پڑا وہ نادان لڑکی جو اسے پانے کے لیے پاکستان سے آ کر مصیبتیں اور اذیتیں جھیلتی رہی یوں اچانک ساتھ چھوڑ گئی کہ وہ اسے روک بھی نہ سکا تھا۔ وہ کئی لمحوں تک پھٹی پھٹی

نگاہوں سے رخسانہ کے ملائم اور صبیح چہرے کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کی پلکیں نم ہوئیں اور دو آنسو رخسانہ کے لبوں پر آ گرے۔ اس نے بے اختیار ہو کر اپنے جذبوں کا اظہار کرنے کے لیے اس کے لبوں پر اپنا چہرہ جھکا دیا۔

''ہے ہے نابکار......'' اسی لمحے شنکر لال کی غراہٹ ابھری۔ ''اس کی زندگی میں اسے پیار نہ دے سکا اور اپنے گرو کی بیٹی سے عشق کرتا رہا اب اس کی لاش کو چوم کر تمہیں کیا ملے گا۔''

عادل نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ کیپٹن کی لاش کے ساتھ سپاہی بھی غائب تھا اور اب وہاں شنکر لال اور حوالدار موجود تھے۔ حوالدار کے ہاتھ میں اسٹین گن تھی جو اس نے عادل پر تان رکھی تھی۔

عادل نے آرام سے رخسانہ کا سر فرش پر رکھا اور کھڑا ہو گیا۔

''شنکر لال۔ ایک بات مانو گے۔ یہ لڑکی مسلمان تھی۔ اسے کسی طرح مسلمانوں کے گھر بھجوا دو تاکہ اس کی تدفین اس کے مذہب کے مطابق ہو یا پھر مجھے تھوڑی دیر کے لیے اجازت دو کہ میں اسے خود کسی مسلمان گھر میں چھوڑ آؤں۔''

''نہیں۔ تمہاری پہلی بات مان لیتا ہوں دوسری ممکن نہیں ہے کیونکہ میں تمہیں بھی اس کے ساتھ بھجوانا چاہتا ہوں۔''

ٹھیک اسی لمحے روشنی کا تیز جھماکا ہوا اور چھت کے پاس ایک چمگادڑ اڑنے لگی شنکر لال چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''مہاراج۔ مہاراج......'' چمگادڑ نے انسانی آواز میں کہا۔ ''شاستری کو آپ کے ٹھکانے کا پتا چل گیا ہے اور وہ اس طرف چل پڑا ہے۔''

اتنا کہنے کے بعد وہ چمگادڑ چھت میں غائب ہو گئی اور شنکر لال کے لبوں پر ایک مکروہ سی مسکراہٹ دوڑنے لگی۔

''بہت خوب۔ تو اس اپرادھی کو اس جگہ کا سراغ مل ہی گیا۔ کوئی بات نہیں آنے دو اسے۔''

''مہاراج۔ اس پاپی کا قصہ تو تمام کر دیں اس کے آنے تک۔'' حوالدار نے مشورہ دیا۔

''نہیں ہرن چند۔ اب میں اس کے آنے تک اسے زندہ رکھوں گا۔''

''وہ کیوں مہاراج۔ کیا اس میں کوئی خاص حکمت ہے۔'' حوالدار حیرت سے بولا۔

''حکمت......'' شنکر لال ہنس پڑا۔ ''تم خود سوچو کہ جب میں ملنگ کے سامنے شاستری کے جسم کے ٹکڑے کروں گا اور اس کی بیٹی کے کنوارے بدن پر اپنی مردانگی کی مہریں لگاؤں گا تو کتنا مزہ آئے گا۔ کتنا دلچسپ منظر ہو گا اس کے لیے۔''

''واقعی مہاراج۔ یہ تماشا تو میں بھی دیکھوں گا۔'' حوالدار خوش ہو کر بولا۔

شنکر لال کی بات سن کر عادل کا خون کھول اٹھا۔ مگر اس نے ضبط سے کام لیا وہ چاہتا تو شنکر لال کو ابھی سبق سکھا سکتا تھا لیکن سمن کے ملنے تک وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا جس کا نتیجہ سمن کے لیے برا نکلتا۔

''ٹھیک ہے۔ تم بھی دیکھ لینا۔ فی الحال اسے لے جاؤ اور سمن کے کمرے میں بند کرو اتنے میں اپنے خطرناک دشمن کا سواگت کا انتظار کر لوں۔ اس کا استقبال کرنا میرا اخلاقی فرض ہے نا۔'' شنکر لال ہنسنے لگا۔ ''شاستری کے آنے پر میں ان دونوں کو طلب کر لوں گا۔''

حوالدار نے آگے بڑھ کر اسٹین گن عادل کی پشت سے لگائی اور باہر چلنے کا حکم دیا۔

''ذرا احتیاط سے۔ اگر فرار ہونے کی کوشش کرے تو فوراً ٹھنڈا کر دینا۔'' شنکر لال نے تیزی سے کہا۔

عادل پلٹا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ دروازے کے پاس رک کر اس نے کہا۔

''شنکر لال۔ رخسانہ کی لاش مسلمانوں کے گھر ضرور بھجوا دینا۔'' پھر وہ کمرے سے نکل آیا۔ حوالدار بھی باہر آیا اور اس کے اشارے پر وہ راہداری کے آخری کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

☆☆☆

معطل حواس کے ساتھ وہ بستر پر پڑی رہی۔ اسے وقت گزرنے کا کوئی احساس نہ ہوا اس پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ پھر اسے ہوش آیا تو وہ اٹھ بیٹھی۔ کمرے کے وسط میں پڑی میز پر کھانا رکھا تھا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا تو دروازہ بند تھا۔ چند لمحوں بعد ہی اسے احساس ہو گیا کہ یہ وہ کمرہ نہیں جس میں بھیلا رام نے اس کی آبرو لوٹنے کی کوشش کی تھی کیونکہ بستر بھی پہلے والا نہیں تھا اور ٹوٹی ہوئی کرسیاں بھی غائب تھیں پہلے نہ صرف میز دوسری تھی بلکہ ایک کرسی بھی پڑی تھی اور دروازے کی اندرونی چٹخنی بھی غائب تھی۔ یقیناً اس کی بے ہوشی کے دوران اسے پہلے کمرے سے اٹھا کر اس کمرے میں منتقل کیا گیا تھا۔

اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی وہ اٹھ کر میز کے پاس آئی اور کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔ کھانا ابھی گرم تھا جس کا مطلب تھا کہ اب سے چند منٹ پہلے کوئی اندر آیا تھا اور کھانا رکھ کر چلا گیا تھا۔

کھانے سے پیٹ بھرنے کے بعد اس نے میز پر رکھے پانی کے جگ سے پانی پیا۔ ٹھیک اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا اور بے اختیار اچھل پڑی۔ دروازے سے ایک ایسا جوان اندر آ رہا تھا جسے وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔

''ارے۔ عادل......'' وہ اٹھتی ہوئی خوشی سے چلائی اور دوڑ کر عادل سے لپٹ گئی۔ اسی لمحے عادل

کے عقب میں باہر کھڑے حوالدار نے دروازہ بند کر دیا لیکن سمن اسے نہ دیکھ سکی تھی اس کی توجہ کا مرکز صرف اور صرف اس کا عادل، اس کا محبوب تھا اور وہ خوشی سے خود کو فضاؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔

''کیسی ہو سمن؟'' عادل نے اسے بھینچا۔

''شکر ہے تم لوٹ آئے۔'' وہ اس کے سینے سے اپنا رخسار رگڑتی ہوئی بولی۔ ''میں تو سمجھ رہی تھی کہ تمہارا آخری دیدار کیے بغیر دنیا سے اٹھ جاؤں گی۔''

''ایسا نہ کہو سمن۔ میں بھی صرف تمہاری خاطر زندگی سے لڑ رہا ہوں۔'' وہ افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اوہ ڈیئر۔ کیا بات ہے تم پریشان سے لگ رہے ہو۔ خیر تو ہے بابا تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ تڑپ کر بولی۔

''ہاں'' عادل ضبط سے کام لیتا ہوا بولا۔ ''وہ ٹھیک ہے اور یہیں آنے والا ہے البتہ......''

''البتہ کیا؟'' وہ تیزی سے بولی۔

''رخسانہ چلی گئی۔''

''کیا تم اسے پاکستان چھوڑ کر آئے ہو؟''

''نہیں۔ وہ اس قابل نہ رہی تھی کہ وطن کی سرزمین کو دیکھ سکتی تھی وطن کی مٹی کو چھو سکتی وہ۔ وہ مر گئی ہے۔''

''کیا......'' سمن یکدم چیخ پڑی۔ ''نہیں وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ وہ نہیں مر سکتی۔ بابا نے بتایا تھا کہ اس نے ہمارے لیے کیسی کیسی مصیبتیں جھیلیں کتنی اذیتیں اٹھائیں اور کس طرح بابا کے دشمنوں کے مظالم کا نشانہ بنتی رہی۔''

''ہاں۔ بلاشبہ اس بہادر لڑکی نے یہ سب کچھ کیا مگر اس کی ذات کا محور میں تھا اور میری زندگی کا محور تم تھیں۔'' عادل سامنے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے چبا چبا کر الفاظ ادا کر رہا تھا۔ ''اور جب اسے پتا چلا کہ وہ سراب دیکھ رہی ہے ریت کا گھروندا بنا رہی ہے تو وہ ہمارے راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹ گئی۔ یہ سوچ کر میں تمہارا نصیب ہوں اور تمہارا نصیب کبھی اس کا مقدر نہیں بن سکے گا۔''

سمن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ''تو اس پاگل لڑکی نے خودکشی کر لی۔ وہ تمہیں مجھ سے مانگ لیتی تو شاید......''

''نہیں سمن......'' عادل تڑپ کر بولا۔ ''محبت کرنے والے خودکشی نہیں کیا کرتے۔ وہ محبت کو اپنے خون کی بھینٹ دے کر امر کر دیا کرتے ہیں۔ محبت کی معراج پانے کے لیے اپنی خوشیاں اپنی آرزوئیں اور

تمنائیں اپنے محبوب پر نچھاور کر دیا کرتے ہیں۔ وہ میری موت کو سینے سے لگا کر مجھے تمہارے لیے زندہ چھوڑ گئی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو عادل۔ بلاشبہ وہ عظیم تھی اس کی چاہت اس کے جذبے عظیم تھے۔'' سمن نے سسک کر کہا۔ ''وہ تم پر اپنی جان قربان کر کے میرے لیے ایک سبق، ایک پیغام دے گئی کہ محبت یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ سب کچھ ہارنے کے بعد بھی انسان فاتح کہلائے۔''

عادل کچھ نہ بولا۔ وہ اس کے بستر پر آ بیٹھا۔ پھر اس نے بتایا کہ شنکر لال نے کس طرح دھوکے سے انہیں اغوا کرایا ہے اور اب وہ شاستری بابا کی آمد پر کیا کرنا چاہتا ہے۔

''نہیں۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے میرے بابا کو قتل نہیں کر سکتا۔'' سمن نے غضبناک ہو کر کہا۔ ''کیا تم دیکھ سکو گے؟''

''بے فکر رہو۔ خدا نے چاہا تو وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔'' عادل کا لہجہ اٹل تھا۔

''خدا نے......'' سمن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں......'' عادل اس کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑا۔ ''شاید تم بھول گئی ہو کہ شیطانی علوم میں مہارت حاصل کرنے کے باوجود میں ہوں تو مسلمان ہی ناں۔ گاؤں میں میری ماں، میری بہن، انہیں تو پتا نہیں ہے کہ میں اپنے مذہب سے دور ہو چکا ہوں اور مجھے ان کے پاس واپس بھی جانا ہے۔ کیا وہ ایک بے دین آدمی سے اپنا رشتہ قائم رکھنا پسند کریں گی اور پھر تمہیں بھی میرے ساتھ ان کے پاس جانا ہے اس گھر کی بہو بن کر......''

''بھگوان کرے وہ مبارک وقت جلد آئے۔'' سمن نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

اور عادل نے آمین کہتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ وہ دونوں اپنے مستقبل کے بارے میں پروگرام بنا رہے تھے۔ وقت گزرنے کا انہیں احساس نہ ہو سکا۔ وہ اس وقت چونکے جب دروازہ اچانک ہی کھل گیا تھا۔ انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا تو حوالدار ہاتھوں میں اسٹین گن لیے انہیں گھور رہا تھا۔ یقیناً وہ انہیں وہاں سے لے جانے کیلئے آیا تھا۔ وہ ابھی تک فوجی یونیفارم میں ہی تھا۔

''ملنگ۔ چلو تمہارا گرو آ گیا ہے۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''لڑکی تم بھی چلو۔ مہاراج شنکر لال نے تم دونوں کو دعوت دی ہے۔''

''کیسی دعوت؟'' سمن نے حیرت سے پوچھا۔

''تماشا دیکھنے کی۔'' حوالدار ہنسا۔ ''بڑا دلچسپ تماشا ہوگا۔''

عادل قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا اٹھا۔ ''چلو باتیں نہ بناؤ۔''

پھر اس نے پلٹ کر سمن کو مخصوص اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم چل سکتی ہو سمن؟''

''نہیں۔ پاؤں فرش پر نہیں ٹکا سکتی۔ شدید درد ہے۔ بکھیلا رام سے جھگڑے کے دوران موچ آ گئی تھی۔''

''ہرن چند۔ میں اکیلا ہی چلتا ہوں اسے رہنے دو۔ یہ نہیں چل سکتی۔'' عادل نے حوالدار ہرن چند سے کہا۔

وہ بگڑ کر بولا ''نہیں اس کا جانا بھی ضروری ہے مہاراج نے تم دونوں کو لانے کا حکم دیا ہے۔''

''اچھا۔ تم پھر آؤ۔ اسے ایک طرف سے تم پکڑو اور دوسری طرف سے میں سہارا دیتا ہوں۔''

ہرن چند نے ایک دو لمحوں کے لیے ان دونوں کے چہروں کی طرف دیکھا جیسے ان کی نیت کا اندازہ کرنا چاہتا ہو پھر اسٹین گن کو کندھے سے لٹکاتا ہوا آگے بڑھا۔ جونہی وہ قریب آیا عادل نے اچانک ہی اس پر حملہ کر دیا۔ اس کا گھونسا ہرن چند کے جبڑے پر پڑا اور وہ کراہتا ہوا لڑکھڑایا۔ عادل نے کوئی توقف کیے بغیر اس کی ناک پر مکا رسید کر دیا۔ ہرن چند کے منہ سے بلبلاہٹ خارج ہوئی اور وہ ناک پر ہاتھ رکھے فرش پر آ رہا۔ اس کی ناک خون اگلنے لگی تھی۔ عادل نے آگے بڑھ کر اس کی کنپٹی پر گھونسا رسید کیا اور وہ کراہتا ہوا فرش پر لڑھک گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

شنکر لال نے حوالدار ہرن چند کو بھیجنے کے بعد چھت کے پاس اڑتی ہوئی چمگادڑ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''منوہر۔ اب وہ کہاں ہے؟''

''مہاراج۔ وہ برآمدے سے راہداری میں داخل ہو رہے ہیں۔'' چمگادڑ نے انسانی آواز میں جواب دیا اور پھر شہتیر کے ساتھ چمٹ گئی۔ چند لمحوں بعد باہر سے قدموں کی آہٹیں ابھرنے لگیں اور شنکر لال صوفے پر بیٹھ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ آہٹیں قریب آ گئیں پھر چار گن برداروں کے نرغے میں شاستری کمرے میں داخل ہوا اور شنکر لال کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیسے ہو شنکر۔ یقیناً تم میرے ہی منتظر تھے۔'' شاستری نے اسے مخاطب کیا۔

''تم ٹھیک سمجھے شاستری۔ شنکر لال نے جواباً ہنس کر کہا۔ ''جب مجھے پتا چلا کہ تم میری طرف چل پڑے ہو میں اسی وقت سے تمہارا انتظار کرنے لگا۔''

''گویا انتظار کی لذت اٹھاتے رہے۔'' شاستری نے قہقہہ لگایا۔ ''واقعی انتظار میں بڑی لذت ہوتی ہے۔''

''مگر میں صرف اپنے دشمن کی لاش دیکھ کر لذت محسوس کرتا ہوں۔''

''اوہ۔ پھر تو تم ایسی لذت سے محروم رہو گے۔'' شاستری ہنسا۔ اس کے ساتھ آنے والے گن بردار دائیں بائیں کھڑے ہو گئے تھے۔

''نہیں۔ لذت تو اب ملنے والی ہے لیکن میں تنہا لذت حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے تمہاری بیٹی اور تمہارے چیلے ملنگ کو بھی اس لذت میں شامل کرنے کے لیے یہاں طلب کیا ہے۔ ہرن چند انہیں لینے گیا ہے۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم میری لاش دیکھ سکو گے شنکر لال؟'' شاستری نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''تمہاری بے بسی ظاہر کرتی ہے کہ تم مرنے کے لیے ہی آئے ہو اور چند لمحوں بعد تمہاری لاش کا قیمہ اس کمرے میں بکھرا ہوا ہو گا۔''

''بڑا غرور ہے تمہیں اپنی شکتی پر نابکار۔'' شاستری نے زہر خند کہا۔ ''شاید تم اپنے بڑوں کا قول بھول گئے ہو کہ غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔''

''تم حقیقت کو غرور کہہ کر اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو مورکھ۔'' شنکر لال غضبناک ہوتا ہوا بولا۔

''او پاپی۔'' شاستری کو بھی غصہ آ گیا۔ ''تم شاید اس لیے مجھے کمزور سمجھ رہے ہو کہ گیٹ سے اندر آتے ہی تمہارے ان غلام کتوں نے مجھے گھیر لیا اور میں اپنا دفاع نہ کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں تم تک پہنچنے سے پہلے ان سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ چار تو کیا چالیس آدمی بھی مجھے گرفتار نہ کر سکتے تھے۔ تم اس لیے بھی مجھے کمزور سمجھتے ہو کہ تم میری غیر موجودگی میں میری بیٹی کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے اور میں نے مرلی چند سے تمہارا دھمکی آمیز پیغام سن کر خاموشی اختیار کر لی یا تمہارا پیچھا نہ کیا جبکہ میں چاہتا تو فوراً تم تک پہنچ جاتا۔''

''تو تم آ جاتے۔ دن بھر کیوں صبر کرتے رہے؟'' شنکر لال استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

''محض اس لیے کہ میں نے سمن سے وعدہ کیا تھا کہ آج کی رات شنکر لال کی زندگی کی آخری رات ہو گی۔ آج رات آخری مقابلہ ہو گا اور تم جانتے ہی ہو کہ آخری مقابلہ جیتنے کے لیے کتنا اہتمام و کتنی تیاری کرنا پڑتی ہے۔''

''بہت خوب اس کا مطلب ہے کہ تم پوری تیاری کے ساتھ آئے ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اس مقابلے میں تمہیں فتح نصیب ہو گی؟''

''ہاں۔ مجھے اس وقت یقین ہو گیا تھا جب معصوم اور بے خطا لڑکی رخسانہ کے قتل کی خبر مجھ تک پہنچی

تھی۔ جب کسی ظالم کے ہاتھوں کسی بے گناہ، کسی مظلوم کا خون ہو جائے تو پھر ظالم کی موت کا وقت بہت قریب آ جاتا ہے۔''

اسی لمحے کمرے میں عادل اور ثمن داخل ہوئے۔ ثمن نے بستر کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ شنکر لال نے ان کی طرف دیکھا۔

''اوہ۔ ہرن چند کہاں ہے؟'' شنکر لال نے چونکتے ہوئے عادل سے سوال کیا۔

''ہمیں یہاں تک چھوڑ کر پیشاب کرنے چلا گیا۔'' عادل نے بتایا اور رخسانہ کے ساتھ دیوار کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''شاستری مہاراج۔ تمہارے عزیز آ گئے ہیں تمہاری موت کا نظارہ کرنے کے لیے۔'' شنکر لال نے شاستری کی طرف دیکھا کر طنز کیا۔ ''لیکن یہ صرف تماشا دیکھ سکیں گے تمہاری لاش پر آنسو بہانا انہیں نصیب نہ ہوگا کیونکہ تمہارے بعد ان کی باری ہے۔''

''بکواس مت کرو اپرادھی۔'' شاستری غرایا۔ ''میں رہوں نہ رہوں یہ دونوں زندہ رہیں گے۔ انہیں واپس اپنے وطن جانا ہے۔ میں ان کے پاسپورٹ لے آیا ہوں۔''

''ان پاسپورٹوں پر ان کے جسم نہیں صرف روحیں سفر کر سکیں گی صرف تمہارے بالک ملنگ کی روح کیونکہ ابھی میں تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہاری بیٹی کی آبرو پامال کروں گا تو اس کی روح خود بخود مر جائے گی اور......''

''خاموش رہو خنزیر۔'' شاستری غضبناک شیر کی طرح دھاڑا۔ ''تم میرے جیتے جی اسے چھو بھی نہیں سکتے۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے تیزی سے کچھ پڑھ کر شنکر لال کی طرف پھونکا۔ اگلے ہی لمحے شنکر لال صوفے پر الٹا ہو کر بلند ہوا اور اس کا جسم معلق ہو گیا۔ اس کے پاؤں چھت سے جا لگے تھے۔ سب لوگ شنکر لال کی طرف متوجہ ہو گئے پھر شنکر لال تیزی سے سر کے بل فرش پر گرنے لگا لیکن اس سے پہلے کہ اس کا سر فرش سے ٹکراتا وہ یکدم سیدھا ہو گیا اور پاؤں کے بل فرش پر کھڑا ہو کر اس نے شاستری کی طرف پھونک مار دی اور دوسری ہی لمحے شاستری گھٹنوں تک فرش پر دھنس گیا اور اس کی زبان منہ سے باہر لٹکنے لگی۔ یہ دیکھ کر عادل اور ثمن بے چین ہو گئے۔

''ہاہاہا......'' شنکر لال کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔ ''میں نے تو تمہارے منتر کا اُپائے کر لیا تھا شاستری۔ مگر تم بری طرح بے بس ہو گئے ہو۔ ایک لفظ تک بولنے سے معذور ہو۔ اب اپنی بیٹی کی عزت خاک میں ملتے دیکھو گے تو تب بھی سوائے رونے کے کوئی احتجاج نہ کر سکو گے۔''

شاستری نے عادل کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بے بسی طاری تھی اور آنکھوں میں خاموش پیغام جیسے کہہ رہا ہو اب تم ہی ثمن کی آبرو کی حفاظت کر سکتے ہو ملنگ بیٹے۔ اس کی بے بسی دیکھ کر عادل کا خون کھولنے لگا۔ شنکر لال کے اشارے پر چاروں گن بردار پیچھے ہٹ کر دیوار کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

''ادھر آؤ ثمن۔ میرے پاس آ جاؤ تاکہ تمہارا باپ بھی تمہارا حسین اور کنوارا بدن دیکھ کر لطف لے سکے۔'' شنکر لال نے ہنستے ہوئے ثمن سے کہا۔

''بکواس مت کرو پاپی کتے۔'' ثمن غرائی۔ ''میں تمہارے منہ پر تھوکتی ہوں حرام کے تخم۔''

''مہاراج۔ اسے باپ سے شرم آتی ہے۔'' ایک گن بردار نے ہنس کر کہا۔

''اور میں اس کے باپ کے سامنے اس کی شرم و حیا کا جنازہ نکالنا چاہتا ہوں۔'' شنکر لال ہنستا ہوا ثمن کی طرف بڑھا۔

عادل کے لیے اب مزید برداشت کرنا ممکن نہ تھا وہ اچانک اپنے پیروں پر اچھلا اور دوسرے ہی لمحے بھیڑیے کی صورت اختیار کرتا ہوا شنکر لال پر جا گرا۔ شنکر لال بوکھلاہٹ میں فرش پر آ رہا اور بھیڑیے نے اس کی گردن میں اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیئے۔

''فف۔ فا۔ ئر۔'' شنکر لال چیختا ہوا بمشکل کہہ سکا۔

چاروں گن برداروں نے بھیڑیے کی طرف گنیں سیدھی کی ہی تھیں کہ اس لمحے ثمن نے چادر میں چھپائی ہوئی اسٹین گن نکال کر ان چاروں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی مگر ان میں سے ایک فائر کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن بوکھلاہٹ میں گن کا رخ تبدیل ہونے کے سبب ساری گولیاں شاستری کی پشت میں آ لگیں اور اس کا فرش سے باہر کا دھڑ تڑپنے لگا اس سے پہلے کہ وہ آدمی دوبارہ فائر کرتا ثمن نے اس پر فائر کر دیا اور وہ بھی بقیہ تینوں کے ساتھ فرش پر تڑپنے لگا۔

ثمن دوڑ کر شاستری کے پاس آئی اور گن پھینک کر اس سے لپٹ گئی۔ شاستری ابھی زندہ تھا ثمن دھاڑیں مار کر رونے لگی ادھر بھیڑیئے نے شنکر لال کی گردن جبڑوں میں دبوچی ہوئی تھی اور پنجوں سے اس کے سینے پر گھاؤ ڈال رہا تھا اس نے شنکر لال کی گردن پوری طرح چبا ڈالی اور شنکر لال کی کربناک چیخیں بند ہو گئیں۔ بھیڑیا اب بھی اس کے بدن کو ادھیڑ رہا تھا اچانک شنکر لال کا جسم ایک دم تڑپا اور ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔ اسی لمحے شاستری کا زخمی جسم فرش سے آزاد ہو گیا وہ فرش پر گر گیا اور ثمن اس سے لپٹ کر چیخنے لگی۔

''بابا۔ بابا۔ تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ بابا۔''

''دھیرج پتری دھیرج۔'' شاستری کے منہ سے ہلکی سی آواز خارج ہوئی۔ ''میں تمہیں چھوڑ کر نہیں

ملنگ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔ میں تمہاری بہادری پر خوش ہوں کہ تم نے اپنا سہاگ بچا لیا۔ اب کوئی دشمن زندہ نہیں رہا۔"

اسی لمحے عادل اس کے قریب پہنچ گیا اس نے شاستری کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔"شاستری بابا۔ مجھے افسوس ہے کہ سمن کی آبرو بچانے کی کوشش میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکا۔"

"نہیں ملنگ بیٹے۔ افسوس مت کرو میں تم پر راضی ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری بیٹی کی آبرو بچا کر میری آبرو رکھ لی۔ میری جیب سے پاسپورٹ نکالو اور سمن کو لے کر وطن روانہ ہو جاؤ۔ اب یہ تمہاری دلہن ہے۔ وعدہ کرو کہ اسے کبھی کوئی دکھ نہ دو گے اور اسی طرح اس کی حفاظت کرتے رہو گے۔"

عادل نے وعدہ کیا اور دوسرے ہی لمحے شاستری کی روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔

☆☆☆